مسنون معاشرت

احکام وآداب
اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں

۱

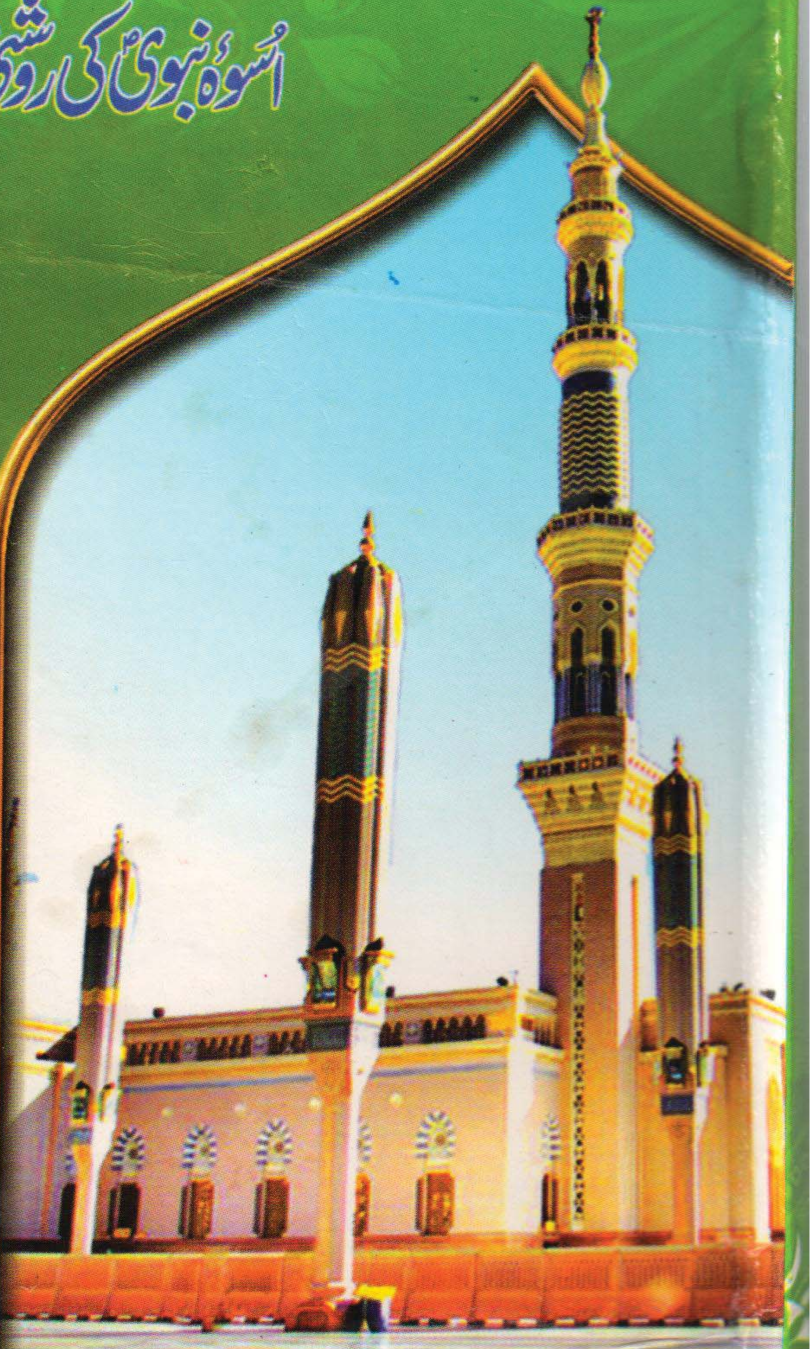

مؤلفین

مفتی محمد ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

Faisal
International

مسنون معاشرت

احکام و آداب

اُسوۂ نبوی کی روشنی میں

جلدِ اول

مفتی محمد ابوبکر جابر قاسمی
مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

نامِ کتاب : مسنون معاشرت احکام وآداب، اُسوۂ نبوی کی روشنی میں
جلدِ اول
مصنّفین : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
صفحات : ۴۷۶
سنِ طباعت : شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ م جون ۲۰۱۴ء
کمپوزنگ و تزئین : حبیب گرافکس – فون : 040-65583159
ناشر :

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس بورابنڈہ، حیدرآباد 040-23836868
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد 040-66710230
- فضل بک ڈپو جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد +91-40-9440039231
- مکتبہ احیاءِ سنت مسجدِ ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد 040-23325952
- مکتبہ فیض العلوم سعیدآباد، حیدرآباد 040-24557422
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد 040-66714341
- **مکتبہ کلیمیہ** رحمٰن کامپلکس (پہلی منزل)، روبرو ہمالیہ بک ڈپو
  حضرتِ یوسفینؒ چوراستہ، ناملی، حیدرآباد 9885655591, 9030474265
- مکتبہ عمر نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد

فہرستِ مضامین

عناوین	صفحہ
پہلی بات ...... محمد ابوبکر جابر قاسمی	۱۳
کلماتِ بابرکات...... حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری مدظلہ	۱۴
تقریظ ...... حضرت مولانا عبدالقوی صاحب مدظلہ	۱۵
تقریظ ...... حضرت مولانا خواجہ نذیرالدین صاحب مدظلہ	۱۷
اسلامی معاشرت کے بنیادی اُصول	۱۹
اسلامی اخلاق اور حسنِ معاشرت کی طرف سے عام لوگوں کی کوتاہی	۲۴
اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب کا فرق، اسلامی معاشرت کی خوبی اور مسلمانوں کی بدحالی	۲۶
حسنِ اخلاق کی اہمیت	۲۸
دین میں اخلاق کا درجہ	۲۹
حسنِ اخلاق کی فضیلت واہمیت	۳۰
حدودِ شریعت، مزاجِ شریعت	۳۵
دل صاف رکھئے	۳۷
بدگمانی سے پرہیز کیا جائے	۳۹
بدگمانی کے اسباب سے بھی بچا جائے	۴۳
بدگمانی کی جگہوں سے بچا جائے	۴۳
کسی کی عیب جوئی نہ کرے	۴۴
عیب کی پردہ پوشی کی جائے	۴۸
عیبوں کو چھپانے کے کچھ واقعات	۴۹

عناوین	صفحہ
غیبت سے پرہیز کیجئے	۵۱
غیبت کی توبہ	۵۸
غیبت کا عملی علاج	۵۸
جائز غیبت	۵۹
دو رُخی پن بری عادت ہے	۶۰
بے بنیاد باتوں پر یقین نہ کیا جائے	۶۱
زبان کی حفاظت کی جائے	۶۳
صبر و تحمل سے کام لیا جائے	۶۶
صبر کا بدلہ	۷۱
صبر کے فائدے	۷۶
صبر و شکر دونوں جنت میں داخلے کی وجہ بنتے ہیں	۷۸
شکر کے فائدے	۸۰
سب سے زیادہ صبر کرنے والی ذات، ذاتِ خداوندی ہے	۸۱
نرمی سے مسئلہ حل ہوتا ہے	۸۲
غصہ پی جانے کی فضیلت	۸۳
غصہ کا علاج	۸۷
حقوق ادا کرنے کی چیز ہے نہ کہ مانگنے کی	۹۰
معاف کر دیجئے	۹۴
حضورِ اکرم ﷺ کا اپنے سخت دشمنوں کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ	۹۶
حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے درگذر کے واقعات	۱۰۰
بدلہ لینے سے کچھ نہیں ملتا، معاف کرنے سے جنت کے درجات ملتے ہیں	۱۰۲

عناوین	صفحہ
حسد نہ کیجئے	۱۰۷
حسد کے وجوہات واسباب	۱۰۹
حسد کے نقصانات اور خرابیاں	۱۱۰
حسد کا علاج	۱۱۱
حسد کا علمی علاج	۱۱۱
حسد کا عملی علاج	۱۱۱
ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں !	۱۱۲
بدلہ لینے کا نام اخلاق نہیں	۱۱۴
تحمل وبردباری کو اختیار کیجئے	۱۱۵
تواضع اپنائیے	۱۱۷
تکبر بندے کو زیب نہیں دیتا	۱۱۹
تکبر کے نقصانات	۱۲۲
تکبر کے اسباب ووجوہات	۱۲۳
تکبر سے کیسے بچا جائے	۱۲۴
قناعت کی اہمیت	۱۲۶
کپڑوں میں سادگی	۱۲۹
کھانے میں سادگی	۱۳۱
مکان میں سادگی	۱۳۴
ایثار کی فضیلت واہمیت	۱۴۱
بزرگانِ سلف کے ایثار وارشادات	۱۴۴
رشتہ جوڑنے کی اہمیت وفضیلت	۱۴۶

عناوین	صفحہ
رشتہ توڑنے کے نقصانات	۱۵۰
رشتہ نبھانا بھی دین ہے	۱۵۳
تعلقات کو نبھانا بھی دین ہے	۱۵۴
سلام سے قطع تعلق کی تلافی ہو جاتی ہے	۱۵۶
عزیزوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنا دوہرے ثواب کا باعث	۱۵۷
آپسی معاملات کو درست رکھیں	۱۵۹
میراث فوراً تقسیم کردی جائے	۱۶۱
اولاد کے درمیان برابری کریں	۱۶۳
شکوہ شکایت چھوڑ دیں	۱۶۴
آمد وخرچ کا انتظام رکھے	۱۶۶
مذاق اور دل لگی سے پرہیز کیا جائے	۱۷۱
حضور ﷺ کے سنجیدہ مزاح ومذاق کے نمونے	۱۷۴
مزاح اور دل لگی کی حد کیا ہو	۱۷۶
دوستی اور دشمنی میں حدِ اعتدال میں رہا جائے	۱۷۹
معافی چاہنے میں دیر نہ کیجئے	۱۸۱
موجودہ زمانے میں اصلاح کے دو طریقے	۱۸۴
تربیت کا ایک اہم اُصول......تدریج!	۱۸۴
علماءِ دین اور بزرگوں کے مشورے سے زندگی گذاریں	۱۸۵
شرعی پنچایت کا قیام	۱۸۷
زبان کی اہمیت	۱۹۳
زبان اور قومیت	۱۹۴

عناوین	صفحہ
تبلیغ ودعوت اور دیگر سیاسی تعلقات وضروریات کیلئے غیر زبان کو سیکھنا	۱۹۷
خود اپنی زبان کے غیر اسلامی محاورات کے استعمال کی ممانعت	۱۹۸
عربی زبان کی اہمیت	۱۹۹
اُردو زبان کی اہمیت	۲۰۰
ماں باپ پر بچوں کے ابتدائی حقوق	۲۰۲
لڑکی کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا جائے	۲۰۲
نومولود کے کان میں اذان واقامت	۲۰۳
تحنیک ودعائے برکت	۲۰۵
عقیقہ	۲۰۶
عقیقہ کا حکم	۲۰۷
عقیقہ کے جانور	۲۰۷
بہتر یہ ہے کہ جانوروں میں بکری کے ذریعہ عقیقہ کیا جائے	۲۰۸
دیگر جانور اونٹ اور گائے سے بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے	۲۰۸
عقیقہ کا گوشت	۲۰۹
عقیقہ کب کیا جائے	۲۰۹
بال مونڈھنا	۲۱۱
نام رکھنا	۲۱۲
ختنہ کے احکام ومسائل	۲۱۶
ختنہ کا وقت	۲۱۷
ختنے کی دعوت	۲۱۷
بچوں کی پرورش کے احکام	۲۱۹

عناوین	صفحہ
پرورش کی اُجرت	۲۱۹
بچے کا نفقہ	۲۲۰
بچوں کی تربیت کے یہ اُصول بھی ملحوظ رہیں	۲۲۱
بڑوں کا بچپن	۲۴۰
بچوں کی احتیاط کا بیان	۲۴۴
قیامِ مکاتب : آداب واحکام	۲۴۸
بچوں کی نفسیات سے واقفیت	۲۶۱
مدارسِ اسلامیہ اور عصری علوم	۲۶۳
اپنی جان کے حقوق	۲۶۵
استاذ کے حقوق	۲۷۰
شاگرد کے حقوق	۲۷۶
طلبہ کی تادیب کے شرعی اُصول	۲۹۸
ماں باپ کے حقوق	۳۰۶
والدین کی اطاعت کس حد تک	۳۱۶
کن چیزوں میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں	۳۱۷
ماں کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے؟	۳۱۹
حدیث ”انت و مالک لابیک“ کی توضیح	۳۲۰
حضرت عمرؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے طلاق کا حکم دینے کی وجہ	۳۲۰
ساس کیلئے ہدایات	۳۲۲
بیٹی کی ماں کیلئے ہدایات	۳۲۲
ان کی رشتہ داری اور تعلقات کو نبھائیے	۳۲۴

عناوین	صفحہ
خالہ اور ماموں کے حقوق	۳۲۵
چچا و تایا کے حقوق	۳۲۶
بھائی اور بہنوں کے حقوق	۳۳۴
سسرالی رشتہ داروں کے حقوق	۳۴۳
حضور ﷺ بحیثیت داماد	۳۴۷
حضور ﷺ بحیثیت خسر	۳۵۰
رشتہ داروں کے مالی حقوق	۳۵۶
اولاد کی اولاد کا نفقہ	۳۵۹
شوہر کی ذمہ داریاں	۳۶۳
ادائیگی مہر	۳۶۳
مہر کی اہمیت شرعی نقطہ نظر سے	۳۶۳
ادائیگی نفقہ	۳۶۶
بیوی کے حق زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی درست نہیں	۳۶۷
چار مہینے سے زیادہ بیوی سے علاحدہ نہ رہے	۳۶۹
ماں باپ سے کب ملاقات کرائے؟	۳۷۱
علاحدہ رہائش کا مطالبہ	۳۷۲
بیوی کے کاموں میں دلچسپی لیں	۳۷۳
شوہر بیوی پر بے جا شک نہ کرے	۳۷۵
حضرت سعدؓ اور حضرت عمرؓ کی غیرت	۳۷۶
عورت کی رائے کا احترام کیا جائے	۳۷۶
گھر والوں کو دیندار بنائے	۳۷۷

عناوین	صفحہ
بیوی سے محبت کا اظہار کرے	۳۸۰
بیوی کے اچھے کاموں کی تعریف کرے	۳۸۱
بیوی کے عزیز واقارب سے بے اعتنائی نہ کرے	۳۸۲
بیوی کے ساتھ وقت گذاری کرے	۳۸۲
کچھ تجربہ کی باتیں	۳۸۳
بیوی کی ذمہ داریاں	۳۸۵
مرد امیر ہے	۳۸۵
بیوی شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرے	۳۸۸
شوہر کی شکر گذاری اور اطاعت شعار اور خدمت گذار رہیں	۳۹۲
حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کی خدمت گذاری	۳۹۳
وہ اُمور جن میں شوہر کی اطاعت شرعاً واجب ہے	۳۹۴
شوہر کی اطاعت کے حدود	۳۹۵
شوہر کی جنسی خواہش کی تکمیل کی جائے	۳۹۶
شوہر کے گھر کی نگرانی کرے	۳۹۷
شوہر کی بغیر اجازت کے گھر سے باہر نہ جائے	۳۹۸
عورتوں کو ہدایت	۴۰۰
بہترین جہیز	۴۰۰
اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت	۴۰۱
نماز کی پابندی	۴۰۲
تلاوتِ قرآن کا اہتمام	۴۰۳
روزہ کا اہتمام	۴۰۳

عناوین	صفحہ
زکوٰۃ کی اہمیت	۴۰۳
حج کی فرضیت	۴۰۴
ہدایت سسرال کے گھر والوں کے ساتھ آدابِ معاشرت	۴۰۷
انتظامِ خانہ داری	۴۱۰
بعض باتیں عیب اور تکلیف کی جو عورتوں میں پائی جاتی ہیں	۴۱۳
بعض باتیں سلیقہ اور آرام کی	۴۱۸
بعض باتیں تجربہ اور انتظام کی	۴۲۴
بعض باتیں نیکیوں کی اور نصیحتوں کی	۴۳۲
شوہر کے رشتہ داروں کا خیال رکھے	۴۳۸
پڑوسی کے حقوق	۴۴۰
یتیموں اور بیواؤں کے احکام	۴۴۹
عیادت اور مزاج پرسی کے آداب	۴۵۴
تعزیت کے آداب	۴۵۸
رنج و غم کے آداب	۴۶۰
مزدوروں کے حقوق	۴۶۹

پہلی بات

دنیا دار الحقوق ہے اور آخرت دار الاجور ہے، دنیا ذمہ داریاں پورا کرنے کی جگہ ہے، آخرت خواہشات پورا کرنے کی جگہ ہے، دنیا دار الحظوظ نہیں ہے، اللہ، رسول اللہ ﷺ اور پھر اللہ کے بندوں کے حقوق جاننا ضروری ہے، اللہ کے حقوق سے زیادہ بندوں کے حقوق کے ساتھ رہن سہن کا نام معاشرت ہے۔

اسلامی معاشرت کی اہمیت کیلئے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا طویل اقتباس پڑھ لیں، البتہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مہاجر مدنیؒ کا ملفوظ نقل کرتا ہوں کہ رشتہ داروں کی فہرست بنا کر ان کے فرقِ مراتب کے لحاظ سے ان سے صلہ رحمی کیا کرو۔ لڑکیوں کے مدارس اور مستورات کی جماعتیں عالمی سطح پر بڑھ رہی ہیں، ہر طرف سے ضرورت سمجھی جا رہی تھی اور متعدد جگہوں سے مطالبات آ رہے تھے کہ اسلامی معاشرت کے تمام خدوخال بتلانے والی کتاب تیار کی جائے، عصری مدارس اور دینی مدارس کی لڑکیاں رسمی نصاب تو پڑھ رہی ہیں مگر تربیتی مضامین اور ان صفات کا مذاکرہ انہیں نہیں مل پا رہا ہے جو درحقیقت آئندہ کی زندگی میں انہیں کار آمد ہو۔

تفاسیر اور کتبِ حدیث کے بعد غزالیات ابن وتھانویات، ماضی قریب وبعید کے اکابرین کی تحریرات وتجربات سے اور عربی میں متقدمین ومتاخرین کی کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا گیا، استیعاب، اختصار، تسہیل اور مدلل کرنے کی بار بار کوشش ہوئی، منکرات کو چھیڑا نہیں گیا، معروفات اور مدنی معاشرہ کی حتی الامکان منظر کشی کی گئی۔

اہل مدارس اور اہلِ دعوت سے عاجزانہ درخواست ہے کہ راقم الحروف اور اس کے رفیق تصنیف مفتی محمد رفیع الدین صاحب قاسمی کی اس تحریر کی اصلاح فرمائیں، اندازِ تعبیر اور مواد حذف واضافہ کے مفید مشورہ دیں؛ تا کہ نصاب کیلئے مفید کتاب تیار ہو جائے۔

محمد ابو بکر جابر قاسمی ۲۰؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

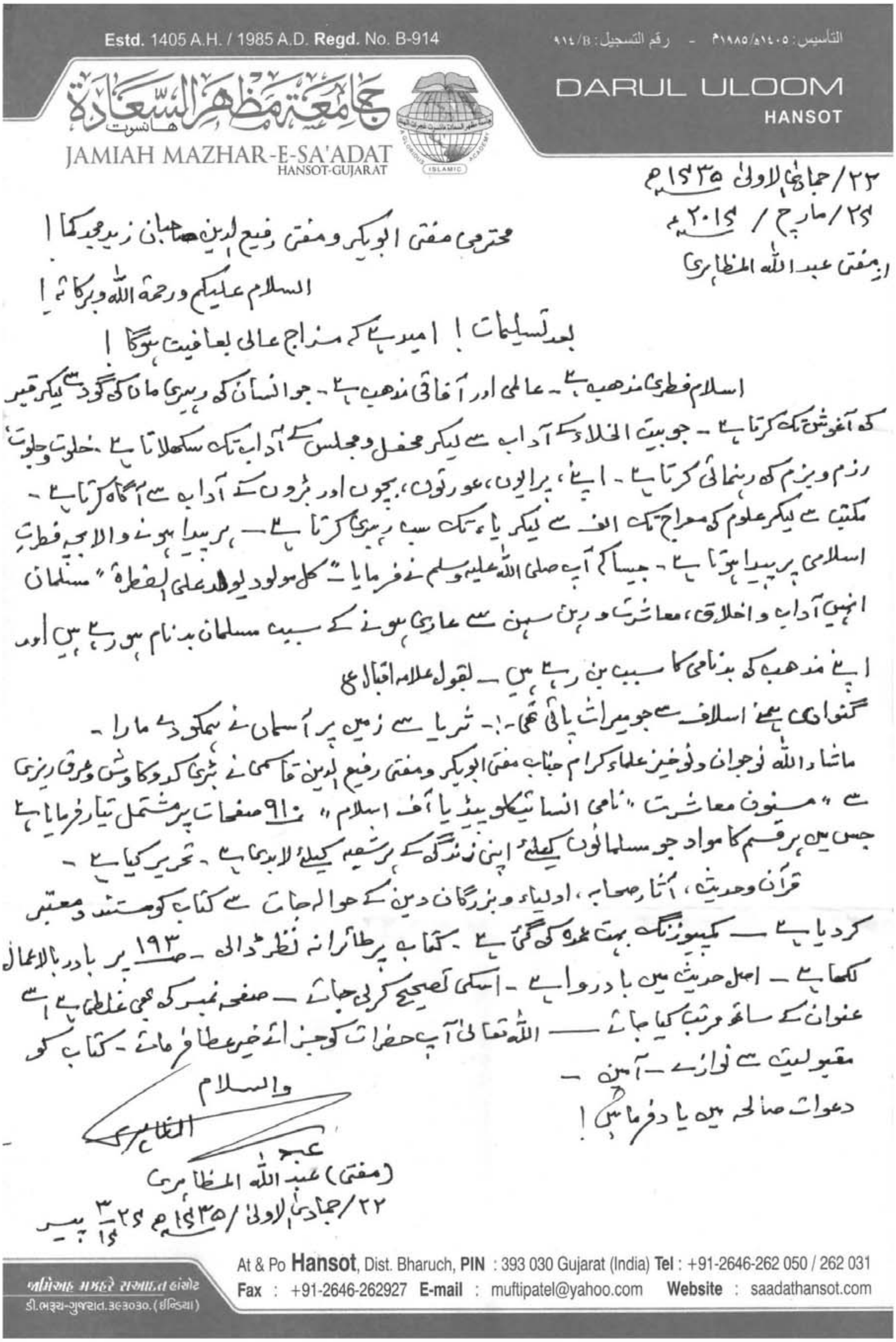

Estd. 1405 A.H. / 1985 A.D. Regd. No. B-914
التأسيس: ١٤٠٥هـ/١٩٨٥م - رقم التسجيل: B/٩١٤
جامعة مظهر السعادة هانسوت
JAMIAH MAZHAR-E-SA'ADAT
HANSOT-GUJARAT
DARUL ULOOM
HANSOT

۲۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ
۲۵/ مارچ / ۲۰۱۴ء
از مفتی عبد اللہ المظاہری

محترمی مفتی ابوبکر و مفتی رفیع الدین صاحبان زید مجدکما!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد تسلیمات! امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا!

اسلام فطری مذہب ہے۔ عالمی اور آفاقی مذہب ہے۔ جو انسان کی رہبری ماں کی گود سے لیکر قبر کی آغوش تک کرتا ہے۔ جو بیت الخلاء کے آداب سے لیکر محفل و مجلس کے آداب تک سکھلاتا ہے۔ خلوت و جلوت، رزم و بزم کی رہنمائی کرتا ہے۔ اپنے، پرایوں، عورتوں، بچوں اور بڑوں کے آداب سے آگاہ کرتا ہے۔ مکتب سے لیکر علوم کی معراج تک الف سے لیکر یاء تک سب رہبری کرتا ہے۔ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کل مولود یولد علی الفطرۃ" مسلمان انہیں آداب و اخلاق، معاشرت و رہن سہن سے عاری ہونے کے سبب مسلمان بدنام ہو رہے ہیں اور اپنے مذہب کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ع

گنوادی ہم نے اسلاف سے جو میراث پائی تھی -!- ثریا سے زمین پر آسمان نے ہمکو دے مارا۔

ماشاء اللہ نوجوان و نوخیز علماء کرام جناب مفتی ابوبکر و مفتی رفیع الدین قاسمی نے بڑی کد و کاوش و عرق ریزی سے "مسنون معاشرت" نامی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" ۹۱۰ صفحات پر مشتمل تیار فرمایا ہے جس میں ہر قسم کا مواد جو مسلمانوں کیلئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے لابدی ہے۔ تحریر کیا ہے۔ قرآن و حدیث، آثار صحابہ، اولیاء و بزرگان دین کے حوالجات سے کتاب کو مستند و معتبر کردیا ہے۔ کمپوزنگ بہت عمدہ کی گئی ہے۔ کتاب پر طائرانہ نظر ڈالی۔ ص ۱۹۳ پر بادر بالاعمال لکھا ہے۔ اصل حدیث میں بادروا ہے۔ اسکی تصحیح کرلی جائے۔ صفحہ نمبر کی بھی غلطی ہے اسے عنوان کے ساتھ مرتب کیا جائے۔ اللہ تعالی آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کتاب کو مقبولیت سے نوازے۔ آمین۔

دعوات صالحہ میں یاد فرمائیں!

والسلام

(مفتی) عبد اللہ المظاہری
۲۲/ جمادی الاولی / ۱۴۳۵ھ ۲۵/۳/۱۴ء

At & Po **Hansot**, Dist. Bharuch, **PIN** : 393 030 Gujarat (India) **Tel** : +91-2646-262 050 / 262 031
Fax : +91-2646-262927 **E-mail** : muftipatel@yahoo.com **Website** : saadathansot.com
જામિઅહ મઝહરે સઆદત હાંસોટ
ડી.ભરૂચ-ગુજરાત.૩૯૩૦૩૦.(ઇન્ડિયા)

کلماتِ بابرکات

جامع المعقول والمنقول، حضرت الاستاذ مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم

بانی وناظم جامعہ مظہر السعادت، ہانسوٹ، گجرات

محترمی مفتی ابوبکر ومفتی رفیع الدین صاحبان زید مجدکما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیمات! امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا!

اسلام فطری مذہب ہے، عالمی اور آفاقی مذہب ہے، جو انسان کی رہبری ماں کی گود سے لے کر قبر کی آغوش تک کرتا ہے، جو بیت الخلاء کے آداب سے لے کر محفل ومجلس کے آداب تک سکھلاتا ہے، خلوت وجلوت، رزم وبزم کی رہنمائی کرتا ہے، اپنے، پرایوں، عورتوں، بچوں اور بڑوں کے آداب سے آگاہ کرتا ہے، مکتب سے لے کر علوم کی معراج تک الف سے لے کر یا تک سب رہبری کرتا ہے، ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، جیساکہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کل مولود یولد علی الفطرة" مسلمان انہیں آداب واخلاق، معاشرت ورہن سہن سے عاری ہونے کے سبب مسلمان بدنام ہو رہے ہیں اور اپنے مذہب کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں، بقولِ علامہ اقبال:

گنوادی ہے، اسلاف سے جو میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

ماشاء اللہ نوجوان ونوخیز علماءِ کرام جناب مفتی ابوبکر ومفتی رفیع الدین قاسمی نے بڑی کدوکاوش وعرق ریزی سے ’’مسنون معاشرت‘‘ نامی ’’انسائیکلوپیڈیا آف اسلام‘‘ ۹۱۰؍ صفحات پر مشتمل تیار فرمایا ہے، جس میں ہر قسم کا مواد جو مسلمانوں کیلئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے لابدی ہے، تحریر کیا ہے۔

قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ، اولیاء وبزرگانِ دین کے حوالہ جات سے کتاب کو مستند ومعتبر کردیا ہے، کمپوزنگ بہت عمدہ کی گئی ہے، کتاب پر طائرانہ نظر ڈالی۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، کتاب کو مقبولیت سے نوازے، آمین۔ دعواتِ صالحہ میں یاد فرمائیں۔

از (مفتی) عبداللہ مظاہری
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
۲۴؍ مارچ ۲۰۱۴ء

تقریظ

حضرت مولانا خواجہ نذیر الدین صاحب مدظلہ

ناظم جامعہ عائشہ نسواں حیدرآباد

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

معاشرہ کے عام فہم معنی ''مل جل کر رہنا'' ہے جیسے میاں، بیوی، بچہ، خاندان کے لوگ اور جہاں آدمی کام کرتا ہے وہاں مل کر رہنا یہ سب معاشرہ میں آتا ہے ور یہ ایک ایسا شعبہ ہے کہ جس سے ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے اور معاشرہ ہی اکی ایسی چیز ہے کہ جس پر انسان کا اچھا و برا ہونا محمول ہے، معاشرہ اگر اچھا ہو تو انسان کو ایک خاص قسم کا سکون واطمینان محسوس ہوتا ہے اور سکون واطمینان یہ ہر ایک کے دل کی تمنا ہوتی ہے اور جب معاشرہ خراب ہو تو انسان کا سکون واطمیان غارت ہو جاتا ہے اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سکون واطمینان کے بغیر جی نہیں سکتا، ایسے وقت میں وہ سکون واطمینان کی تلاش میں سیر وتفریح کے پروگرام بناتا ہے جس کے ذریعہ کے اسے وقتی طور پر سکون ملتا ہے۔

اسلام میں معاشرہ کو باضابطہ اہمیت دی گئی ہے اور اس کو اسلام کے شعبوں میں سے ایک خاص شعبہ قرار دیا ہے۔

عام طور پر لوگ معاشرت کے اصول اپنے اپنے طور پر بنا لیتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں اعتدال باقی نہیں رہتا اور بے اعتدالی کی وجہ سے آپس میں محبت پیدا ہونے کے بجائے نفرتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اس سلسلہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے جو اصول وضوابط بتائے ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں، یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی مذہب اور کسی قانون میں اس کا مثل نہیں۔

اسلامی معاشرت پر جو لوگ عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے گھرانے جنت کا نمونہ ہوتے ہیں اور وہ معاشرہ اس قدر متاثر کن ہوتا ہے کہ جو بھی ان کو دیکھتے ہیں بغیر متاثر ہوئے رہ نہیں سکتے اور یہی معاشرہ کئی لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو جتنی توجہ دینی چاہئے تھی اس میں بہت ہی کوتاہی برتی جا رہی ہے اور بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آج کئی مسلمان اسلامی معاشرت سے ناواقف ہیں اور دشمنانِ اسلام اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو اچھے اخلاق سے ہٹا کر دہشت گرد ثابت کرنا شروع کر دیا ہے۔

آج کے اس دور میں چاہئے کہ مسلمان اسلامی معاشرت پر خصوصی توجہ دیں؛ تاکہ غیروں کی غلط فہمیاں دور ہو سکیں اور اسلام کی صحیح تصویر ابھر کر آجائے۔

زیرِ نظر کتاب ''مسنون معاشرت'' ایک بہت ہی بہترین کتاب ہے اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب مولانا ابوبکر جابر قاسمی صاحب اور ان کے رفیق کار کو خوب جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے بروقت اس جانب توجہ فرمائی اور اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب تالیف فرمائی، میں تمام مسلمانوں سے گذارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں اور اسلامی معاشرت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو معاشرہ کے سدھار کا سبب بنائے اور مؤلف اور ان کے رفقائے کار کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

خواجہ نذیر الدین سبیلی

۲۵ر شعبان ۱۴۳۴ھ

اسلامی معاشرت کے بنیادی اصول

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :

اس وقت دین کے پانچ اجزاء میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جزو کو داخل دین سمجھا، یعنی عقائد و عبادات کو اور علماء نے تیسرے جز کو بھی دین میں داخل کیا یعنی صفائی معاملات کو اور مشائخ نے چوتھے جز کو بھی دین قرار دیا یعنی اخلاق باطنی کی اصلاح کو، لیکن ایک پانچویں جز کو کہ جو ادب معاشرت ہے قریب قریب تینوں طبقوں نے الا ماشاء اللہ اکثر نے تو دین سے بے تعلق قرار دے رکھا ہے اور اسی وجہ سے اور اجزاء کی کم وبیش خاص طور پر یا عام طور پر یعنی وعظ میں کچھ تعلیم و تلقین بھی ہے، لیکن اس جز کا کبھی زبان پر نام تک بھی نہیں آتا، اس لئے اس کی اہمیت اور افادیت کو بیان کرنے کیلئے چند احادیث حسن معاشرت کی تاکید و توثیق کے تعلق سے ذکر کرتے ہیں :

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا “ (۱) اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ فراخ کردو تو جگہ کو فراخ کردیا کرو اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو“۔

اور ارشاد ہے: ”لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ “ (۲) دوسرے کے گھر میں (گو وہ مردانہ ہو، مگر خاص خلوت گاہ ہو) بے اجازت لئے مت جایا کرو“۔

دیکھئے اس میں اپنے جلیسوں کی راحت کی رعایت کا کس طرح حکم فرمایا ہے:

---

(۱) سورۃ المجادلہ : ۱۱

(۲) سورہ نور : ۲۷

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک ساتھ کھانے کے وقت دو چھوارے ایک ساتھ نہ لینا چاہئے تاوقتیکہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لے " نهى رسول الله ﷺ أن يقرن الرجل بين التمرتين جميعا حتى يستأذن صاحبه " (۱)

دیکھئے اس میں ایک نہایت خفیف امر سے محض اس وجہ سے کہ بدتمیزی ہے اور دوسروں کو ناگوار ہوگا ممانعت کردی اور حضور اکرم ﷺ ہی کا ارشاد ہے، ''جو شخص لہسن اور پیاز (کچی) کھائے تو ہم سے یعنی مجمع سے علاحدہ رہے۔ (۲)

دیکھئے اس خیال سے کہ ایک خفیف سی اذیت ہوگی منع فرمادیا اور فرمایا کہ: مہمان کو حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ ہوجائے " أن يمكث عنده حتى يخرجه " (۳)

اس میں ایسی بات سے ممانعت ہے جس سے دوسروں کے دل پر تنگی ہوگی، اور ارشاد فرمایا ہے کہ: لوگوں کے ساتھ کھانے کے وقت گو پیٹ بھر جائے مگر جب تک کہ دوسرے لوگ فارغ نہ ہوجائیں ہاتھ نہ کھینچے؛ کیونکہ اس سے دوسرا کھانے والا شرما کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور شاید اس کو بھی کھانے کی حاجت باقی ہو، ''ولا يرفع يده وإن شبع حتى يفرغ القوم" (۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرا آدمی شرما جائے، بعضے آدمی طبعی طور پر مجمع میں کسی چیز سے شرماتے ہیں اور ان کو گرانی ہوتی ہے یا ان سے مجمع میں کوئی چیز مانگی جائے تو انکار وعذر کرنے سے شرماتے ہیں، گو پہلی صورت میں لینے کو جی چاہتا ہے اور دوسری صورت میں دینے کو جی نہ چاہتا ہو، ایسے شخص کو مجمع میں نہ دے نہ مجمع میں اس سے مانگے۔

---

(۱) بخاری القران في التمرين بين الشركاء، حديث : ٢٤٨٩

(۲) مسلم : باب نهى من أكل ثوما أو بصلا، حديث: ٥٦٤

(۳) الأدب المفرد : باب لا يقيم عنده يحرجه، حديث: ٧٣٣

(۴) ابن ماجة : باب النهى أن يقام عن الطعام حتى يرفع، زوائد میں ہے کہ اس کی سند میں عبدالاعلی بن اعین ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں ہوں، آپ ﷺ نے ناگواری سے فرمایا: میں ہوں، میں ہوں'' اس سے معلوم ہوا کہ بات صاف کہے کہ جس کو دوسرا سمجھ سکے، ایسی گول مول بات کہنا جس کے سمجھنے میں تکلیف ہو، الجھن میں ڈالتا ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے زیادہ ہم کو کوئی شخص محبوب نہ تھا، مگر آپ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہ ہوتے تھے کہ جانتے تھے کہ یہ آپ کو ناگوار ہوتا ہے: "لما يعلمون من كراهية لذلك" (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص ادب وتعظیم یا کوئی خدمت کسی کے مزاج کے خلاف ہو، اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے، گو اپنی خواہش ہو مگر دوسرے کی خواہش کو اس پر مقدم رکھے۔

بعضے لوگ جو بعض خدمات میں اصرار کرتے ہیں، وہ بزرگوں کو تکلیف دیتے ہیں اور ارشاد ہے ایسے دو شخصوں کے درمیان میں (جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں) جا کر بیٹھنا حلال نہیں، بدون ان کے اذن کے "لا تجلس بين اثنين إلا بأذنهما" (۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات کرنا جس سے دوسروں کو کدورت ہو، نہ کریں، اور حدیث میں ہے کہ: "حضور ﷺ کو جب چھینک آتی تو اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور آواز کو پست فرماتے "وخفض وغض بها صوته" (۳)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في كراهية قيام الرجل، حديث: ٢٧٥٤، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب ماجاء في كراهية الجلوس بين الاثنين، حديث: ٢٧٥٢، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) ترمذی: غض الصوت وتخمير الوجه عند الناس، حديث: ٢٧٤٥، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جلیس کی اتنی رعایت کرے کہ اس کو سخت آواز سے اذیت اور وحشت نہ ہو، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب نبی کریم ﷺ کے پاس آتے تو جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا "جلسنا حيث ننتهي" (۱)

یعنی لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھتا، اس سے بھی مجلس کا ادب ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اتنی ایذا بھی نہ پہنچائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے مرسلا مروی ہے کہ: عیادت میں بیمار کے پاس زیادہ نہ بیٹھے، تھوڑا بیٹھ کر ہی جلد اٹھ کھڑا ہو" ومن عاد منكم فليخفف"، اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس امر کی کہ کسی کی گرانی کا سبب بھی نہ بنے؛ کیونکہ بعض اوقات بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے میں پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں ایک گونہ تکلف ہوتا ہے، البتہ جس کے بیٹھنے سے اس کو راحت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غسل جمعہ کے ضروری ہونے کی یہی علت بیان فرمائی کہ ابتدائے اسلام میں اکثر لوگ غریب اور مزدوری پیشہ تھے، میلے کچیلے کپڑوں میں پسینہ نکلنے سے بدبو پھیلتی ہے اس لئے غسل کو واجب کیا گیا تھا، پھر بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس کی کوشش واجب ہے کہ کسی کو معمولی اذیت بھی نہ پہنچے اور سنن نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شب برات کو حضور اکرم ﷺ بستر پر سے آہستہ آہستہ سے اٹھے اور اس خیال سے کہ حضرت عائشہ سوتی ہوں گی، بے چین نہ ہوں، آہستہ نعل مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند کئے، "فقدت النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة" (۲)

اس میں سونے والے کی کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز یا کھڑکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والا دفعتاً جاگ اٹھے اور پریشان ہو، اور صحیح مسلم میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: باب يجلس حيث ينتهي المجلس، حديث: ۵۸۹۰

(۲) ترمذي: ليلة النصف من شعبان، حديث: ۷۳۹

ایک طویل قصے میں مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے، اگر بعد عشاء لیٹ رہتے تو تو حضور اقدس ﷺ دیر میں تشریف فرماتے، چونکہ مہمانوں کے سونے اور جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا، اس لئے سلام تو کرتے تھے کہ شاید جاگتے ہوں اور ایسا آہستہ سلام کرتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے "لا یوقظ النائم ویُسمع الیقظان" (۱)

اس سے بھی وہی اہتمام معلوم ہوا جو اس سے پہلی حدیث میں معلوم ہوا تھا اور بکثرت حدیثیں اس باب میں موجود ہیں، روایاتِ فقہیہ میں ایسے شخص کو جو طعام وغیرہ یا درس یا اَوراد میں مشغول ہو سلام نہ کرنا مصرح ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت کسی مشغول کے دل کو منتشر کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، اسی طرح گندہ دَہنی (منہ سے بدبو آنا) کے مرض میں جو شخص مبتلا ہو اس کو مسجد میں نہ آنے دینا بھی فقہاء نے نقل کیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اذیت کے اسباب کا انسداد نہایت ضروری ہے، ان دلائل میں مجموعی طور پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے نہایت درجہ اس کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے کہ کوئی حرکت، کوئی حالت دوسرے شخص کیلئے ادنی درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف واذیت یا ثقل وگرانی، یا ضیق وتنگی یا تکدر یا انقباض یا کراہت وناگواری یا تشویش وپریشانی یا توحش وخلجان کا سبب وموجب نہ ہو، اور شارع علیہ السلام نے اپنے قول اور اپنے فعل ہی سے صرف اس کے اہتمام کرنے پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ خدام کے توجہ نہ دینے پر ان آداب پر عمل کرنے پر بھی مجبور فرمایا اور ان سے کام لے کر بھی بتلایا ہے، چنانچہ ایک صحابی ؓ ایک ہدیہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں بغیر سلام اور بغیر اجازت کے داخل ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: باہر واپس جاؤ، السلام علیکم، میں حاضر ہوسکتا ہوں کہہ کر پھر آؤ اور فی الحقیقت لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کی بنیاد یہ ہے کہ اپنے سے کسی کو کوئی اذیت

---

(۱) مسلم: باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، حديث: ۲۰۵۵

اور تکلیف نہ پہنچے، جس کو حضور اکرم ﷺ نے نہایت جامع الفاظ میں یوں فرمایا:
"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" (۱)

انسان کو اس کی اجتماعی زندگی میں مختلف طبیعتوں اور مزاجوں سے واسطہ پڑتا ہے، ہر ایک طبیعت اور مزاج کی رعایت کرنا اور ہر ایک کے ساتھ نباہ کر لینا اسی پر انسانی معاشرہ کے تمدن کی بنیاد ہے، انسان کو اس کی اجتماعی زندگی میں ماں باپ، بھائی بہن اور بیوی بچے ہر ایک سے واسطہ پڑتا ہے، انسان کی زندگی کا پہیہ عموماً اس قسم کے رشتوں کے درمیان گھومتا ہے، ان تمام رشتہ داریوں میں توازن واعتدال کو کس طرح برقرار رکھا جائے، ان کے درمیان خوشحالی اور خود اعتمادی کی فضا کس طرح بحال ہو، اسلام نے خصوصاً ان منفی (مخالف) پہلوؤں سے اجتناب کی دعوت دی جو انسانی معاشرت اور اتحاد و اتفاق کے ماحول میں دراڑ اور بگاڑ کا سبب بنتے ہیں، ان مخالف پہلوؤں سے اجتناب اور مثبت پہلوؤں کے اختیار کرنے کا نام حسن اخلاق ہے۔ (۲)

اسلامی اخلاق اور حسن معاشرت کی طرف سے عام لوگوں کی کوتاہی

ایک جگہ حسن معاشرت کی طرف سے عام لوگوں کی کوتاہی کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

"اس زمانہ میں یہ غلطی عام ہے کہ جو دیندار لوگ ہیں وہ عقائد اور نماز روزہ اور وضع قطع لباس کا تو ضرور اہتمام کرتے ہیں مگر اخلاق و معاشرت اکثر لوگوں کی نہایت گندی ہے، آخر معاشرت کی درستگی بھی تو دین کا شعبہ ہے؛ مگر اکثر مشائخ کے یہاں اس کی طرف توجہ نہیں، اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔

---

(۱) بخاری: باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ، حدیث: ۱۰

(۲) اصلاحی نصاب: آداب المعاشرت: ۴۷۰-۴۷۴، از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، طبع مکتبہ فیض اصغر سہارنپور

اللہ کا گناہ اتنا برا نہیں (جتنا برا اخلاق ومعاشرت کا گناہ ہوتا ہے) ایسے فعل سے بہت بچنا چاہئے، جس سے دوسروں کو ضرر ہو، لوگ نوافل اور وظائف کا اہتمام تو کرتے ہیں؛ مگر اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسروں کو ضرر نہ پہنچے، اور گرانی نہ ہو اس کو ہلکی بات سمجھتے ہیں؛ حالانکہ بہت بڑی بات ہے۔ (۱)

بعض لوگ ایسے ہیں کہ عقائد کی درستگی کے ساتھ نماز وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں، باقی معاملات وغیرہ کو چھوڑ دیا، لین دین میں اس کی پرواہ نہیں کہ جائز طریقہ سے ہے یا ناجائز طریقہ سے، حلال وحرام کا بالکل خیال نہیں۔

بعض لوگوں نے معاملات کو بھی درست کرلیا؛ لیکن اخلاق وعادات کی اصلاح نہیں کرتے، ایسے بھی لوگ دیکھے گئے ہیں کہ دوسروں کی اصلاح کرتے ہوئے مدتیں گذر جاتی ہیں؛ لیکن خود ان کی عادتوں سے لوگوں کو عام طور پر تکلیف ہوتی ہے اور ان کو اپنی حالت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی؛ بلکہ خبر بھی ہوتی کہ ہم سے دوسروں کو کیا تکلیف پہنچی۔

بعض لوگ عقائد واعمال ومعاملات کے ساتھ اخلاق کی درستگی کا خیال رکھتے ہیں؛ لیکن انہوں نے حسن معاشرت کو چھوڑ رکھا ہے؛ بلکہ اس کو شریعت ہی سے خارج سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے آپس کے برتاؤ ہیں، ان سے شریعت کو کیا غرض جو برتاؤ ہم مناسب سمجھیں گے کریں گے، اس میں شریعت کے دخل دینے کی کیا ضرورت؟ اس قسم کے بہت سے لوگ ہیں کہ وہ دیندار بھی ہیں، ان کے اخلاق مثلاً تواضع وغیرہ درست ہیں؛ لیکن معاشرت یعنی برتاؤ میں اکثر چھوٹی باتوں سے تکلیف زیادہ پہنچ جاتی ہے؛ لیکن اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔

بعض آدمی تو اخلاق ومعاشرت کی طرح معاملات کو بھی دین سے خارج سمجھتے ہیں؛ مگر خیر متقی لوگوں نے معاملات کا تو خیال کیا؛ مگر معاشرت واخلاق کو تقریباً سب ہی نے بالائے طاق رکھ دیا؛ حالانکہ حسن معاشرت کا معاملات سے بھی زیادہ خیال رکھنا لازمی ہے؛ لیکن لوگوں نے عموماً اس کو دین سے خارج سمجھ رکھا ہے۔“ (۲)

---

(۱) احسن العزیز

(۲) اسلامی تہذیب: ۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

حدیث شریف میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ چھوڑتی تھی نہ کھانے کو دیتی تھی، پھر حضور اکرم ﷺ نے دوزخ میں اس کو عذاب دیا جاتا دیکھا، دیکھئے ایک بلی کے ستانے پر اسے عذاب ہوا اور جانور کو تکلیف پہنچانے پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئی۔

ہماری حالت یہ ہے کہ عام انسان اور عام مسلمان تو کیا خیال کرتے ہم تو حقیقی بھائی کو تکلیف پہنچانے پر کمر بستہ ہیں، جائیداد دبانے کو تیار ہیں؛ بلکہ ہم لوگوں کی معاشرت اعزہ واقارب (رشتہ داروں) کے ساتھ زیادہ خراب ہے؛ حالانکہ ہم کو جانوروں پر بھی رحم کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱)

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں کا ذکر ہوا ایک کی بابت تو یہ ذکر ہوا کہ وہ نماز روزہ تو خوب کرتی ہے، مگر اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "ھی فی النار" وہ تو جہنم میں جائے گی اور دوسری عورت کے بابت ارشاد ہوا کہ ایک عورت نماز وغیرہ تو بہت نہیں پڑھتی؛ مگر پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی، آپ نے فرمایا: "ھی فی الجنة" کہ وہ جنت میں جائے گی۔ دیکھ لیجئے ایذاء (تکلیف) پہنچانا ایسا ہے؛ اس لئے اس کا اہتمام نماز روزہ سے بھی زیادہ کرنا چاہئے۔ (۲)

اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب کا فرق

اسلامی معاشرت کی خوبی اور مسلمانوں کی بدحالی

درحقیقت آزادی شریعت کی معاشرت میں ہے؛ کیونکہ اس میں ماذونات (جن باتوں کی اجازت ہے) زیادہ اور ممنوعات وقیود (یعنی جو باتیں منع ہیں اور جن میں پابندیاں ہیں) وہ کم ہیں، برخلاف جدید معاشرت کے کہ اس میں سراسر تنگی ہی تنگی ہے، یہ لوگ اس وقت تک کھانا نہیں کھاسکتے جب تک کہ میز کرسی نہ ہو اور ہم لوگ پلنگ پر کھالیں، بستر پر کھالیں،

---

(۱) علوم العباد من علوم الرشاد، اسلامی تہذیب: ۲۳

(۲) حسن العزیز، اسلامی تہذیب: ۲۳

بوری پر کھالیں، ہمارے لئے کوئی قید نہیں بتلایئے آزادی کی حالت کونسی ہے؟ واللہ اس لباس سے زیادہ کیا جیل خانہ ہوگا جس میں کرسی کے آنے تک انسانوں کو مجرموں کی طرح کھڑا رہنا پڑے۔

حیرت کی بات ہے کہ آپ رات دن وسعت وسعت پکارتے ہیں اور علماء کو رائے دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ معاشرت میں تنگی نہ ہونا چاہئے اور طرزِ عمل یہ ہے کہ آپ نے ایسی معاشرت اختیار کر رکھی ہے جس میں سراسر تنگی ہے، آپ خود ہی تو ایک قاعدہ بناتے ہیں کہ وسعت ہونی چاہئے اور خود ہی اس کو توڑتے ہیں۔

جب اسلام میں معاشرت علی وجہ اتم (پورے طور سے) موجود ہے تو پھر دوسرے سے کیوں لیتے ہیں؟ غیرت کا مقتضی تو یہ تھا کہ اسلامی معاشرت ناقص بھی ہوتی جب بھی آپ دوسروں کی معاشرت نہ اختیار کرتے، اپنا پرانا کمبل دوسروں کی شال سے عزیز ہوتا ہے، اسلام میں تو معاشرت ایسی ہے کہ کہیں بھی اس کی نظیر نہیں، پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم دوسروں کی معاشرت لیتے پھریں، دیکھئے شریعت کے احکام کو آپ نے چھوڑا اور دوسری قوموں نے ان کی خوبیاں دریافت کر کے ان کو اختیار کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ بہت سے احکام کو اسلامی احکام نہیں سمجھتے؛ بلکہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم کی خصوصیات اور ان کی معاشرت سمجھتے ہیں اور ان سے لے کر عمل کرتے ہیں، مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے مکان خلوت (تنہائی کے مکان) میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک صاحب مکان سے اجازت نہ لے لے، تجربات اور واقعات سے اس کی خوبی معلوم کر کے تمام متمدن قوموں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا؛ لیکن مسلمان اس کو یورپ کی معاشرت اور ان کی خصوصیات سمجھتے ہیں، ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ حکم شریعتِ مطہرہ کا ہے اور دوسروں نے یہیں سے لیا ہے۔(۱)

اور ایک جگہ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۳۹-۴۱

پرانی چیزیں بڑے آرام کی ہیں مثلاً یہ فرش ہے اس پر اگر دس کی جگہ گیارہ بارہ تیرہ آدمی بیٹھ جائیں تب بھی تنگی نہیں ہوتی اور اگر کرسیاں ہوں تو ایک آدمی بھی زائد نہیں بیٹھ سکتا، اسی طرح بزرگوں کی پرانی باتیں دین و دنیا دونوں کی راحت کو جامع ہوتی ہیں آج کل لوگوں کی باتیں چکنی تو ضرور ہوتی ہیں؛ لیکن ان میں نور نہیں ہوتا۔ (۱)

حسن اخلاق کی اہمیت

حسن اخلاق کا مفہوم بہت وسیع ہے...... اللہ کی ساری مخلوق کے حقوقِ واجبہ کو ادا کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، بڑوں کا اکرام کرنا، سب کو اپنی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے محفوظ رکھنا اور آگے پیچھے سب کی خیر خواہی کرنا، دھوکہ نہ دینا، خیانت نہ کرنا، سچ بولنا، نرمی اختیار کرنا، ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے مطابق برتاؤ کرنا، جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کیلئے پسند کرنا، مشورہ صحیح دینا، بدزبانی سے بچنا، حیاء اور شرم اختیار کرنا، مخلوق کی حاجتیں پوری کرنا، سب کے ساتھ خوبی کا برتاؤ کرنا، بے جا غصہ نہ کرنا، حسد اور کینہ کو دل میں جگہ نہ دینا وغیرہ یہ اور اس طرح کی بیسیوں باتیں ہیں جن کو حسن اخلاق کا مفہوم شامل ہے۔

حسن اخلاق والے کا رتبہ بیان کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: بلاشبہ مومن بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ساری رات نماز میں کھڑے رہنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے آدمی کا درجہ پالیتا ہے "انّ المؤمن لیدرك بحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النهار" (۲)

مطلب یہ ہے کہ: اللہ کے جس بندہ کا یہ حال ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو تو اگر چہ وہ رات کو نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ حسن خلق کی وجہ سے

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۳۹-۴۱

(۲) المستدرك: کتاب الایمان، حدیث: ۱۹۹، حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

ان شب بیداروں، عبادت گذاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

دین میں اخلاق کا درجہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زور دیا ہے اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقِ حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے ویزکیہم اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے، حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ ﷺ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ: میں اخلاق کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں، یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں داخل ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا؛ کیوں کہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گذرے گی اور دوسروں کیلئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا، ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی، یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی فائدے ہیں جن کا ہم اور آپ روز مرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں؛ لیکن مرنے کے بعد والی زندگی میں ان دونوں کے نتائج ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوندِ قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔

حسن اخلاق کی فضیلت واہمیت

حضرت حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلَاةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنکَرِ وَاصْبِرْ عَلَی مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُورِ، وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ، وَاقْصِدْ فِی مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیرِ“ (۱) بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں ”ان من خیار کم أحسنکم أخلاقًا (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں ” اکمل المؤمنین ایمانا أحسنهم خلقا “ (۳)

مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اس کے اخلاق لازمًا اچھے ہوں گے اور اسی طرح جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی بہت اچھا ہوگا۔

---

(۱) لقمان: ۱۷-۱۹

(۲) بخاری: باب صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، حدیث: ۳۳۶۶

(۳) ترمذی: باب حق المرأة علی زوجها: حدیث: ۱۱۶۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور ایک روایت میں فرمایا: قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے، "انّ أثقل شيء يوضع في ميزان المؤمن يوم القيامة خلق حسن" (۱)

قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ﷺ انسان کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اچھے اخلاق " الخلق الحسن " (۲)

مطلب یہ ہے کہ توحید اور ارکان اسلام کے بعد اخلاق کا مقام بہت بلند ہے اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص دخل ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں " ان من أحبكم اليّ أحسنكم اخلاقا " (۳)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ: وأقربكم مني مجلسا يوم القيامة أحسنكم اخلاقا " (۴)

اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست مجھ سے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کو خاص دخل ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب حسن الخلق، حديث: ۲۰۰۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے

(۲) مسند ابن ابی جعد: باب زياد بن علاقة وعاصم وغيرهما، حديث: ٢٥٨٦، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے: المغني عن حمل الأسفار: في قضية الألفة والأخوة، حديث: ١٧٥٤

(۳) بخاری: باب مناقب عبد الله، حديث: ٣٥٤٩، اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ: وأقربكم مني مجلسا يوم القيامة أحسنكم اخلاقا "

(۴) شعب الايمان: السابع والخمسون من شعب الايمان، حديث: ٧٩٨٩

حضرت ابن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے تمہارے درمیان جس طرح تمہارے رزق تقسیم فرمائے ہیں، اسی طرح اخلاق بھی تقسیم فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں اور اسے بھی جس سے محبت نہیں کرتے، لیکن دین اسی کو دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں اس لئے جس شخص کو اللہ نے دین عطا فرمایا ہو، وہ سمجھ لے کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے، اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور زبان دونوں مسلمان نہ ہو جائیں اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے پڑوسی اس کے "بوائق" سے محفوظ و مامون نہ ہوں، صحابہ کرام ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ "بوائق" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ظلم و زیادتی، اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو حرام مال کمائے اور اس میں سے خرچ کرے پھر اس میں برکت بھی ہو جائے یا وہ صدقہ خیرات کرے تو وہ قبول بھی ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے جو کچھ بھی چھوڑ کر جائے گا اس سے جہنم کی آگ میں مزید اضافہ ہوگا، اللہ تعالیٰ گناہ کو گناہ سے نہیں مٹاتا، وہ تو گناہ کو اچھائی اور نیکی سے مٹاتا ہے، گندگی سے گندگی نہیں دور ہوتی " إن الخبيث لا يمحو الخبيث " (۱)

حضرت ابودرداء ؓ رات بھر اخلاق مانگتے رہے: حضرت اُم درداء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر ابودرداء ؓ کے بارے میں فرماتی تھیں کہ: ابودرداء ؓ رات کو اٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ؓ پر گریہ طاری تھا اور یہ کہتے تھے: اے اللہ! تو نے جس طرح میرا سراپا ہاتھ، پاؤں، چہرہ اچھا بنا دیا، اسی طرح اے اللہ! میرے اخلاق کو بھی سنوار دے، یہ دعا کرتے کرتے صبح ہوگئی تو میں نے کہا: اے ابودرداء ؓ! تمہاری رات کی دُعا صرف اچھے اخلاق کی طلب پر مشتمل تھی؟ فرمایا: اے ام درداء! بندۂ مومن اپنے اخلاق کو بہتر بناتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کی بلند اخلاقی اس کو جنت میں لے جاتی ہے اور

---

(۱) مسند احمد، حدیث: ۱۷۵۰

اپنے اخلاق کو بگاڑتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کی بداخلاقی اس کو جہنم میں پہنچادیتی ہے ”انّ العبد المسلم یحسّن خلقه حتی یدخله حسن خلقه الجنّة ویسیء خلقه حتی یدخله سوء خلقه النار“ (۱)

پھر فرمایا کہ: ایک بندۂ مومن کو معاف کردیا جاتا ہے حالانکہ وہ سورہا ہوتا ہے، حضرت اُمّ درداءؓ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے ابودرداء رضی اللہ عنہ! جب کوئی سورہا ہوتا ہے تو اسے کیسے بخشا جاتا ہے؟ تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کا کوئی (مسلمان بھائی) رات کو اٹھتا ہے اور تہجد کی نماز پڑھتا ہے اور پھر وہ اللہ سے دعائیں کرتا ہے تو اس کی دعا اس کے حق میں قبول ہوتی ہے اور اپنے بھائی کیلئے (بھی) دعا کرتا ہے تو اس کیلئے بھی قبول ہوتی ہے۔

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کسی غلام کو اچھی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو اس کو آزاد فرمادیتے، غلاموں کو ان کے حسنِ اخلاق کا علم ہوا تو وہ دکھلاوے اور ریاکاری کے طور پر اپنی نماز کو درست کرنے لگے، وہ ان کو آزاد فرمادیتے، ان سے اس بارے میں شکایت کی گئی تو فرمایا: جو شخص اللہ کے سلسلے میں ہمیں دھوکہ دے تو ہم اس کے دھوکہ میں آجائیں گے ”من خدعنا فی الله“ (۲)

یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ: ابوعثمان زاہد کا دوپہر کے وقت کسی سڑک پر گذر ہوا، ان کے اوپر راکھ کا ایک طشت ڈالا گیا، ان کے ساتھی بگڑ گئے، انہوں نے راکھ ڈالنے والے پر طعن وتشنیع کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، ابوعثمان نے کہا: کچھ مت کہو، چونکہ جو شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر آگ ڈالی جائے تو اس کے ساتھ یہ مروت کی گئی کہ اس پر صرف راکھ ڈالی گئی، تو اس پر غصہ ہونے کا کیا مطلب؟ ”فانّ من استحقّ أن یصبّ علیه النار فصولح بالرماد لم یجز له أن یغضب“ (۳)

---

(۱) الادب المفرد: باب حسن الخلق اذا فقهوا، حدیث: ۲۹۰، البانی کہتے ہیں: شہر بن حوشب کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے، لیکن اخلاقِ حسنہ کے مانگنے کی دعا صحیح ہے۔

(۲) قصص العرب: ۱/۳۶، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۳) قصص العرب: ۱/۳۶، دار الکتب العلمیة، بیروت

حضرت ابراھیم بن ادھمؒ سے کہا گیا کہ: کیا آپ دنیا میں کبھی خوش ہوئے ہیں؟ تو فرمایا: دو مرتبہ، ایک تو اس وقت جب کہ میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے مجھ پر پیشاب کر دیا اور دوسرے اس وقت جب میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آ کر مجھ کو تھپڑ رسید کر دیا "کنت جالسا فجاء رجل فصفعنی" (۱)

اسلام کی معاشرت	اغیار کی معاشرت
اللہ کیلئے محبت، اللہ کیلئے دشمنی، اللہ کیلئے دینا، اللہ کیلئے روکنا خلاصہ: اللہ کو راضی کرنا مقصد ہے جو بہت آسان ہے۔	لوگوں کو راضی کرنا جواب تک نہیں ہوا
سنتِ نبوی کے مطابق معاشرتی زندگی کو تشکیل دینا جو بہت آسان، بہت خوبصورت نہایت مکمل ہے، سارے انسانوں کیلئے ایک ہے، فطرت اور عقل کی رعایت کرنے والا ہے۔	ہر جگہ سماج اور رواج پر چلائی جاتی ہے، جو نہایت ظالم، نامعقول اور بے فائدہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں انسانی مصلحتوں کی رعایت ہوتی ہے۔
حق دینا ہے۔	حق مانگنا ہے۔
حیاء، عفت، پاکدامنی	بے حیائی، آوارگی
قناعت وسادگی	نمائش اور اسراف
دوسروں کے مال سے استغناء اور اپنی ضرورتوں پر دوسروں کو ترجیح دینا یعنی ایثار ہے۔	دوسروں کے مال پر طمع اور اپنی ضرورت کے پورا کرنے میں کوئی غرض ہے۔

---

(۱) قصص العرب: ١/٣٦

اسلام کی معاشرت	اغیار کی معاشرت
رشتہ میں حد بندیاں ہیں، پردہ کرنے اور خرچ کرنے میں فرقِ مراتب ہے۔	سارے مرد انکل، ساری عورتیں آنٹیاں بن جاتی ہیں، رشتہ کے بھائی بہنوں کو کزن کہا جاتا ہے۔
اسلام میں تواضع ہے۔	غیروں میں تکبر ہے۔
معاف کرنا ہے۔	انتقام لینا ہے۔
عیب چھپانا ہے۔	عیب پھیلانا ہے۔
اسلام میں جان و مال اللہ کا ہے اور اللہ کو جواب دینا ہے؛ اس لئے خودکشی بھی حرام اور بخل بھی ناجائز۔	جان و مال اپنی ہے؛ اس لئے من چاہی زندگی وہ گذارتے ہیں۔

حدودِ شریعت، مزاجِ شریعت

شریعت میں دو چیزیں ہیں: حدودِ شریعت اور مزاجِ شریعت۔

حدودِ شریعت قانون کا نام ہے اور مزاجِ شریعت اخلاق کا نام ہے، فتویٰ حدودِ شریعت کا ترجمان ہوتا ہے اور تقویٰ مزاجِ شریعت کی طرف دعوت دیتا ہے، حدودِ شریعت ناگزیر اور نہایت ضروری ہونے کو بتلانے کیلئے ہوتے ہیں، لیکن زندگیاں مزاجِ شریعت سے بنتی ہیں۔

حدودِ شریعت	مزاجِ شریعت
پنج وقتہ نماز۔	پنج وقتہ نماز مع نوافل، اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد۔
روزے ماہِ رمضان کے۔	جمعرات، پیر اور ایامِ بیض کے روزے۔
سالانہ زکوۃ۔	وسعت بھر اپنے مال سے غریبوں کی ضرورت پوری کرنا۔

حدودِ شریعت	مزاجِ شریعت
پنج وقتہ نماز۔	پنج وقتہ نماز مع نوافل، اشراق، چاشت،
حج زندگی میں ایک مرتبہ	ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ اگر وسعت ہو۔
ساس کی خدمت اور اس کے ساتھ رہائش ضروری	سگی ہی نہیں بلکہ سوتیلی ساس اور مسلمان ہی نہیں کافر ساس کو بھی نبھانا، جیسے رسول اللہ ﷺ نے نبھایا
شوہر کا کھانا پکانا ضروری نہیں	گھر کے کاموں میں شوہر کو بے فکر کر دینا حضرت فاطمہؓ کی طرح
بیوی کو ساس سسر سے ایک ہفتہ سے کم میں ملانا ضروری نہیں اور ماں باپ کے علاوہ دیگر رشتہ داروں سے ایک سال سے کم میں ملانا ضروری نہیں، اگر ساس سسرے آجائیں ایک ہفتہ سے کم میں تب بھی کھڑکی سے بات کرا دینا کافی ہے۔	بیوی کی سہیلیوں اور اس کے رشتہ داروں اور اس کے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہیے آقا نے حسانہ مزنیہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا اور معاشرتی تقاضے کے مطابق ملاقات کی شکلیں جاری رکھنا۔
طئے شدہ تاریخ پر تنخواہ دی جائے۔	پسینہ سوکھنے سے پہلے دی جائے۔
مزدور طئے شدہ کام کرے متعینہ وقت میں	مالک کے اضافی کام بھی کیئے جائیں؛ تا کہ وہ راضی ہو؛ تا کہ عبادت کا ثواب دوہرا ہو جائے۔
مطالبۂ حقوق جائز ہے۔	معافیٔ حقوق اخلاق ہے۔
انتقام لینا حدود میں جائز ہے۔	ایثار و احسان اخلاق ہے۔
پکا مکان	کچا مکان
چند مرغن غذائیں	ایک سالن پر بلکہ اپنی ضرورتوں کو انسانیت کیلئے قربان کرنا (کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر کبھی دو سالن جمع نہیں ہوئے۔

دل صاف رکھئے

بغض کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جب غصہ میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہو جاتی ہے اس کو حسد یعنی کینہ اور بغض کہتے ہیں:

کینہ صرف ایک عیب نہیں؛ بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

کینہ وہ ہے جو اختیار اور ارادے سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر کرے۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندہ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے سوائے ان دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہیں، پس ان کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آویں اور دلوں کو صاف نہ کرلیں "فیقال اترکوا هذين حتى يصطلحا" (۲)

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی تعریف یوں فرمائی ہے: "وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ"(۳) اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کینہ تھا اس کو نکال لیا، بھائی بھائی بن کر وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم ؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت ابو دجانہ ؓ کی خدمت میں آئے وہ بیمار تھے لیکن ان کا چہرہ چمک رہا تھا، تو کسی نے پوچھا کہ: آپ کا چہرہ کیوں چمک رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے اپنے اعمال میں دو عملوں پر سب سے زیادہ بھروسہ ہے،

---

(۱) شریعت وطریقت: بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۳۶

(۲) مسلم: باب النهي عن الشحناء، حديث: ٦٧١١

(۳) الحجر: ٤٧

ایک تو یہ ہے کہ کوئی لایعنی بات نہیں کرتا تھا، دوسرے یہ کہ میرا دل تمام مسلمانوں سے بالکل صاف تھا "فکان قلبی سلیما" (۱)

وہ دل خدائے تعالیٰ کی محبت و معرفت کا مقام نہیں بن سکتا ہے جس میں بدگمانی، مومن کی تحقیر، تکبر، اور بخل وغیرہ جیسے امراض باطنہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرت نبیٔ پاک ﷺ نے تین دن تک ایک صحابیؓ کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا، ان کے اعمال کی تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ اپنا دل کسی ایمان والے کے بارے میں گندا نہیں کرتے "غیر أننی لا أجد فی لأحد من المسلمین غشا" (۲)

نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم صبح وشام اپنے دل کو ہر ایک کے بارے میں کھوٹ سے پاک رکھ سکو تو رکھنا، پھر مجھ سے فرمایا: وہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا، "یا بنی ان قدرت أن تصبح وتمسی ولیس فی قلبك غش لأحد فافعل" (۳)

عورت کیلئے دنیا کی سب سے کڑوی چیز سوکن کا وجود ہے، لیکن ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس زندگی کو جس طور پر نبھایا ہے وہ ساری امت کیلئے نمونہ ہے، حضرت زینبؓ بنتِ جحش کا جب رسولِ پاک ﷺ سے نکاح ہوا تو حضرت عائشہؓ نے مبارکباد دی۔ (۴)

مدینہ کے بعض منافقوں نے جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تو بہن کی محبت میں حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا بھی اس سازش میں مبتلا ہوگئیں، لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قدم حق سے ذرا بھی نہیں ہٹا، حضورِ اکرم ﷺ نے جب ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد: ابو اسید الساعدی: ۳/ ۵۵۷، دار صادر بیروت

(۲) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حدیث: ۱۲۷۲۰، محقق شعیب الارنؤط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳) ترمذی: الأخذ بالسنة واجتناب البدع، حدیث: ۲۶۷۸

(۴) بخاری: تفسیر آیت: لا تدخلوا بیوت النبی

نسبت پوچھا: تو انہوں نے صاف کہا: ما علمت فیھا الا خیرًا (۱) (خوبی کے سوا میں نے ان میں کچھ نہیں جانا) اگر وہ چاہتی تو ایک ہی جملہ میں حضرت عائشہؓ کو شکست دے سکتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے اس احسان اور خوبی کی یاد ہمیشہ شکر گذاری کے ساتھ رکھتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودیہ کہہ دیا "أنا أعطی تلك الیھودیة" اس پر حضور ﷺ ان سے اتنے ناراض ہوگئے کہ دو مہینوں تک کلام نہ کیا، آخر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں کہ تم بیچ میں پڑ کر میرا قصور معاف کرادو، اور اب وہی موقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا، لیکن انہوں نے خاص اس غرض سے اہتمام کے ساتھ بناؤ سنگار کیا، آپ ﷺ آئے تو اس سلیقہ سے گفتگو کی کہ معاملہ رفت وگزشت ہوگیا۔ (۲)

مرنے کے بعد کسی کی خوبیوں کا اظہار مرنے والے کو حیاتِ جاودانی بخشتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حریف پر یہ آبِ حیات بھی برسایا، بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ اپنی بیویوں کو خطاب کرکے فرمایا: تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ آکر ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کیلئے ہم لوگ اپنے ہاتھ ناپا کرتے تھے، لیکن سب سے پہلے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کا مقصود فیاضی اور سخاوت تھی، وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور اس طریقہ سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ خیرات کیا کرتی تھیں۔

بدگمانی سے پرہیز کیا جائے

اس قسم کے رشتہ داریوں اور تعلقات میں عموماً دراڑ اور خرابی پیدا کرنے والی چیز آپسی بدگمانی ہوتی ہے، کبھی ماں باپ کو بیٹے کے تعلق سے یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ وہ ان کا اس قدر

---

(۱) صحیح بخاری: باب حدیث الإفك، حدیث: ۳۹۱۰

(۲) مسند احمد بن حنبل: مسند عائشه، حدیث: ۲۶۲۵۰

خیال نہیں رکھتا جس قدر وہ اپنی بیوی کا خیال رکھتا ہے، کبھی بیوی شوہر کے ماں باپ اور بھائی بہنوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتی ہے، بے جا الزام تراشیوں، بے بنیاد تہمتوں کا اس طرح سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا محض دل کے وساوس اور شکوک وشبہات پر ان بدگمانیوں کی بنیاد ہوتی ہے، اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کی بنیاد دلوں کی صفائی و پاکیزگی اور آپسی اعتماد واعتبار پر ہو نہ کے شکوک وشبہات اور بیجا تہمتوں اور بے بنیاد گمانوں پر؛ اس لئے اسلام نے اسلامی رہن سہن اور اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی اصول یہ بتلایا ہے کہ آپسی رشتہ داریوں میں بدگمانی سے پرہیز کریں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے

”يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ“(۱)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو؛ کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تعلقات کے بگاڑ میں بدگمانی کو خصوصی دخل ہوتا ہے، ایک شخص دوسرے سے اس طرح بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، مخالف شخص کی ہر بات کا مطلب اپنے خلاف نکال ہی لیتا ہے، اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو، تو ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی، اس برے پہلو پر اعتماد اور یقین کر کے اپنے مقابل کو برا بھلا کہے گا، اس پر تہمتیں اور الزام تراشیاں کرے گا۔

اسی کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا ہے ”جو بات تمہارے بھائی کے منہ سے نکلے، جہاں تک ہو سکے اس بات کو بھلائی پر محمول کرو، اس سے بدگمانی سے بچو ”ولا تظنن بكلمة خرجت من اخيك المؤمن الّا خيرًا وأنت تجعلها في الخير محملاً (۲)

اور یہ بھی فرمایا کہ : ” لا ينتفع بنفسه من لا ينتفع بظنّه “ جو شخص اپنے گمان

---

(۱) الحجرات : ۱۲

(۲) ابن كثير: سورة الحجرات: ۴/ ۲۵۶، دار الفكر، بيروت، الطبعة الجديدة: ۱۴۱۴ھ

سے فائدہ حاصل نہ کر پائے وہ اپنے نفس اور ذات سے منتفع نہیں ہوسکتا یعنی اس کا گمان مطابق واقعہ نہیں ہوتا۔ (۱)

اسی طرح ہر شخص کو چاہیے کہ زندگی کے ہر موڑ پر بدگمانی سے پرہیز کرے، اپنے مخالف کی بات میں ہزار پہلو برائی کے ہوں اور ایک پہلو بھلائی کا ہو تو اس کی بات کو بھلائی پر محمول کرے، بدگمانی اور غلط سوچ سے بچے، اس طرح زندگی خیر اور خوشی سے گذرے گی۔

اسی واسطے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو؛ اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے ”وایّاکم والظنّ، فانّ الظنّ أکذب الحدیث “ (۲)

بدگمانی کس قدر بدترین اور ذہنیت کو بگاڑنے والی چیز ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کے ساتھ محوِ گفتگو تھے کہ ایک شخص کا گذر ہوا، آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: اے فلاں! یہ میری فلانہ بیوی ہے، اس نے کہا: میں جس قسم کی بدگمانی دوسرے کے ساتھ کرسکتا ہوں وہ آپ ﷺ کے ساتھ کیسے کرسکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان ابن آدم کے اندر ایسے چلتا ہے جیسے اس میں خون چلتا ہے ” انّ الشیطن یجری من ابن اٰدم مجری الدم“ (۳)

بدگمانی کیلئے کوئی دلیل چاہیے اور ایمان والے سے اچھا گمان رکھنے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، صرف ایمان والا ہونا کافی ہے اور یہ چوبیس گھنٹے کی عبادت بن جائے گی ”انّ حُسن الظنّ من حسن العبادۃ “ (۴)

اور اگر دل کو بار بار صاف کرتے رہنے کے باوجود بھی شکوک وشبہات پیدا ہوتے رہیں

---

(۱) الأداب الشرعیۃ لابن مفلح: ۱/۴۷، عالم الکتاب

(۲) بخاری: کتاب النکاح : باب لا یخطب من خطب أخیہ ، حدیث : ٤٨٤٩

(۳) بخاری : باب الشھادۃ تکون عند الحاکم ،حدیث : ٦٧٥٠

(۴) ابو داؤد: باب فی حسن الظن، حدیث: ٤٩٩٣، بوصیری نے زوائد میں کہا ہے کہ: اس کو ابن ابی شیبہ نے سندِ حسن کے ذکر کیا ہے : اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد العشرۃ : ٢/١٢٤

تو اس گمان پر عمل نہ کریں، اور اس شخص کے بارے میں زبان گندی نہ کریں "اذا ظننت فلا تحقق" (۱)

حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری ؒ فرمایا کرتے تھے کہ: بدگمانی کرنے والا اللہ کی عدالت میں اپنے اوپر مقدمے دائر کر رہا ہے، جتنوں کے بارے بدگمانی کرے گا، اتنوں کے بارے میں مقدمہ دائر کر کے اس سے دلیل پوچھی جائے گی۔ (۲)

حضرات صحابہ ؓ کا حسن ظن بھی کیا خوب تھا کہ انہوں نے دوسروں کے ساتھ حسن ظن کے ساتھ جو بات کہی وہ اس قدر پیاری بات تھی کہ وہ معجزانہ قرآن کا ایک بلیغ اور جامع جزء بن گیا۔ واقعۂ افک کو منافقین نے بہت شہرت دی؛ تاہم صحابہ ؓ کو ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن ظن تھا، اس کی بناء پر صحابہ ؓ نے صاف صاف کہہ دیا تھا "سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ" (۳) سبحان اللہ، ہمارے لئے اس کا ذکر جائز نہیں، سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس جملہ کو ایک انصاری صحابی ؓ نے کہا تھا، لیکن "فتح الباری" میں اور بھی صحابہ ؓ کے نام گنائے ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس چوری ہوتی ہے وہ اتنی بدگمانیاں بیان کرتا ہے کہ گناہ کے اعتبار سے چور سے بھی آگے نکل جاتا ہے: "ما یزال المسروق منه یتظنی حتی یصیر اعظم من السارق" (۴)

---

(۱) المعجم الکبیر: حارثة النعمان الأنصاری، حدیث: ۳۲۲۷، علامہ حجر عسقلانی نے اس کو مرسل یا معضل کہا ہے اور بیہقی کے یہاں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے اس کا ایک شاھد کے موجود ہونے کو بھی بتلایا ہے: فتح الباری: باب الطیرة: ۱۰/۱۲۱۳، دار المعرفة، بیروت

(۲) بدگمانی اور اس کا علاج، حضرت مولانا حکیم اختر صاحب ؒ

(۳) النور: ۱۶

(۴) الادب المفرد، حدیث: ۱۲۸۹

بدگمانی کے اسباب سے بھی بچا جائے

بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ کسی کے پاس ولحاظ میں یا کسی پر یوں ہی اعتقاد واعتماد کرتے ہوئے اس سے لی ہوئی رقم یا سامان شمار نہیں کیا جاتا، ایسا کرنا مناسب نہیں؛ بلکہ اسے بھی شمار کرلیا جائے کہ کہیں کبھی اس کے بارے میں بدگمانی ہونے لگے کہ اس نے وہ رقم وہ اشیاء برابر دی ہیں یا نہیں، اس طرح کے بدگمانی کے مواقع اور اسباب سے بچنے کا حکم شریعت نے دیا ہے، اس کو حدیث میں یوں فرمایا: حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ملازم بازار سے گوشت یا کوئی سامان لائے تو اس پر نشان لگادیں یا اس کا وزن کرلیں یا شمار کرلیں کیوں کہ یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ لوگ غلط عادت میں پڑ جائیں یا ہم سے کوئی بدگمانی میں مبتلا ہو ” كنّا نؤمر أن نختم على الخادم، ونكيل ونعدّها كراهية أن يتعوّدوا خلق سوء أو يظنّ أحدنا ظنّ سوءٍ “ (۱)

اسی طرح حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: میں خادم پر بدگمانی سے بچنے کیلئے بے گوشت کی ہڈی بھی گن لیتا ہوں ” انّي لأعدّ العراق مخافة الظنّ “ (۲)

بدگمانی کی جگہوں سے بچا جائے

اس کے ساتھ ہی ساتھ شریعت نے یہ تاکید بھی کر رکھی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو تہمت اور بدگمانی کے مواقع سے بچائے رکھے کہ کسی کو اس کے ساتھ بدگمان ہونے کا موقع ہی نہ دے

---

(۱) الأدب المفرد: باب من ختم على خادمه مخافة السوء، حديث: ۱٦٧، محمد سعید البخاری نے مزوری کی ”البر والصلة: باب ما جاء في حق المملوك، حديث: ۳٥۰“ کی تخریج میں کہا ہے: یہ مرسل ہے اور اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب من عدّ على خادمه مخافة الظنّ، حديث: ۱٦٨، البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

اسی حوالے سے ارشاد ہے: ”اتّقوا مواضع التهم“ (۱) اپنے آپ کو تہمت اور بدگمانی کی جگہوں سے بچائے رکھو۔

ایک موقع سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو تہمت کی جگہوں میں ڈالے تو وہ اس سے بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے ”من أقام نفسه مقام التهم فلا يلومنّ من أساء به الظن“ (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”كنّا اذا فقدنا الرجل في صلاة العشاء والصبح اساء به الظن“ ہم جب کسی شخص کو عشاء اور صبح کی نماز میں موجود نہ پاتے تو ہمیں اس کے تعلق بدگمانی ہو جاتی، (۳) یعنی اس کے منافق ہونے کی ہمیں بدگمانی ہوتی؛ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ کسی کو بدگمانی کا موقع ہی نہ دے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گذر ایک شخص پر ہوا جو اپنی اہلیہ سے بالکل سرِ راہ کھڑے گفتگو کر رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے دُرّے مارا، اس نے کہا: امیر المؤمنین! وہ میری بیوی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اسے ایسی جگہ کیوں نہیں لے جاتا کہ جہاں تجھے لوگ نہ دیکھیں ”فهلّا حيث لا يراك النّاس“ (۴)

کسی کی عیب جوئی نہ کرے

اسلامی معاشرت اور آپسی رہن سہن کا ایک اہم اور بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ آپسی تعلقات اور رشتہ داریوں میں ایک دوسرے کے عیوب اور خرابیوں کی تلاش سے پرہیز کیا جائے،

---

(۱) كشف الخفاء: ١/ ٤٤، دار احياء التراث العربي، بيروت، عجلونی کہتے ہیں: اس روایت کا ذکر احیاء میں آیا ہے، عراقی نے کہا ہے کہ: اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لیکن یہ حضرت عمر کے نیچے درج شدہ اقوال کے مانند ہے۔

(۲) مكارم الأخلاق: ما يستحبّ للمرء من التحرز أن يساء به الظنّ: ۲/ ۳

(۳) مكارم الأخلاق: ما يستحبّ للمرء من التحرز أن يساء به الظنّ: ۲/ ۳

(۴) مكارم الأخلاق: ما يستحبّ للمرء من التحرز أن يساء به الظنّ: ۲/ ۳

سب انسان گناہ گار اور خطا کار ہیں "کل بنی آدم خطاؤن" اللہ رب العزت اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بے عیب نہیں، بد باطن خوبیوں سے آراستہ شخصیت میں بھی برائی تلاش کر لیتا ہے، دونوں میں وہی فرق ہے جو خنزیر اور تتلی کے مزاج میں ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی ہر خصلت اور عادت پسند آجائے، کسی میں اگر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوتاہی ہوتی ہے تو دوسرے کے مقابل اس کے اندر ایک اچھی صفت بھی ضرور ہوتی ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی کی کوئی چیز ہماری نگاہ میں عیب نظر آرہی ہے؛ حالانکہ وہی چیز اللہ کے یہاں محبوب ہوتی ہے، اسی کے حوالے سے ارشاد خداوندی ہے:
وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ، وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۱) اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ (واقع میں) تمہارے حق میں خیر (اور مصلحت) ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ (واقع میں) وہ تمہارے حق میں (باعثِ) خرابی ہو اور (ہر شئی کی حقیقت ِحال کو) اللہ عزوجل ہی جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اگر تم لوگوں کے عیوب کو تلاش کروں گے تو اللہ ان کے عیوب کو تلاش کرے گا اور اللہ عزوجل جس کی فضیحت کرے گا تو اس کو اس کے گھر میں بے عزت کردے گا "انك ان اتبعت عوراتهم يتبع الله عورته، من يتّبع الله عورته يفضحه في بيته" (۲)

مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بہت ساری برائیاں پیدا ہوں گی، اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر اور جرأت کرنے لگیں گے، یہ ساری باتیں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔

---

(۱) البقرة: ۲۱٦

(۲) ابوداؤد: باب في الغيبة: حديث: ٤٨٨٠، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے میمون بن عجلان کے وہ ثقہ ہیں منذری نے کہا ہے کہ: اس کو ابو یعلی نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: الترغيب: الترغيب في الامر بالمعروف: حديث: ۳۵۲۹

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو عار دلایا نہ کرو اور ان کی لغزشوں کو تلاش نہ کیا کرو "لا تؤذوا المسلمین ولا تعیّروهم ولا تتبّعوا عوراتهم" (۱)

دوسروں کے عیوب کی تلاش میں سرگرمِ عمل رہنا اور ان کی عیب جوئی کرنا اور لوگوں کے ٹوہ میں پڑنا یہ اس قدر مذموم عمل ہیں کہ حضور ﷺ نے اس کی گواہی کو مردود اور نامقبول قرار دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے دوسرے شخص کی عیب جوئی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قم لا شهادة لك" (اٹھ جاؤ تمہاری گواہی معتبر نہیں) اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس طرح دوبارہ نہیں کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم قرآن کا مذاق کر رہے تھے، اس نے قرآن پر ایمان ہی نہیں لایا جس نے اس کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دیا "ما امن بالقران من استحلّ محارمه" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اپنے ساتھیوں کے عیوب بیان کرنا چاہو تو اپنے نفس کے عیوب کو یاد کرلو "اذا أردتَ أن تذكر عيوب صاحبك فاذكر عيوب نفسك" (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کو اپنے

---

(۱) ترمذی: باب تعظیم المومن، حدیث: ۲۰۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) کنز العمال: فصل فی حقوق القران، حدیث: ۱۴۹۷

(۳) ترمذی: حدیث: ۲۹۱۸، اس کی سند قوی نہیں ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اس میں محمد بن یزید بن سنان الرهاوی ہیں، ان کو بخاری وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کے باپ یزید: ان کو ابوداؤد نے ضعیف کہا ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ: یہ مقارب الحدیث ہیں: مجمع الزوائد: فیمن یستحل الحرام: حدیث: ۸۲۸

بھائی کی آنکھ کا ایک تنکا بھی نظر آجاتا ہے، لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر تک بھی نظر نہیں آتا" یُبصر أحدکم القذاة فی عین أخیه وینسی الجذع فی عینه " (۱)

اس حوالے سے یہ واقعہ بھی نہایت عبرت خیز ہے جسے ابونعیم نے "الحلیة" میں بیان کیا ہے: طارق بن شہاب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: خالد رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی بات ہوگئی، ایک شخص نے خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر سعد رضی اللہ عنہ کی برائی کی تو انہوں نے کہا: رُک جاؤ، " انّ ما بیننا لم یبلغ دیننا " (۲) ہماری آپس کی یہ بات ہمارے دین میں خرابی پیدا کرنے والی نہیں ہے۔

لوگوں کی عیب جوئی اور ان کے ٹوہ میں لگے رہنے کی مذمت پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول راتوں میں گشت کرنے اور لوگوں کے احوال وضروریات کو معلوم کرنے کا تھا، ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حسبِ معمول رات میں گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر میں سے ایک شخص کے یہاں گانے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوگئے، پھر آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے اللہ کے دشمن! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ عزوجل تیرے اس گناہ پر پردہ پوشی کریں گے، تو اس نے کہا: امیر المومنین عجلت نہ کیجئے، اگر میں نے اللہ عزوجل کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تو اللہ کے تین احکام توڑے ہیں: "لا تعجل علیّ ان اکن عصیتُ اللّٰه واحدة فقد عصیتَ اللّٰه فی ثلاث " اس نے کہا: ارشادِ باری ہے: " وَلَا تَجَسَّسُوْا " (کسی کی ٹوہ میں نہ پڑو) اور آپ ٹوہ میں مبتلا ہوگئے، اور ارشادِ خداوندی ہے

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب الغیبة: حدیث: ۵۷۶۱، محقق شعیب الارنؤط نے کہا ہے کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے کثیر بن خالد کے۔

(۲) حلیة الأولیاء: سعد بن زید، ۱/ ۹۵، دار الکتاب العربی، الطبعة الرابعه: ۱۴۰۵ھ، علامہ ہیثمی فرماتے کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: بابان فیما شجر بین الصحابة، حدیث: ۱۱۹۷۵

"وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا" (گھروں میں دروازوں سے داخل ہو) اور آپ دیوار پھاند کر اندر آ گئے، وہ بھی بغیر اجازت کے حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے "لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا" (اپنے گھروں کے علاوہ دیگر گھروں میں بغیر مانوس کیے ہوئے اور اس کے رہنے والوں کو بغیر سلام کیے ہوئے داخل نہ ہو جاؤ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں تجھے معاف کروں گا تو کیا بھلائی کرے گا، اس نے کہا: ہاں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے آئے (۱)

عیب کی پردہ پوشی کی جائے

اسلام عیب جوئی کے بجائے عیبوں پر پردہ ڈالنے کا حکم کرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لا یستر عبد عبدًا فی الدنیا الّا ستر اللّٰہ یوم القیٰمۃ" (۲)

جب کوئی بندہ کسی بندہ کے عیب پر دنیا میں پردہ پوشی کرے گا تو اللہ عز وجل روزِ قیامت اس کے عیوب پر پردہ کریں گے۔

یہی وجہ تھی کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اپنے زمانۂ جاہلیت میں اپنی لڑکی کو زندہ درگور کرنے، پھر اس کو دوبارہ نکال لینے، پھر اس کے بعد میں اس کے ان کے ساتھ اسلام لانے، پھر اس کے گناہ میں ملوث ہونے کے بعد حد کی مستحق ہونے، پھر اس کے خودکشی کے ارادے، پھر اس کے بچا لینے کا ذکر کیا، پھر آگے یہ کہا کہ: اب اس نے پھر اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہے اور اس وقت کسی قوم کے یہاں اپنا پیغام نکاح دینا چاہتی ہے، میں نے ان لوگوں کو سابقہ حالت سے باخبر کر دیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس کے جس عیب پر اللہ عز وجل نے پردہ

---

(۱) کنز العمال: التجسس، حدیث: ۸۸۲۷

(۲) مسلم: باب النھی عن ھتك الانسان، حدیث: ۲۵۹

ڈالدیا تھا، تم اس پر سے پردہ اٹھادو" اتعمد الی ما ستر اللّٰہ فتبدیہ" (۱) اگر تم نے اس کے احوال کی کسی کو اطلاع دی تو تمہیں نہایت عبرت خیز سزا دوں گا؛ بلکہ تم اس کا پاکباز عفیف مسلمان عورت کی طرح نکاح کردو۔

شریعت نے دوسروں کے گناہوں پر پردہ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اگر کسی گناہ کی تشہیر کی جائے گی، لوگوں سے اس کے گناہ کا برملا اظہار کیا جائے گا اور اس گناہ کی پاداش میں اس پر حد نافذ کی جائے گی تو وہ لوگوں میں اپنی ذلت وخست، رسوائی وبدنامی کو دیکھ کر گناہ پر اور جری ہو جائے گا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گناہوں کے اظہار سے گویا برائی کی اشاعت ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: " ادرؤا الحدود ما استطعتم" جہاں تک ہو سکے حدود کو ہٹادو۔ (۲)

عیبوں کو چھپانے کے کچھ واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پردہ پوشی کا کس قدر اہتمام تھا اس کیلئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزید چند ایک واقعات اور ملاحظہ فرمایئے:

ابوالہیثم ؒ جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مکاتب تھے کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمارے پڑوسی شراب کے عادی ہیں، میں چاہتا ہوں اس کی اطلاع پولیس کو کر کے ان کو گرفتار کرواؤں، انہوں نے کہا: ایسا مت کرو؛ بلکہ انہیں نصیحت کرو، اور انہیں اس کے انجام سے باخبر کرو، انہوں نے کہا: میں نے انہیں منع کیا ہے پر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے میں ان کو پولیس کو بلوا کر گرفتار کرواؤں گا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تیرا ناس ہو، ایسا نہ کر! چونکہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی کی پردہ پوشی کی تو

---

(۱) کنز العمال: ستر العیب، حدیث: ۸۶۰۷

(۲) السنن الکبریٰ للبیهقی: باب الدلیل علی أنّ مرور الکلب وغیرہ، حدیث: ۳۳۲۵، بوصیری نے "الزوائد: ۲/۳۰۳" میں کہا ہے: اس کی سند ضعیف ہے ابراہیم بن فضل مخزومی کی وجہ سے، ان کو احمد، ابن معین، بخاری، نسائی، ازدی اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔

اس نے زندہ قبر میں دفن کی ہوئی لڑکی کو گویا حیات دی "من رأى عورة فسترها كان كمن احيا مؤدة " (۱)

یہ واقعہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی پردہ پوشی کے اہتمام پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے :

بلال بن سعد اشعریؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ بھیجا کہ: مجھے دمشق کے فساق وفجار کی فہرست تیار کر دو تو انہوں نے کہا کہ: مجھے دمشق کے فساق اور بدمعاشوں سے کیا واسطہ؟ مجھے ان کی جانکاری کیوں کر ہوسکتی ہے؟ اس پر ان کے لڑکے بلال نے کہا: میں ان کے نام لکھ کر دے دوں گا، چنانچہ اس نے ناموں کی فہرست بنائی، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں ان کا پتہ کیسے چل گیا؟ جب تجھے ان کے فساق وفجار ہونے کا علم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو بھی انہیں میں سے ہے" من أين علمت ؟ ما عرفت انّهم فسّاق الّا وأنت منهم " (۲) لہٰذا اس فہرست میں تم اپنا نام سب سے پہلے لکھو! پھر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان کی فہرست ہی نہیں بھیجی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر میں چور کو پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اس کے جرم پر پردہ ڈال دے۔ (۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اگر تم لوگوں کے عیوب تلاش کروگے تو تم ان کو بگاڑ دوگے " انّك ان اتّبعت عورات النّاس أفسدتهم أو كدتّ أن تفسدهم " (۴)

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الأدب، باب الستر على المسلم، حديث: ٤٨٩١، حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے: مستدرك: كتاب الحدود، حديث: ٨١٦٢

(۲) الأدب المفرد: باب الظن، حديث: ١٢٩٠، دار البشائر الاسلامية، بيروت: ١٤٠٩ھ البانی نے اس کو موقوفاً ضعیف السند کہا ہے، اس میں عبداللہ بن عثمان بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن سمرۃ مجہول ہے۔

(۳) بخاری: كتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهنّ بعضا، حديث: ١٥١٨

(۴) ابوداؤد: اب في التجسس، حديث: ٤٨٨٨، امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: رياض الصالحين: باب النهي عن التجسس: ٢٠١١/١

مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بہت ساری برائیاں پیدا ہوں گی، اور یہ ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرأت کرنے لگیں، یہ ساری باتیں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔

اور ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو عار دلایا نہ کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ کھوجا کرو، ”لا تؤذوا المسلمين ولا تعيّروهم ولا تطلبوا عثراتهم“ (۱)

اجتماعی زندگی کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ دوسروں کی خوبیاں اور اس کی قربانیاں دیکھنے والا جوڑ پیدا کرتا ہے اور دوسروں کے عیوب اور کوتاہیوں کو دیکھنے والا عموماً توڑ پیدا کرتا ہے، چنانچہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مکہ پر چڑھائی کیلئے تیاری کے موقع سے رسول اللہ ﷺ کا راز کفار قریش کو لکھ بھیجا اور وہ اس خیال سے تھے کہ میرے مطلع کردینے سے کفار کا کچھ بھلا تو نہیں ہوگا؛ لیکن وہ مجھے اپنا خیر خواہ سمجھ کر میرے بے سہارا اہل وعیال کو نہیں ستائیں گے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالی تو اپنے رسول ﷺ کی مدد کرنے ہی والا ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اس کی گردن ماردوں؟ تو ارشاد ہوا، یہ جنگِ بدر میں شریک ہونے والا ہے اور اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو چاہو عمل کرو تمہاری مغفرت ہوچکی ہے ”أنه قد شهد بدرًا وما يدريك لعلّ الله قد اطّلع على من شهد بدرًا، فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم“ (۲)

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس سنگین غلطی کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ ان کے سابقہ کارنامے پر ڈالی ہے۔

غیبت سے پرہیز کیجئے

اسلامی معاشرت کا اور ایک اہم اور بنیادی اصول جس سے آپسی تعلقات کو قائم ودائم

---

(۱) ابن حبان: باب الغيبة: حديث: ۵۷۶۳، امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب الجاسوس، حدیث: ۲۸۴۵

رکھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ غیبت اور کسی شخص کے عیوب کا دوسرے کے سامنے اظہار سے بچا جائے، یہ چیز آپسی بگاڑ اور تعلقات کو خراب کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ کسی کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو اگرچہ وہ بات اس کے اندر موجود ہو، اور اگر وہ بات اس میں نہیں تو وہ غیبت نہیں؛ بلکہ بہتان ہے، اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے مثلاً: آنکھ دبا کر دیکھنا، لنگڑا کر چلنا بھی غیبت ہے؛ بلکہ یہ زیادہ برا ہے۔ (۱)

اللہ عز وجل نے غیبت کی برائی اور قباحت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (۲) نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے، اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے انسان کا جسم نوچ کر کھانے سے جسمانی تکلیف ہوتی ہے اسی طرح کسی کی عزت پیٹھ پیچھے اچھالنے سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے؛ کیونکہ عزت و آبرو انسان کے نزدیک گوشت سے زیادہ عزیز اور اہمیت رکھتی ہے اور جس طرح مردہ میں حس نہیں ہے یہاں بھی پیٹھ پیچھے برائی کرنے کی وجہ سے اسے اطلاع نہیں ہے، عام انسانوں کا گوشت ہی انسان کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے، پھر اپنے بھائی کا گوشت کہہ کر مزید کراہت اور گندگی کو بتایا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے غیبت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم جانتے ہو، غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے (مسلمان) بھائی (کی غیر موجودگی میں اس) کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اسے بری لگے، کسی نے عرض کیا: اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعتاً اس میں ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ برائی جو تم بیان کر رہے ہو اس میں

---

(۱) شریعت و طریقت: ۱۸۷ (۲) الحجرات: ۱۲

موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ برائی اس میں موجود ہی نہ ہو تو پھر اس پر بہتان باندھا "وان لم یکن فیہ فقد بھتّہ" (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک بدبو اٹھی، آپ ﷺ نے فرمایا: جانتے ہو یہ بدبو کس چیز کی ہے؟ یہ بدبو ان لوگوں کی ہے جو مسلمان کی غیبت کرتے ہیں "ھذہ ریح الذین یغتابون المسلمین" (۲)

ایک حدیث میں ہے کہ "الغیبۃ اشد من الزنا" غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے، آدمی زنا کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں، اور غیبت کرنے والے کا گناہ معاف نہیں ہوگا، (کیوں کہ جس کی غیبت کی، اس کو پتہ چل گیا تو اس کو اذیت پہنچے گی) یہاں تک کہ جس کی غیبت کی جائے وہی معاف کر دے۔ (۳)

یعنی غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور زنا کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ زانی تو زنا کو گناہ سمجھ کر توبہ کر لیتا ہے، مگر غیبت کرنے والے کو توبہ اس لئے نصیب نہیں ہوتی کہ وہ بہت کم غیبت کو گناہ سمجھتا ہے، اسی حدیث کی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ زنا کرنے والے کی پیٹھ پیچھے غیبت کرنے والا، زنا کرنے والے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔

اور ایک روایت میں چغل خوری کی شناعت اور برائی کو بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: "لا یدخل الجنۃ قتّات" چغل خور جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (۴)

اور ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں معراج پر گیا تو میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن

---

(۱) مسلم : باب تحریم الغیبۃ ، حدیث : ۶۵۹۳

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الغیبۃ، حدیث: ۳۱۲۱، علامہ ہیثمیؒ اور منذری نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، الترغیب: کتاب الادب، الترغیب فی الحیاء، حدیث: ۴۲۹۹

(۳) مجمع الزوائد: قال: باب ما جاء فی الغیبۃ والنمیمۃ، حدیث: ۱۳۱۲۸، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانیؒ نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عباد بن کثیر ثقفی ضعیف ہیں۔

(۴) بخاری: باب ما یکرہ من النمیمۃ: حدیث: ۲۰۵۶

تانبے کے تھے جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ نوچ کر زخمی کر رہے تھے، میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا: یہ لوگ انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے، یعنی ان کی غیبت کرتے تھے اوران کی آبرو ریزی کرتے تھے ”ھؤلاء الذین یأکلون لحوم الناس ویقعون فی أعراضھم“ (۱)

ایک دفعہ آپ ﷺ کی چہیتی بیوی حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کے کوتاہ قد کا ذکر مذمت کے انداز میں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لقد قُلتِ کلمۃً لو مزج بھا البحر لمزجتہ“ تم نے ایسا جملہ کہا کہ اگر اس جملہ کو سمندر میں ملا دیا جائے تو اس جملہ کی کڑواہٹ سمندر کی نمکینی پر غالب آجائے، مزید حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک موقع پر میں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ما أُحبّ انّی حکیتُ انسانًا وانّ لی کذا وکذا“ مجھے اتنا اتنا یعنی بہت زیادہ ملے تب بھی مجھے پسند نہیں کہ کسی کی نقل اتاروں۔ (۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے ہودہ گوئی کرنے والا (فحش بکنے والا) اور جو اس کی لوگوں میں اشاعت کرتا ہے جرم میں دونوں برابر ہیں ”القائل الفاحشۃ والذی یُشیع بھا فی الاثم سواء“ (۳)

یہ واقعہ بھی غیبت کی شناعت اور قباحت اور اس گناہ کی سنگینی کو بتلاتا ہے:

---

(۱) ابوداؤد: باب فی الغیبۃ، حدیث: ٤٨٧٨، شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے عبدالرحمٰن بن جبیر کے طریق سے اور راشد بن سعد نے جوان کی متابعت کی ہے تو یہ اصحاب سنن کے رجال میں سے ہیں اور یہ ثقہ ہیں: مسند احمد: مسند انس بن مالك: حدیث: ١٣٣٦٤

(۲) ترمذی: باب مما فی صفۃ اوانی الحوض: حدیث: ٢٥٠٢، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے: ابوداؤد: باب فی الغیبۃ، حدیث: ٤٨٧٥

(۳) الأدب المفرد: باب من سمع بفاحشۃ فأفشاھا، حدیث: ٣٢٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے حسان بن کریب کے یہ ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الغیبۃ والنمیمۃ، حدیث: ١٣١٢٥

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، انہوں نے اپنے بارے میں چار مرتبہ گواہی دی کہ انہوں نے ایک عورت سے حرام کاری کی ہے، ہر مرتبہ آپ ﷺ ان سے اعراض کرتے رہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے آخر کار ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو انہیں سنگسار کیا گیا، پھر آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے دو اشخاص کو آپس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس شخص کو دیکھو کہ اللہ عز وجل نے اس کی ستر پوشی کی تھی، وہ اپنے حوالے سے بے قابو ہو کر کتے کی طرح سنگسار ہو گیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کی یہ بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی، پھر کچھ دیر چلتے رہے، وہاں آپ ﷺ کا گذر ایک مردار پھولے ہوئے گدھے سے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں فلاں کہاں ہیں؟ کیا تم اس مردار کو کھانا پسند کرتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ آپ ﷺ کی مغفرت کرے......کون یہ کھائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”فما نلتما من عرض أخيكما انفا اشدّ من أكل الميتة“ ابھی جو تم نے اس کی عزت کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے یہ اس مردار کھانے سے زیادہ سخت ہے، اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، ابھی وہ (یعنی ماعز اسلمی) اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہے ہیں۔ (۱)

غیبت کی مذمت کے بارے میں دورِ رسالت کا یہ واقعہ بھی نہایت ہی عبرت خیز ہے :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے لوگوں کو ایک دن کا روزہ رکھنے کو کہا اور فرمایا: تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک افطار نہ کرے جب تک کہ میں اسے اجازت نہ دوں، لوگوں نے روزہ رکھا، جب رات ہوئی تو ایک ایک شخص آتا اور کہتا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے روزہ رکھا تھا، اب مجھے افطار کی اجازت دیجئے،

---

(۱) کنز العمال: الغيبة، حديث: ۸۰۱۳، مؤسسه الرسالة، بيروت، ۱۹۸۹م
علامہ حجر نے کہا ہے کہ: اس کی سند کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے: فتح الباري: باب الغيبة: ۱۰/۴۷۰، دار المعرفة، بيروت

تو آپ ﷺ اسے اجازت مرحمت کرتے، ایسے ہی ایک ایک شخص آتا: یہاں تک کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کے گھر کی دو عورتوں نے بھی روزہ رکھا تھا وہ آپ ﷺ کے پاس آنے سے شرم کر رہی ہیں، آپ ﷺ ان دونوں کو بھی افطار کی اجازت دے دیں، آپ ﷺ نے اس آدمی سے اعراض فرمایا، پھر اس آدمی نے یہ بات دوبارہ کہی تو پھر آپ ﷺ نے اعراض کیا، اس نے پھر دوبارہ یہ بات کہی تو پھر آپ ﷺ نے اعراض کیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں نے روزہ رکھا ہی نہیں تھا، وہ شخص کیسے روزہ دار ہوسکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتا رہا، ”وكيف صام من ظلّ هذا اليوم ياكل لحوم الناس؟ “ جاؤ اور ان دونوں سے کہو کہ اگر وہ دونوں روزے سے تھے تو وہ الٹی کریں، وہ شخص ان دونوں کے پاس جا کر ان کو حضور ﷺ کی بات کی اطلاع دی تو انہوں نے الٹی کیا تو ان دونوں کی قئی میں گوشت کا ایک ٹکڑا نکل آیا، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر یہ گوشت کے ٹکڑے ان کے پیٹ میں رہ جاتے تو انہیں جہنم کی آگ کھا لیتی۔ (۱)

غیبت کی شناعت اور اس کی شدت کا اندازہ اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ما النّار في اليبس أسرع من الغيبة في حسنات العبد“ آگ خشک چیز میں جس قدر جلدی سرایت کرتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر غیبت کا اثر بندے کے نیکیوں پر ہوتا ہے یعنی جس طرح آگ خشک چیز کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے اس سے کہیں تیزی کے ساتھ غیبت بندے کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ (۲)

---

(۱) حلية الأولياء: الربيع بن صبيح: ۳۰۹/۶، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الرابعة: ۱۴۰۵ھ، بوصیری نے ”الزوائد“ میں کہا ہے کہ: اس کو طیالسی نے ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں یزید بن ابن الرقاشی ہے، اس کو ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے: اتحاف الخيره المهرة: باب في الحجامة للصائم: ۳۰/۳

(۲) احياء العلوم: ۱۹۹/۳، مكتبة رشيدية، كوئٹه، باكستان، علامہ عراقی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ آپؒ نے میری غیبت کی ہے؟ انہوں نے کہا: میں تمہیں اس قدر حیثیت اور رتبہ کیوں دیتا کہ تم میری نیکیوں میں فیصلہ ساز بن جاؤ "ما بلغ من قدرك عندى انّى أحكّمك فى حسناتى" یعنی میرا تمہاری غیبت کرنا تمہیں اپنی نیکیوں میں فیصلہ ساز بنانے کے مانند ہے کہ تمہاری غیبت کی وجہ سے میری نیکیاں کم ہو جائیں گی۔ (۱)

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے ان سے کہا: فلاں شخص نے تمہاری غیبت کی ہے، تو حسن بصریؒ نے ایک طشت میں اس کے پاس ہدیہ بھیجا اور فرمایا: "قد بلغنى أنّك اهديت الىّ من حسناتك فاردتّ ان اكافئك عليها، فاعذر لى فانّى لا اكافئك على التمام" (۲)

مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تم نے مجھے اپنی نیکیاں بطورِ ہدیہ پیش کی ہیں، میں نے چاہا کہ تمہارے اس ہدیہ کا بدلہ دوں، لیکن میں معذرت خواہ ہوں کہ میں تمہارا بدلہ صحیح طور پر نہیں چکا سکا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "من نمّ اليك نمّ عنك" جس نے تمہارے سامنے دوسروں کی چغلی کھائی ہے وہ تمہاری چغلی دوسروں کے سامنے کھا سکتا ہے۔ (۳)

حضرت فضل بن ابی عیاش سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت وہب بن منبہؒ کے ساتھ بیٹھا تھا تو ایک شخص نے آ کر کہا کہ میں فلاں کے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھا کہ وہ آپ کو گالیاں دے رہا ہے تو یہ سن کر وہب بن منبہؒ ناراض ہو گئے اور فرمایا: کیا شیطان کو تیرے علاوہ کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ملا، ما وجد الشيطن رسولا غيرك ؟ فضل فرماتے ہیں پھر وہ گالی دینے والا ان کے پاس آیا تو وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اپنے قریب بٹھایا۔ (۴)

---

(۱) احياء العلوم : ۳/۱۹۹، مكتبة رشيدية ، كوئٹه ، باكستان

(۲) احياء العلوم : ۳/۲۰۷، مكتبة رشيدية ، كوئٹه ، باكستان

(۳) حلية الأولياء : ٤/۷۱

(۴) الاداب الشرعية: فصل فى عدم صحة توبة المصر: ۱/۹۳، مؤسسة الرسالة، بيروت

منقول ہے کہ حضرت امام حسن بصریؒ کو کسی شخص نے کہا: فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو آپ نے غیبت کرنے والے کو کھجوروں کا ایک تھال بھر کر روانہ کیا اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ سنا ہے تو نے اپنی نیکیاں ہدیہ کی ہیں تو میں نے ان کا معاوضہ دینا بہتر جانا۔

سیدالطائفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: فلاں شخص آپ کو یوں کہتا ہے: حضرت نے فرمایا: اس نے پس پشت کہا لیکن تم تو اس سے زیادہ بے حیاء ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔(۱)

غیبت کی توبہ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے سفیان بن عیینہؒ سے کہا ہے کہ: ”التوبة من الغيبة أن تستغفر لمن اغتبته “غیبت کی توبہ یہ ہے کہ تو نے جس کی غیبت کی ہے اس کیلئے مغفرت کی دعا کرے۔

حضرت سفیانؒ کہتے ہیں کہ: بلکہ جو کہا ہے اس سے تائب ہو جائے: ”بل تستغفر مما قلت “ (۲)

غیبت کا عملی علاج

ہر ایک کے پاس نہ بیٹھیں، دینداروں کے پاس بیٹھنا اور اگر دیندار نہ ملیں تو خود غیبت نہ کریں اور اگر دوسرا کرے تو برا سمجھیں شرکت نہ کریں۔

چونکہ غیبت میں حق اللہ اور حق العبد دونوں ہیں، اس لئے توبہ بھی واجب ہے، اور معاف کرانا بھی ضروری ہے، البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ: جب تک اس شخص کو اس غیبت کی خبر نہ پہنچے تو حق العبد نہیں، لیکن اس صورت میں بھی جس شخص کے سامنے غیبت کی تھی اس کے سامنے اپنی تکذیب کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب : ۱/۲۳۵

(۲) الآداب الشرعية: ۱/۹۳، سسة الرسالة، بيروت

جائز غیبت

یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ اگر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے ختم کرنے کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی اخلاق یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو تو پھر اس شخص یا گروہ کی برائی بیان کرنا، اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے پانچ مواقع سے غیبت کرنے کو جائز کہا ہے:

اول: مظلوم شخص، ظالم کی شکایت اگر افسرِ اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں، البتہ ظالم کے عیوب ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنھیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو، بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف شرع امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ غیبت ہے مگر جائز ہے۔

سوم: مفتی سے فتویٰ لینے کیلئے استفتاء میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہارِ حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔

چہارم: اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید وفروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہوا کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہوگا تو اس کو نقصان سے بچانے کیلئے اس کا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے۔

پنجم: اگر کوئی ایسے نام ہی سے مشہور ہو گیا جس میں عیب ظاہر ہو مثلاً: کانا، لنگڑا تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں، پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلا دے تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔(۱)

---

(۱) شریعت وطریقت: ۱۸۹-۱۸۸

دورخی پن بری عادت ہے

بہت سارے لوگ ہوتے ہیں کہ انہیں ہر طرف اپنی دال گلانی اور بات منانی ہوتی ہے، اس کیلئے یوں کرتے ہیں کہ دو اشخاص اور دو فریق جن کی آپس میں نہیں بنتی ہے تو یہ تیسرا شخص ہر ایک سے اپنی دوستی بڑھاتا ہے، جب ایک فریق کے پاس ہوتا ہے تو اس کے موافق بات کرتا ہے اور جب دوسرے کے پاس ہوتا ہے تو اس کے موافق بات کرتا ہے، ہر ایک کو خوش کرنے کی چکر میں ہوتا ہے، ایسے چاپلوس اور دوہرے معیار کو اپنانے والے کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بدترین لوگ دورخی پن اختیار کرنے والے ہیں، جو ایک کے پاس ایک صورت اور شکل میں آئیں اور دوسرے کے پاس دوسری صورت اور شکل میں آئیں: ” من شر الناس ذو الوجهين الذي يأتي هؤلاء بوجهٍ وهؤلاء بوجهٍ “ (۱)

اور ایک روایت میں فرمایا: جو دو شخص دوہرے معیار کو اپنانے والا ہوگا تو اس کیلئے روزِ قیامت دو آگ کی زبانیں ہوں گی ” من كان ذا الوجهين في الدنيا كان له لسانان يوم القيامة “ (۲)

یہ دوہرا پن اور دورخا پن یہ غیبت اور چغلی سے بڑھا ہوا ہے؛ چونکہ چغلی اور غیبت میں ایک آدمی کی برائی دوسرے کے سامنے ذکر کی جاتی ہے، یہاں ہر دو میں سے ایک کی برائی دوسرے سے ذکر کی جاتی ہے۔

حضرتِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ: ہم ہمارے حکام کے پاس جاتے ہیں اور وہاں ایک بات کہتے ہیں اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو دوسری بات کہتے ہیں تو

---

(۱) بخاري: باب ما يكره من الثناء: حديث: ۶۷۵۷

(۲) الأدب المفرد: باب ذي الوجهين: حديث: ۱۳۱۰، البانی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اسی کو تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نفاق شمار کرتے تھے "كنّا نعدّ هذا نفاقًا على عهد رسول الله" (١)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا تكونوا امّعةً" دورُخا پن اختیار نہ کرو، لوگوں نے کہا: دورُخا پن کیا ہوتا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الذی يجری مع كلّ ريح" جو جس رخ پر ہوا چلے ادھر کو چلنے لگے۔ (٢)

بے بنیاد باتوں پر یقین نہ کیا جائے

آپسی تعلقات کی درستگی اور ان کو پائیدار بنانے کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ بے بنیاد باتوں پر یقین نہ کیا جائے، جب تک کسی بھی بات کے تعلق سے جو آپس میں بگاڑ اور خراب پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہو اس پر اس وقت تک اعتماد اور اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی مکمل تحقیق اور چھان بین نہ کر لی جائے، ورنہ یوں ہوتا ہے کہ بات کچھ اور ہوتی ہے، پہنچانے والے کی غلط فہمی سے وہ بات اسے کچھ اور نظر آتی ہے، اس طرح تعلقات میں بگاڑ اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے، اسی کو اللہ عزوجل نے یوں ارشاد فرمایا: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (٣) اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

یہ آیتِ کریمہ گرچہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی ہے؛ واقعہ یہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کسی قبیلہ کی طرف زکوۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا اور زمانۂ جاہلیت میں اُن صحابی رضی اللہ عنہ میں اور اُس قبیلہ میں کچھ عداوت تھی، انہیں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا کہ

---

(١) ابن ماجه : باب كفّ اللسان فى الفتنة ، حديث : ٣٩٧٥، بوصیری نے کہا ہے کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں: مصباح الزجاجة: كتاب الفتن: ٢٧٨/٢، دار الجنان، بيروت

(٢) احياء العلوم : كلام ذى اللسانين : ٢٣١/٣، مكتبه رشيديه ، كوئٹه ، پاكستان

(٣) الحجرات : ٦

کہیں قبیلہ والے پچھلی عداوت کی وجہ سے گزند نہ پہنچائیں، ان قبیلہ والوں نے رسول اللہ ﷺ کا قاصد سمجھ کر استقبال کیلئے باہر نکل آئے، ولید ؓ کو گمان ہوا کہ وہ قتل کے ارادہ سے آئے ہیں، واپس جاکر اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا کہ وہ تو مخالفِ اسلام ہوگئے، آپ ﷺ نے حضرت خالد ؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ خوب تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا، انہوں نے وہاں جاکر خیر ہی دیکھا آکر اطمینان کا اظہار کردیا، رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے "التأنّي من اللّٰہ و العجلة من الشیطان" سوجھ بوجھ کر قدم اٹھانا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔(۱)

لیکن اس سے ایک عام شرعی حکم یہ معلوم ہوا کہ جب صحابی ؓ کی خبر پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کیا ہے تو آج کل کے عام انسان کی خبر پر اقدام کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

حضرت ابن عباس ؓ کی ایک روایت میں ہے کہ "اذا تبینت أصبت أو کدت تصیب" یعنی اگر تم چھان پھٹک کروگے تو درستگی کو پاجاؤ گے، یا کم از کم درستگی کے قریب ہوجاؤ گے۔(۲)

بہرحال اجتماعی زندگی میں بہت سارے مواقع ایسے آتے ہیں کہ بے بنیاد باتوں پر یقین کرنے سے تعلقات میں بگاڑ اور خرابی پیدا ہوجاتا ہے؛ اس لئے شریعت نے تعلقات کی برقراری اور اس کو قائم ودائم رکھنے کا ایک نسخہ یہ بتلایا کہ ان باتوں پر جوں کا توں یقین نہ کرلیا جائے، جب تک بات کی حقیقت معلوم نہ ہو اور ایسی حرکت کو بڑی برائی قرار دی گئی ہے کہ آدمی جو سنے بغیر جانچ کے کہتا پھرے "کفی بالمرء کذبًا ان یحدّث بکلّ ما سمع" (۳) آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ جو سنا اسے بولتا پھرے۔

---

(۱) الدر المنثور: ۷/ ۵۵۸، دار الفکر بیروت، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: الترغیب: الاکثار من ذکر اللہ، حدیث: ۲٤۱۹

(۲) السنن الکبریٰ: باب التثبت فی الحکم: حدیث: ۲۰۰۵۸، عجلونی نے کہا ہے کہ: ابوحاتم کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں سعید بن سماک ہیں جو متروک ہیں: کشف الخفاء: ۱/ ۲۹۵

(۳) مسلم: باب النهی عن الحدیث بکلّ ما سمع، حدیث: ۵

زبان کی حفاظت کی جائے

تعلقات میں بگاڑ اور خراب پیدا کرنے میں زبان کا بڑا اہم کردار ہوسکتا ہے، زبان کے بیجا، بے موقع، بے محل استعمال کرنے کی وجہ سے اس قدر لغزشیں سرزد ہوجاتی ہیں، اور اس قدر آفتیں آتی ہیں کہ شمار سے باہر، کیا صرف زبان کی لغزش دنیا کو تباہ برباد کردیتی ہے؛ نہیں؛ بلکہ آخرت کے بگاڑ کا بھی ذریعہ بنتی ہے، زبان کی غلطیاں اور لغزشیں یوں ہوتی ہیں کہ کسی کی غیبت کردی، چغلی کھالی، بیہودہ بات کردیا، بلاضرورت بول لیا، بغیر احتیاط کے ہر قسم کی بات کرلیا، بے حیائی کی باتیں کرلی، لڑائی جھگڑے کی بات کرلیا، گالی گلوچ کرلی، کسی پر لعنت بھیج دی، کسی کا مذاق اڑالیا، جھوٹا وعدہ کرلیا، جھوٹی قسم کھالی، دورخی باتیں کرلی زبان کی یہ لغزشیں اور آفتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے تنہا ایک چیز بھی تعلقات کے بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔

اسی کو اللہ عزوجل نے یوں بتلایا ہے: لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِنْ نَجْوٰھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ (۱) عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کرلیا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ عام لوگوں کی سرگوشیوں اور بیٹھکوں میں کوئی خیر اور اچھائی نہیں ہوا کرتی، اس طرح کی مجالس، چغلی، غیبت ایک دوسرے کی عیب جوئی اور برائی، شکوہ وشکایت پر مشتمل ہوتی ہیں، اس سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوتا؛ بلکہ آپسی تعلقات کے بگاڑ کی شکل میں خرابیاں تو ضرور وجود میں آتی ہیں۔

---

(۱) النساء: ۱۱۴

اس امت کے حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے بڑے اہتمام سے فرمایا: کیا میں تمہیں سارے دین کی بنیاد نہ بتاؤں؟ "الا اخبرك بملاك ذلك كلّه" پھر زبان کو پکڑ کر (جیسے کسی چھوٹے بچے کو سمجھایا جاتا ہے) فرمایا: "كفّ عليك هذا" اس کو لگام دے۔ (۱)

ان ہی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم لوگ جو بولتے ہیں اس پر بھی مواخذہ ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر تیری ماں روئے، انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز صرف اس کی زبان کی کمائی ہے، "ولا يكبّ النّاس في النّار الّا حصائد ألسنتهم" (۲)

زبان کے فتنوں اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں اور اس سے آخرت کے برباد ہونے کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو (دیکھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زبان کو کھینچ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: یہی زبان ہے جو مجھے ہلاکت کی جگہوں میں لے جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو زبان کی بدگوئی اور تیزی کی شکایت نہ کرتا ہو "ليس شيئ من الجسد يشكو ذرب اللسان على حدّته" (۳)

زبان کی ان فتنہ سامانیوں کی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم غیبت، بدگمانی، نکتہ چینی، فحش گوئی، سب و شتم اور لایعنی باتوں سے بالکل پرہیز کیا کرتے تھے۔

---

(۱) ترمذی: الایمان، حرمة الصلاة، حدیث: ٢٦١٦، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ترمذی: حرمة الصلاة، حديث: ٢٦١٦، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن اور صحیح ہے۔

(۳) شعب الايمان: فصل في فضل السكوت عن كلّ مالا يعنيه، حديث: ٤٩٤٧، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: ١٤١٠ھ، علامہ ہیثمی نے فرمایا ہے کہ: اس کو ابویعلی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے موسی بن محمد کے، ان کی ابن حبان نے توثیق کی ہے: مجمع الزوائد: باب ما جاء في الصمت وحفظ اللسان، حديث: ١٨١٧٥

حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ بہت کم سخن تھے، ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: کوئی عمل ایسا بتا دیجئے جس کا میں التزام کروں، آپ ﷺ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس پر قابو رکھیو، " أملك هذا واشار الٰی لسانه " وہ پہلے ہی سے کم سخن تھے، انہوں نے کہا کہ: یہ تو نہایت آسان کام ہے؛ لیکن ان کا بیان ہے کہ: جب میں نے اس پر عمل کرنا چاہا تو وہ نہایت دشوار معلوم ہوا۔ (۱)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں کیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو، وہ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت سے نامناسب الفاظ استعمال نہیں کئے " فما سببت شيئا بعيرًا ولا شاة لا انسانًا منذ سمعت رسول الله نهى عن السب " (۲)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اگر ان کی زبان سے کوئی سخت لفظ نکل جاتا تو اس پر سخت ندامت ہوتی، ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو ایک سخت کلمہ کہہ دیا جس پر ان کو سخت ندامت ہوئی، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا لو: تم بھی مجھ کو ایسا ہی کلمہ کہو، تاکہ بدلہ ہو جائے " فقال لی: یا ربیعة! رد علی مثلها حتی تکون قصاصا " انہوں نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا، بولے: تو پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کروں گا، انہوں نے اب بھی انکار کیا، معاملہ آپ ﷺ تک پہنچا تو آپ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے بہت اچھا کیا؛ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کیلئے استغفار کرو، انہوں نے ان کیلئے دعائے مغفرت کی تو وہ روتے ہوئے واپس آئے۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: بابان في الكلام والصمت: حديث: ١٨١٤٨، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے، اس میں سے ایک سند جید ہے۔

(۲) المعجم الكبير: سليم بن جابر ابوجرى الهيثمي: حديث: ٦٣٨٨

(۳) مسند احمد: حديث ربيعة بن كعب الاسلمي، حديث: ١٦٦٢٧ مؤسسة قرطبة، القاهرة علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس میں مبارک بن فضالۃ ہیں، اور یہ حسن درجے کے ہیں اور اس کے باقیہ رجال صحیح ہیں: مجمع الزوائد: باب جامع فی فضل، حديث: ١٤٣٢١

زبان کی بدگوئی اور اس کا بے لگام استعمال کس قدر نقصان کا باعث ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کس نے اپنے دوست کیلئے کھانا تیار کیا تھا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یا ابن عمر رضی اللہ عنہ، نے ایک باندی ان سب کے درمیان کھانا لگا رہی تھی کہ ان دونوں (ابن عباس یا ابن عمر رضی اللہ عنہم) میں سے کسی نے کہا: اے زانیہ! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خاموش رہو، اگر اس عورت نے دنیا میں تم پر حد جاری نہیں کی تو آخرت میں ضرور تم پر حد جاری کرنے کا سبب بنے گی، (یعنی ابھی تو وہ باندی، خادمہ بے زبان اور مجبور ہے، نہ کچھ کہہ سکتی ہے اور نہ تہمت باندھنے کی حد (ستر کوڑے) لگوا سکتی ہے مگر قیامت میں تمہاری طرح آزاد ہوگی اور "مٰلک یوم الدین" کی عدالت ہوگی، وہاں اس بدزبانی اور تہمت کا لفظ "زانیہ" خالی نہیں جائے گا اور کہا: کبھی تم نے سوچا کہ اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ کہا: اللہ تعالیٰ بے حیائی کرنے والے اور بے حیائی کی بات کرنے والے کو پسند نہیں کرتا "انّ اللہ لا یحبّ الفاحش المتفحّش" (۱)

صبر وتحمل سے کام لیا جائے

اللہ عزوجل نے ہر انسان کی طبیعت اور مزاج الگ الگ بنائے ہیں، جس طرح ہر انسان کا چہرہ بالشت بھر کا ہے، اس میں آنکھ بھی ہے، ناک بھی، منہ بھی، کان بھی ہیں، رخسار بھی ہیں، اور تھوڑی بھی ہے، ہر انسان کے چہرے میں ان چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی دو انسانوں کا چہرہ سو فیصد ایک جیسا نہیں ہوتا، اسی طرح ہر انسان کا مزاج اور طبیعت بھی مختلف ہوتی ہے، طبیعتوں کے اس اختلاف کے ہوتے ہوئے جب چند انسان ایک ساتھ زندگی گذار رہے ہوں اور ایک ساتھ رہ رہے ہوں اور کبھی بھی ان میں سے ایک دوسرے کو

---

(۱) الأدب المفرد: باب لیس المؤمن بالطعان، حدیث: ۳۱۰، مناوی نے اس کی سند کو جید کہا ہے: فیض القدیر: ۲/۲۷۱

تکلیف نہ پہنچے، ایسا ممکن ہی نہیں، کبھی جسمانی تکلیف پہنچے گی، کبھی روحانی، کبھی نفسیاتی، اس پر اس آدمی کو اجر وثواب دیا جاتا ہے، چنانچہ اس بارے میں اس حدیث کو ملاحظہ کیجئے :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گیا، لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی، مثلاً: وہ کسی مسجد میں یا مدرسہ میں یا عبادت گاہ میں بیٹھ گیا؛ تاکہ لوگوں سے سابقہ پیش نہ آئے اور یہ سوچا کہ میں تنہائی میں عبادت کرتا رہوں گا، دوسرا مسلمان وہ ہے جس نے تنہائی اختیار نہیں کی؛ بلکہ لوگوں سے ملا جلا رہا، لوگوں سے تعلقات بھی رکھے، رشتہ داریاں اور دوستیاں بھی ہیں اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا بھی ہے اور ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات بھی کرتا ہے اور پھر ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے کے نتیجہ میں لوگوں سے تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں اور وہ لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، فرمایا کہ یہ دوسرا مسلمان جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے، یہ مسلمان بدرجہا بہتر ہے اس مسلمان سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کو تکالیف پر صبر کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی "المسلم اذا کان مخالطا النّاس ویصبر علی اذاھم خیر من المسلم الذی لایخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم"(۱)

جب آدمیوں کے ساتھ رہنا بھی ہے تو ان سے تکلیف بھی پہنچے گی، اب اس پر صبر کرنا ہے، ورنہ لڑائیاں اور جھگڑے پیدا ہوں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا:

"وانّ فساد ذات البین ھو الحالقة" (۲)

کیونکہ آپس کی نااتفاقی دین کو مونڈھ دینے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایکدم سے صاف ہو جاتے ہیں ایسے ہی آپس کی لڑائی سے دین ختم ہو جاتا ہے۔

---

(۱) ترمذی :صفة القیامة والرقائق والورع ، حدیث:۲۵۰۷ ، علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: فتح الباری : باب الصبر فی الاذی: ۵۱۲/۱۰

(۲) ترمذی:فی فضل اصلاح ذات البین، حدیث:۲۵۰۹ امام ترمذی فرماتے ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے

اس تکلیف سے بچنے کا ایک مسنون اور فطرت انسانی سے بہت قریب طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ سوچے کہ کائنات میں کوئی چیز نکمی نہیں ہے اور کوئی انسان تو کیا کوئی حیوان اور جمادات بھی ضرور کسی نہ کسی کام کے ہیں، ضرور ان میں کوئی نہ کوئی خوبی ہے مثلاً بیوی ہے تو اس سے پہنچنے والی تکلیف کے مقابلے میں اس سے حاصل ہونے والی راحت زیادہ ہے، اس کی خدمت، فرمانبرداری، بچوں کی دیکھ بھال، مہمانوں کی مہمان نوازی، شوہر کی ضروریات کا وقت پر پورا ہونا وغیرہ اور احسان کی مقدار زیادہ ہے، اس لئے کسی معمولی، وقتی واقعہ پر ان ساری خوبیوں سے آنکھ بند کر لینا کسی طرح انصاف نہیں ہوسکتا ہے، اسی کو حضور ﷺ نے یوں فرمایا: " لا يفرك مؤمن مؤمنة ان سخط منها خلقًا رضي منها اٰخر " (۱)

ایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیوی کی شکایت کرنے لگے کہ اس میں فلاں فلاں عادت خراب ہے، حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: " طلّقها " یعنی اگر اتنی خراب ہے کہ تمہارے لئے ناقابل برداشت ہے تو اسے طلاق دے دو، اس نے سوچا کہ اگر میں اسے طلاق دے دوں اور وہ چلی گئی تو مجھ پر کیا گذرے گی، اس لئے اس نے حضور ﷺ سے کہا: "لا اصبر عليها " یارسول اللہ ﷺ! اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا آپ ﷺ نے فرمایا: " امسكها " پھر اس کو روکے رکھو، یعنی جب اس کے اندر خرابی ہے؛ لیکن اس کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا تو اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس کو روکے رکھو اور اس کی خرابی کو برداشت کرو؛ البتہ اپنی طرف سے اس کی اصلاح کی جتنی کوشش تم سے ہوسکتی ہے کرو۔ (۲)

نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے حوالے سے شوہروں کو صبر وضبط کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: عورتوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور نہ ان کے حوالے سے صبر وضبط سے کام لیا جاسکتا ہے،

---

(۱) مسلم: کتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء، حدیث: ١٤٦٩

(۲) السنن الکبری: ما يستدل على قصر الأية، حدیث: ١٣٤٨، علامہ نووی فرماتے ہیں: منذری نے کہا ہے: اس حدیث کے سند کے رجال وہ ہیں جن سے صحیحین میں استدلال کیا گیا ہے: المجموع: ٢٢٠/٦١

یہ نرم خو پر غالب آجاتی ہیں اور کمینے لوگ ان پر غالب آجاتے ہیں اور میں کمینہ بن کر ان پر غلبہ حاصل کرنا نہیں چاہتا "ولا أحب أن أكون لئيمًا غالبا" (۱)

الغرض اجتماعی زندگی میں صبر وضبط اور تحمل اور برداشت کی بھی بے انتہا ضرورت ہوتی ہے، کبھی کسی سے ناچاقی اور نا اتفاقی کی بات ایسی ہوجاتی ہے کہ آدمی کنٹرول سے باہر ہوجاتا ہے، بے قابو ہوکر مار دھاڑ توڑ پھوڑ پر تل آتا ہے، یہ وقتی اور عارضی غصہ بڑے بڑے فتنوں کا باعث بن جاتا ہے، ایسے وقت میں صبر وضبط سے کام لیا جائے، جو بھی قدم اٹھائے سوچ سمجھ کر اٹھائے، ایسی حالت میں یہی ایک چارۂ کار اور صورت وہ ہوتی ہے جو آپسی تعلقات کے بگاڑ سے بچاتی ہے، ارشادِ خداوندی ہے: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۲) اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ غصہ کو پی جانا اور تکلیف پر صبر وبرداشت سے کام لینا، اپنے فریق کو معاف کرنا یہ بڑے عزم اور حوصلہ کی بات ہے، اللہ عزوجل نے ایسے شخص کو بڑے عزم وحوصلہ والا قرار دیا ہے جو مصائب اور تکالیف پر صبر وضبط سے کام لیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو انہیں بے شمار تکالیف سے دوچار کیا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، ان کے اور ان کے والد کے صبر وضبط پر اللہ عزوجل نے ان کو تختِ شاہی پر بیٹھا کر بھائیوں کو محتاج اور کنگال بنا کر اپنی ضرورت کو لے کر ان کے پاس آنے پر مجبور کیا، اسی کو اللہ عزوجل یوں فرمایا: "مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۳) جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

اسی کو روایت میں یوں فرمایا گیا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) روح المعاني: ۲/ ۶۵، دار احياء التراث العربي، بيروت

(۲) الشورى: ۴۳ (۳) يوسف: ۹۰

فرمایا: طاقتور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے؛ بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے "انّما الشدید الذی یملك لنفسه عند الغضب" (۱)

ایک بڑی فضیلت ایسے لوگوں کیلئے یہ ہے کہ روزِ محشر جب اولین وآخرین کو جمع کیا جائیگا، تو ایک منادی پکارے گا، "این أهل الفضل؟" اہل فضل کہاں ہیں؟ تاکہ وہ جنت میں بلاحساب وکتاب داخل ہوں تو ایک چھوٹی جماعت کھڑی ہوگی تو فرشتے ان سے کہیں گے: اے بنی آدم! کہاں جارہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت میں، فرشتے پوچھیں گے: حساب سے پہلے؟ وہ جماعت کہے گی: ہاں، وہ پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ جواب دیں گے: ہم اہل فضل ہیں، فرشتے پوچھیں گے: تمہاری کیا فضیلت ہے، وہ جواب دیں گے: "کنّا اذا ظلمنا صبرنا واذا أسیئ الینا غفرنا، واذا جهل علینا حملنا" جب ہم پر ظلم کیا جاتا تو ہم صبر کرتے، اور جب ہمارے ساتھ بدسلوکی کی جاتی تو ہم بخش دیتے، اور جب ہم سے بے رخی کی جاتی تو ہم برداشت کرتے تو ان سے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہوجاؤ۔ (۲)

اور ایک جگہ ارشادِ باری ہے "اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (۳) یعنی اللہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔

اور فرمایا: "وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ" (۴) یہ صبر کرنے والا بڑا نصیب والا ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں: "جَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا" کے اصول کے مطابق بدلہ لینے کا ارادہ کرچکے ہو تو اس سے بھی بہتر صبر کرنا ہے "وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ" (۵) یعنی اگر صبر کروگے تو صبر کرنا بدرجہا بہتر ہے، صبر کرنے والوں کیلئے) چنانچہ بجائے تھپڑ مارنے والے کو تھپڑ مارنے کے اس کو معاف کرکے اجرِ آخرت کے مستحق ہوجاؤ۔

---

(۱) مسلم: باب فضل من یملك نفسه عند الغضب: ٦٨٠٩

(۲) شعب الایمان فصل فی التجاوز والعفو: حدیث: ٨٠٨٦، بیہقی نے کہا ہے کہ: یہ متن غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(۳) القصص: ٨٠ (۴) الزمر: ١٠ (۵) نحل: ١٢٦

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک وفد آیا، حضرت علقمہ ؓ جو اس وفد کے ایک فرد تھے کہتے ہیں کہ: ہم سات لوگ خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے، ہم نے حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر کہ تم کس وصف پر ہو؟ تو ہم نے کہا: صفتِ ایمان پر، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نے کہا: پندرہ اوصاف ہیں، پانچ کا حکم تو آپ ﷺ نے ہم کو دیا، پانچ چیزیں ہمیں آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے لوگوں نے بتلائی، اور پانچ چیزیں جس سے ہم زمانۂ جاہلیت سے متصف ہیں، اس میں سے وہ پانچ چیزیں جن سے ہم پہلے ہی سے متصف تھے اس کا ذکر انہوں نے یوں کیا، " الشكر عند الرخاء، والصبر عند البلاء، والصدق فی مواطن اللقاء، والرضا بمرّ القضاء، ترك الشماتة اذا حلت بالأعداء" خوشحالی میں شکر گذاری، مصیبتوں میں صبر وضبط، جنگ کے موقع پر ثابت قدمی، تقدیر پر رضامندی اور دشمن کی مصیبت کو دیکھ کر بھی خوش نہ ہونا۔

آپ ﷺ نے ان کے ان اوصاف حمیدہ اور فضائل کی وجہ سے فرمایا: "فقهاء، أدباء، كادوا ان يكونوا أنبياء من خصال ما أشرفها" قریب تھا کہ یہ اپنے ان اعلیٰ صفات کی وجہ سے نبی ہو جاتے، پھر آپ ﷺ نے ان کو مزید پانچ چیزوں کی نصیحت فرمائی، تفصیلی روایت ہے۔(۱)

صبر کا بدلہ

☆ محمد ابن الحسنؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں کوفہ میں قید تھا، قید و بند کی حالت میں میرا غم اور اندیشہ بہت بڑھ گیا تھا اور قریب تھا کہ غم کی وجہ سے میری روح نکل جاتی، اور زمین اپنی کشادگی اور وسعت کے باوجود میرے لئے تنگ نظر آرہی تھی، تو ایک شخص جن پر عبادت وریاضت کے آثار نمایاں تھے مجھے نظر آئے اور میرے غم واندوہ کو دیکھا تو فرمایا: تمہاری یہ حالت کیسی؟ میں نے ان کو یہ تمام قصہ کہہ سنایا، تو فرمایا: صبر کرو، صبر کرو " اصبر اصبر"

---

(۱) حلیة الأولیاء: عطاء بن میسرة، ۲۰۷/۵

کیوں کہ حضور ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: صبر غموں کا پردہ اور مصائب پر مددگار رہتا ہے، آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ صبر ایک سواری ہے جو مخالفت نہیں کرتی اور ایسی تلوار ہے جو کند نہیں ہوتی۔(۱)

اس نصیحت کے بعد وہ چلے گئے تو میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو کسی کو بھی ان سے معرفت اور پہچان کا پتہ نہیں چلا اور نہ ہی کسی نے ان کو اس سے پہلے کوفہ میں دیکھا تھا، میں اسی دن جیل سے رہا کیا گیا، مجھے ان کی بات سے بہت خوشی ہوئی اور میں نے اس سے بے انتہا فائدہ محسوس کیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ: ہوسکتا ہے کہ یہ ابدالوں اور نیک لوگوں میں سے ہوں ”ووقع فی نفسی أنّه من الأبدال الصالحین “ (۲)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: میں مقام واسط میں تھا، میں نے ایک شخص کو دیکھا ایسے لگتا تھا کہ اسے قبر سے کھود کر نکالا گیا ہو، میں نے اس سے کہا: تیری یہ حالت کیسی؟ تو اس نے کہا: میں اپنے معاملہ کو چھپاتا ہوں، مجھے حجاج بن یوسف نے تین سال جیل میں قید کئے رکھا، میری نہایت ابتر حالت تھی، اور وہ میری زندگی کے بے انتہا برے دن تھے، اور میں نہایت کٹھنائی اور گھٹن محسوس کر رہا تھا، اس کے باوجود میں نے صبر کے دامن کو تھامے رکھا ہوا تھا، کل ہی میرے ساتھ کی ایک جماعت کو جیل سے نکال کر ان کی گردن زدنی کی گئی تھی، اور بعض جیلروں نے مجھ سے کہا تھا کہ: کل تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا، مجھے بہت زیادہ رونا آیا، اللہ عزوجل نے میری زبان پر یہ کلمات جاری کردیئے، ”الٰھی اشتدّ الضرّ، وفقد الصبر وأنت المستعان “ پھر رات کا بیشتر حصہ گذر گیا، تو مجھ پر غشی طاری ہوگئی، میں ابھی سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا کہ ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا: اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو اور یوں کہو: ”یا من لا یشغله شیئ عن شیئ، یا من أحاط علمه بما ذرأ وبرأ وأنت عالم بخفیات الأمور ومحصی وساوس الصدور وأنت بالمنزل الأعلی، وعلمك محیط بالمنزل الأندی،

(۱-۲) قصص العرب: ۱/ ۱۵۰، دار الکتب العلمیة، بیروت

تعالیت علوا کبیرا ، یا مغیث اغثنی وفكّ أسری واكشف ضری فقد نفد صبری "(۱) میں اسی وقت کھڑا ہوا اور وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور ان سے سنی ہوئی دعا کو پڑھا اور ایک کلمہ بھی اس میں مجھ سے رہ نہیں گیا، میرے یہ کلمات ابھی ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ میرے پیر کی بیڑیاں اور بندھن ٹوٹ کر گر گئے، اور میں نے جیل کے دروازوں کو کھلا ہوا پایا، میں جیل سے نکل گیا، میں اللہ عزوجل کا آزاد کردہ شخص تھا، اللہ عزوجل نے صبر کے بدلہ مجھے یہ بدل عطا کیا اور مجھے اس تنگی سے کشادگی عنایت کی۔

☆ حجاج بن یوسف نے ایک شخص کو جیل سے نکال کر لانے کو کہا، جب وہ اس کے سامنے آموجود ہوا تو اس کی گردن زدنی کا حکم صادر کیا، اس شخص نے کہا: میرا معاملہ ایک دن کیلئے مؤخر کردیجئے، اس نے کہا: ایک دن تک تمہارے معاملہ کو مؤخر کیا جاسکتا ہے، لیکن تمہیں اس سے کشادگی اور آسانی کہاں مل سکتی ہے؟ پھر اس کو جیل میں لوٹانے کا حکم دیا، حجاج نے اس کو جیل میں یہ شعر کہتے ہوئے سنا :

عسى فرج يأتي به الله انّه   له كلّ يوم في خليقته أمر

ممکن ہے کہ اللہ عزوجل قریب ہی کوئی کشادگی اور آسانی لے آئے، چونکہ اس کے یہاں ہر دن اپنی مخلوق میں ایک معاملہ طے ہوتا ہے۔ حجاج نے کہا: اس نے یہ بات اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے اخذ کی ہے "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ " (۲) پھر اس کے رہائی کا حکم جاری کردیا۔(۳)

☆ خلیفہ معتمد کے بعض مصاحبوں اور ہم نشینوں نے بتلایا کہ ہم ایک رات معتمد کے یہاں تھے، اونگھ کی وجہ سے اس کا سر ڈھل گیا، پھر اس نے کہا: میں تھوڑی دیر آرام کرلیتا ہوں تم یہیں رہو، اس نے چند ایک غراٹے لئے، پھر گھبرا کر اٹھ بیٹھا، اور کہنے لگا: جیل جاؤ

---

(۱) قصص العرب: ۱/ ۱۵۰، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) الرحمٰن: ۲۹

(۳) قصص العرب: ۱/ ۱۵۰، دار الكتب العلمية، بيروت

اور جا کر منصور الجمال کو لے آؤ، وہ اس کو لے کر آئے، اس نے ان سے کہا: تم کتنے سال سے جیل میں ہو؟ انہوں نے کہا: ڈیڑھ سال سے، اس نے کہا: کس غلطی کی پاداش میں؟ انہوں نے کہا: میرا نام جمال ہے، میں موصل کا رہنے والا ہوں، میرے اپنے شہر میں کمائی اور کسبِ معاش کے ذرائع کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اس شہر کا رخ کیا تھا، میں نے فوجیوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ انہوں نے چند بدحال اور بدقماش لوگوں کو گرفتار کیا ہوا ہے، یہ کل پندرہ اشخاص تھے، ان کو فوجیوں نے ڈاکہ زنی کے جرم میں گرفتار کیا ہوا تھا، ان میں سے ایک شخص نے کچھ رشوت دے کر اپنے آپ کو آزاد کرالیا، انہوں نے اس کی جگہ تعداد کو مکمل کرنے کیلئے مجھ کو پکڑ لیا، اور میرا اونٹ بھی لے لیا، میں نے ان کو اللہ کی قسم دی، انہوں نے مجھے رہا کرنے سے انکار کر دیا، میں اور بقیہ چودہ لوگ قید میں ڈال دیئے گئے، ان میں سے کچھ تو چھوٹ گئے اور کچھ لوگ وہیں مر گئے، اور میں اکیلا رہ گیا، معتمد نے ان کو پانچ سو درہم دیئے اور ان کیلئے ہر ماہ تیس دینار وظیفہ طے کیا، اور کہا: اس کو ہمارے اونٹ پر بٹھاؤ، پھر کہا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ میرے اس عمل کی کیا وجہ ہے؟ ہم نے کہا: نہیں، کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو (خواب میں) یہ کہتے ہوئے سنا کہ منصور جمال کو جیل سے رہا کر دو، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرو " اطلق منصور الجمال من السجن وأحسن اليه " (۱)

صبر کے فائدے

۱- بندہ یہ سمجھے کہ اللہ عزوجل بندوں کے افعال کا خالق ہے، کوئی بھی چیز اللہ عزوجل کی مشیت اور ارادے کے بغیر حرکت نہیں کرسکتی، جب بندہ یہ تصور کرے گا جس کسی مصیبت اور پریشانی سے وہ دوچار ہوگا اس سے اس کو راحت اور آرام مل جائے گا۔

۲- اپنے گناہوں کا استحضار کرے، اور یہ تصور کہ اللہ عزوجل نے جو مصائب بھی اس پر ڈالے ہیں وہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں، ارشادِ باری عزوجل ہے " وَمَآ اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ " (۲)

---

(۱) قصص العرب: ۱/۱۶۶، دار الکتب العلمیة، بیروت (۲) الشوری: ۳۰

جب بندہ یہ تصور کرے گا تو مصیبت کی یہ گھڑیاں اس کیلئے آسانی اور سہولت کا باعث ہو جائیں گی۔

۳- بندہ اللہ عز و جل نے درگذر کرنے اور صبر و ضبط سے کام لینے پر جو اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے، اس کا تصور کرے، ارشادِ باری عز و جل ہے "جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ"

۴- بندہ یہ سوچے کہ جب یہ معافی تلافی سے کام لے گا اور اچھا برتاؤ اور سلوک کرے گا تو اس کے تئیں لوگوں کے دل میں محبت و عقیدت پیدا ہوگی، اور خود اسکو درگذر کرنے اور معاف کرنے کی حلاوت و لذت کا احساس ہوگا، اور اس کو معاف کرنے پر دل کی طمانیت اور سکون کی شکل میں جو فائدہ حاصل ہوگا وہ بدلہ اور انتقام لینے سے بڑھ کر اور بہتر ہوگا اور خود یہ اللہ عز و جل کے اس ارشاد میں داخل ہو جائیگا" وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" اور یہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

۵- اور ایک چیز جو بندہ کو صبر و ضبط پر آمادہ کرے گی وہ یہ ہے کہ وہ یہ یقین کرے کہ جب کبھی بھی اس نے اپنی ذات اپنے نفس کیلئے انتقام لیا ہے تو اس کی وجہ سے اس کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا ہے اور جب بھی اس نے معافی تلافی سے کام لیا ہے تو اس کی عزت و عظمت میں اضافہ ہوا ہے اور اسی کو نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا:" وما زاد اللّٰه عبدًا بعفو الا عزًا " (۱) اور اللہ عز و جل نے معافی تلافی سے بندہ کی عزت میں اضافہ ہی کیا ہے۔

۶- بندہ یہ سوچے وہ دوسرے کے ساتھ جیسا سلوک روا رکھے گا خود اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے گا، جو لوگوں سے عفو و درگذر سے کام لے تو اللہ عز و جل بھی اس کو معاف کرے گا۔

---

(۱) مسلم: باب استحباب العفو، حدیث: ۲۵۸۸

۷- اور ایک چیز جو بندہ کو آمادۂ عفو و درگذر کرسکتی ہے وہ یہ ہے کہ: بندہ یہ جانے کہ اگر وہ اپنے دل کو انتقام اور بدلہ لینے کی آگ میں جائے رکھے گا تو اس میں اس کا وقت بھی ضائع ہوگا اور اس کا دل بھی اس میں مشغول ہوگا، اور یہ دردِ سری اس کے حق میں ان کے ظلم سے زیادہ پریشان کن ہوگی، اگر معاف کردے اور درگذر سے کام لے تو اس کا دل بھی فارغ ہوجائے اور وقت کا ضیاع بھی نہ ہوگا۔

۸- حضور ﷺ نے اپنی ذات کیلئے کبھی بدلہ نہیں لیا، حالانکہ آپ کو تکلیف دینا یہ براہِ راست اللہ عز وجل کو تکلیف دینا ہے، حالانکہ حضور ﷺ کی ذات سب سے زیادہ باعزت، برتر وبالا ذات ہے، جب آپ ﷺ نے اپنے لئے انتقام نہیں لیا تو ہماری ذات آپ کی ذات کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے کہ اس کیلئے انتقام لیا جائے۔

۹- جب اس کو اللہ کی راہ میں تکلیف دی جارہی تو اس پر صبر وضبط سے کام لینا ہی چاہئے، چونکہ جس کا نقصان اللہ کی راہ میں ہورہا ہے اس کا بدل بھی اللہ ہی عنایت کرے گا۔

۱۰- بندہ اللہ کی معیت اور ساتھ ہونے کا تصور رکھے، اور صبر پر اس کی محبت کا گمان رکھے، اللہ عز وجل کا ارشادِ گرامی ہے کہ : ”وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ“ اور اللہ عز وجل کا یہ بھی ارشاد ہے کہ : ”وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ“

۱۱- اور یہ گمان کرے کہ صبر یہ نصفِ ایمان ہے اور صبر کرنے پر اس کا نصفِ ایمان محفوظ و مامون ہوجائے گا۔

۱۲- اور یہ تصور کرے کہ اس کا صبر کرنا یہ اس کے نفس پر غلبہ پانے اور اس کو مغلوب کرنے کی تدبیر ہے، اور جب اس طرح نفس اس کے قابو میں آجائیگا تو اس کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہا جاسکے گا۔

۱۳- اسے یہ علم ہونا چاہئے کہ اگر وہ صبر وضبط سے کام لے تو اللہ عز وجل اس کا ناصر و مددگار ہوگا، چونکہ اللہ عز وجل اس کا مددگار ہوتا ہے جو صبر سے کام لیتا ہے، اور جو اپنی ذات کیلئے انتقام لے گا تو اللہ عز وجل اس کو اس کے نفس کے حوالے کردیں گے اور خود اس کو

اپنی مدد کرنی ہوگی، جو اللہ عزوجل کی عظیم ذات کی مدد چھوڑ کر اپنی حقیر ذات کی مدد کا متمنی ہوگا اس سے بڑھ کر کمزور کون ہوسکتا ہے۔

۱۴- اگر یہ اس کے مقابل جو اس پر ظلم وستم کرتا ہے صبر وضبط سے کام لے گا تو اس کا مدِّ مقابل اس پر ظلم سے باز آجائے گا، اور یہ سلوک ورویہ اس کی ندامت وشرمندگی کا باعث ہوگا اور وہ مارے شرمندگی اور حیاء کے اپنے ظلم وستم سے باز آجائے گا، بلکہ اس کا دوست اور ناصر ومددگار بن جائے گا، اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے ""اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ، فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ، وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ " (۱) آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔

۱۵- بسا اوقات صبر وضبط سے کام لینے کے انتقام اور بدلہ یہ مزید بگاڑ اور فساد کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس کا مدمقابل اور زیادہ زور میں آسکتا ہے اور یہ آپس کی انتقام کی آگ بھڑکتے بھڑکتے بہت بھیانک رخ اختیار کر سکتی ہے اور اس کی زد میں بہت ساری جانیں اور مال جائیداد وغیرہ بھی آسکتے ہیں۔

۱۶- جو شخص انتقام کا عادی ہوتا ہے،، اور صبر وضبط سے کام نہیں لیتا تو اس کا ظلم وزیادتی میں واقع ہونا یقینی ہے، چونکہ دل انتقام میں برابری پر راضی نہیں ہوتا، اور جذبۂ انتقام میں آدمی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اور اس کو اپنے کیے پر اور اس کے انجام کی کوئی پروا نہیں ہوتی، اب وہ جذبہ انتقام میں اس قدر حد سے تجاوز کر جاتا ہے کہ ابھی وہ مظلوم تھا ظالموں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

---

(۱) فصلت: ۳۵

۱۷- اور جو اس پر جو ظلم ہوتا ہے، یا تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے یا اس کے رفعِ درجات کا سبب بنتا ہے، جب وہ انتقام لیتا ہے اور صبر سے کام نہیں لیتا تو یہ گناہوں کے کفارہ اور رفع درجات کا موقع ہاتھ سے چلا جاتا ہے۔

۱۸- اس کے اپنے مدمقابل اور فریق کو معاف کرنا یہ اس کیلئے اپنے فریق کے مقابل بڑی کامیابی ہوگی، چونکہ جو شخص صبر وضبط سے کام لیتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا فریق ذلت، خوف وڈر محسوس کرتا ہے، اور اگر یہ اپنے دشمن پر خاموش بھی رہے تو لوگوں کی ہمدردی اس کے دشمن کے مقابل اس کے ساتھ ہی رہے گی، اگر یہ انتقام لے گا تو پھر لوگوں کی اس کے ساتھ ہمدردی ختم ہو جائے گی۔

۱۹- اگر وہ اپنے دشمن کو معاف کر دے گا، اس کے مدمقابل اس کو اپنے سے برتر گمان کرے گا، اور معاف کرنے کو کامیابی گمان کرے گا، اور معاف کرنے سے اس کو اپنے مدمقابل کے خلاف کامیابی اور فتح وکامرانی مل جائے یہی تو کافی ووافی ہے۔

۲۰- جب یہ معافی تلافی سے کام لے گا تو ایک نیکی ہوگی اور نیکی نیکی کو جنم دے گی اور نیکیوں کا سلسلہ آگے چلتا رہے گا۔

صبر وشکر دونوں جنت میں داخلے کی وجہ بنتے ہیں

صابر وشاکر دونوں جنت کے مستحق ہوتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسی پر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ” عجبًا لأمر المؤمن انّ أمره كلّه خير وليس ذلك أحد الّا لمؤمن ان اصابته سرّاء فشكر فهو خير له وان اصابته ضرّاء فصبر وهو خير له “ (۱) مومن کا معاملہ بڑا ہی تعجب خیز ہے اور یہ بات صرف مومن ہی کے ساتھ خاص ہے کہ اگر اسے خوشی پہنچتی ہے اور وہ اس پر شکر کرتا ہے تو وہ بھی اس کے حق میں خیر اور بھلائی کا سبب بنتا ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو بھی اس کے حق میں خیر اور بھلائی کی وجہ بنتا ہے۔

---

(۱) مسلم: باب المؤمن أمره كلّه خير، حديث: ۲۹۹۹

شکر گذار شوہر اور صابر بیوی کا یہ واقعہ بھی میاں بیوی کی اچھی معاشرت اور ان کے آپسی تعلقات کو سنوارنے میں بڑا کردار ادا کر سکتا ہے۔

☆ حضرت عمران بن حطانؒ ایک دن اپنی بیوی کے پاس آئے، عمرانؒ بوڑھے، سپاٹ شکل، پست قد شخص تھے، ان کی بیوی نے آرائش وزیبائش کیا ہوا تھا، وہ نہایت خوبصورت تھیں، جب عمرانؒ کی نظر اپنی بیوی پر پڑی تو وہ اس کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے اسے مسلسل دیکھتے رہے، بیوی نے کہا: ہم دونوں جنت کے مستحق ہیں، تو میں نے کہا: تمہیں اس کا پتہ کیسے چلا؟ اس نے کہا: چونکہ تمہیں مجھ جیسی حسین عورت ملی ہے تو تم شکر کرتے ہو، اور میں تم جیسے شوہر سے آزمائش میں مبتلا کی گئی تو میں اس پر صبر کرتی ہوں اور صابر وشاکر دونوں جنت کے مستحق ہوتے ہیں" لانّك اعطيت مثلي فشكرت وابتليت بمثلك فصبرت والصابر والشاكر في الجنة " (۱)

☆ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، جب اس کے پاس گیا تو وہ چیچک زدہ تھی، تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھ کی کسی بیماری کا اظہار کیا اور کہا کہ میری آنکھیں اندھی ہوگئیں ہیں پھر وہ عورت بیس سال ان کے ساتھ رہنے کے بعد انتقال کر گئی اور اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ اس کی اس کمی پر صبر کر رہے تھے، ان سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں اس کو اس کی اس بیماری دیکھنے پر غم زدہ کرنا نہیں چاہتا تھا، " كرهت أن يحزنها رؤيتي لما بها " (۲)

☆ محمد بن نعیم الفضیؒ کہتے ہیں: میں نے اپنی ماں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابو عثمانؒ کی بیوی مریم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میری ایک دفعہ ابو عثمانؒ سے تنہائی ہوئی، میں نے موقع کو غنیمت جانا، میں نے پوچھا: ابو عثمان! تمہارا کونسا عمل تمہارے یہاں لائق امید نجات ہے، تو انہوں نے کہا: اے مریم! جب میں جوان ہوا تو میں اس وقت مقام "رَیّ" میں تھا، وہاں کے

---

(۱) تاریخ دمشق، ذکر من اسمه عمران: ۴۹۱/۴۳، دار الفکر، بیروت

(۲) مدارج السالکین: فصل "من منازل ایاك نعبد وایاك نستعین: ۳۴۲/۲، دار الکتاب العربی، بیروت"

باشندے مجھ سے شادی کا مطالبہ کر رہے تھے اور میں منع کر رہا تھا، میرے پاس ایک عورت آئی، اس نے کہا: اے ابوعثمان! میں تم سے ایسی محبت کرتی ہوں کہ جس کی وجہ سے میری نیند اور میرا قرار جاتا رہا ہے، میں دلوں کے پھیرنے والے اور اس کے واسطہ سے تم سے سوال کرتی ہوں کہ تم مجھ سے نکاح کر لو، میں نے کہا: کیا تیرے والد محترم ہیں، اس نے کہا: ہاں ہیں فلاں درزی، فلاں جگہ رہتے ہیں، میں نے اس کے باپ کو پیغام بھیجا کہ اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دیں، وہ اس سے بے انتہا خوش ہو گیا، لڑکی نے گواہ لے آئے، میں نے اس سے نکاح کیا، جب میں اس کے پاس گیا تو تو دیکھا کہ وہ اندھی اور بدصورت ہے، "فلمّا دخلتُ بها وجدتّها عوراء مشوّهة الخلق" میں نے کہا: اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے اس پر جو تو نے اس کو میرے مقدر فرمایا، میرے گھر والے مجھے لعنت ملامت کرنے لگے، میں اس کی بے انتہا تکریم اور تعظیم کرتا، چنانچہ وہ مجھے اپنے پاس سے جانے بھی نہیں دے رہی تھی، میں نے اس کی رضا اور خوش نودی کیلئے مجلس میں حاضر ہونا بھی چھوڑ دیا، میں اس کے ساتھ اس طرح پندرہ سال رہا، مجھے بسا اوقات ایسے لگتا کہ میں انگاروں پر ہوں، میں اس بے چینی کا اظہار اس سے بالکل نہیں کرتا، یہاں تک وہ اس دنیا سے چل بسی، میرے پاس اس سے زیادہ امید افزا عمل کوئی نہیں ہے۔ (۱)

شکر کے فائدے

لغت میں شکر کے معنی ہیں کھولنا، ظاہر کرنا، جب کوئی شخص ہنسی کے وقت اپنے دانتوں کو ظاہر کر دے تو عربی میں کہتے ہیں شکر وکشر، پس نعمتوں کا تذکرہ اور ان کو مشہور کرنا، پھیلانا اور زبان سے ان کا شمار کرنا ظاہری شکر ہے اور باطنی شکر یہ ہے کہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر منعم حقیقی کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ (۲)

شکر کرنے کے بڑے فائدے ہیں: ایک تو یہ کہ وہ نعمت باقی رہتی ہے جس کا شکر ادا کیا جائے

---

(۱) تاریخ بغداد: ذکر من اسمه سعید: ۹/۱۰۱، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) عوارف المعارف: ۲۶۰، اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۱۳۹

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ زیادہ نعمت عطا فرماتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ” لئن شکرتم لأزیدنّکم “ تیسرے: شکر ادا کرنے والے سزا سے محفوظ رہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ” مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ “ (یعنی اگر تم شکر کرو، اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ (۱)

سب سے زیادہ صبر کرنے والی ذاتِ خداوندی ہے

دنیا میں انسانوں کی اکثریت اللہ کی نافرمان ہے، فسق وفجور میں مبتلا ہے، شرک اور کفر ہو رہا ہے؛ یہاں تک کہ اللہ کے وجود تک کا انکار کیا جا رہا ہے، اللہ عزوجل کے پیمانۂ صبر کو دیکھئے پھر بھی ہر شخص کو رزق عنایت فرما رہے ہیں؛ بلکہ بعضے نافرمان کو فرمانبردار کے مقابل زیادہ رزق اور وسعت وکشادگی دے رکھی ہے، کیا اللہ عزوجل سے بھی زیادہ کوئی صبر کرنے والا ہے، اسی کو حدیث میں یوں فرمایا گیا: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کائنات میں کوئی بھی ذات دوسرے سے پہنچنے والی تکلیف پر اتنا صبر کرنے والی نہیں، جتنی اللہ جل شانہ کی ذات صبر کرنے والی ہے، وہ اللہ کیلئے لڑکا تک ٹھہراتے ہیں پھر بھی وہ ان کو معاف کر دیتا ہے ”ما أحد أصبر علی أذی سمعه من الله یدعون له الولد ثمّ یعافیهم ویرزقهم“ (۲)

مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹا مانتے ہیں جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) بعض یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا، بعض مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا، بہت سے لوگوں نے پتھروں کو، درختوں کو؛ یہاں تک کہ جانوروں کو گائے، بیل کو، سانپ، بچھو کو خدا ماننا شروع کر دیا، اللہ عزوجل کے ساتھ شرک وکفر اور اس کی حکم عدولی اور نافرمانی کے باوجود اللہ عزوجل سب برداشت کر رہے ہیں۔

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب : ۱۳۳

(۲) بخاری: کتاب التوحید، باب قول الله تعالی: انّ هو الرزاق ذو القوّة المتین: حدیث: ۶۹۴۳

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تخلّقوا باخلاق اللّٰه"(۱) اللہ کے اخلاق کو اختیار کرو۔

مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے اخلاق حاصل کرنے اور ان کو اپنانے کی کوشش کرو، گرچہ سو فیصد تو حاصل نہیں ہو سکتے؛ (اور نہ ہر صفت کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے)؛ لیکن اس بات کی کوشش کرو کہ وہ اخلاق تمہارے بھی اندر آ جائیں۔

نرمی سے مسئلہ حل ہوتا ہے

مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی ناگوار بات کے سننے یا کسی ناگوار واقعہ کے پیش آنے پر فوراً جذبات کی رَو میں بہہ کر اس کا ردِ عمل ظاہر نہ کر دیں؛ بلکہ نرمی سے کام لیں، وقتیہ جذبات بڑے نقصان کے باعث ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں نرمی ہوتی ہے تو وہ اسے رونق و زینت بخشتی ہے، اور جس چیز سے نرمی نکل جاتی ہے تو اس کو عیب دار کر دیتی ہے " انّ الرفق لا یکون فی شیئ الّا زانه ولا ینزع من الّا شانه " (۲)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، کچھ یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو انہوں نے سلام کیا، اور شرارتاً سلام کے لام کو حذف کر کے ان لوگوں نے کہا: "السام علیکم" یعنی (تمہاری موت واقع ہو) (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا: " وعلیکم ولعنکم اللّٰه " تم پر ہی موت واقع ہو اور تم پر اللہ کی لعنت و ملامت ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عائشہ! ٹھہرو، نرمی اختیار کرو، اللہ ہر چیز میں نرمی کو پسند کرتا ہے "مهلا یا عائشه! انّ اللّٰه یحبّ الرفق فی الأمور کلّها " (۳)

---

(۱) الفتاوی الحدیثیه: ۱/۶۸۹، دار المعرفة بیروت، البانی نے کہا ہے کہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۲) ترمذی: باب الفحش والمتفحش: حدیث: ۱۹۷۴، ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب الرفق فی الرفق الامر کله: حدیث: ۵۶۸۷

تمام چیزوں میں نرمی اختیار کرنے، چڑچڑاپن اور غصہ کو ترک کرنے کے حوالے سے جو کہ آپسی دشمنیوں اور بغض وکینہ اور تعلقات کے بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں، اس روایت سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا گذر حضرت ابوبکر ؓ کے پاس سے ہوا، وہ اپنے غلام کو لعن وطعن کررہے تھے، حضور ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "لعّانين وصدّيقين كلّا وربّ الكعبة" لعنت وملامت کرنے والا اور صدیق اکٹھے ہوجائیں ربِ کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا، اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے بعض غلاموں کو آزاد کردیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا: پھر ایسا دوبارہ نہیں ہوگا۔(۱)

غصہ پی جانے کی فضیلت

☆ غصہ بڑی خطرناک چیز ہے، یہ سارے بنے بنائے کاموں کو بگاڑ دیتا ہے، اس لئے غصہ کو پی جانے کی بے انتہا فضیلت آئی ہے "وما من جرعة اعظم من جرعة غيظ كظمها عندابتغاء وجه الله (۲)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی مختصر عمل کا حکم کیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لا تغضب" غصہ نہ کرنا، پھر اس نے یہی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "غصہ نہ کرنا" (۳)

---

(۱) شعب الايمان: فصل وممّا يجب حفظ اللسان منه الفجر، حديث: ٥١٥٤، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو مسلم، حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے: الترغيب والترهيب: الترغيب فی الحياء: حديث: ٤٢١١

(۲) الأدب المفرد: باب الغضب، حديث: ۱۳۱۸، علامہ منذری کہتے ہیں کہ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے قابل احتجاج رجال ہیں: الترغيب: كتاب الادب وغيره، حديث: ٤١٦٨

(۳) بخاری: باب الحذر من الغضب، حديث: ٥٧٦٥

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طاقتور وہ نہیں ہے جو (اپنے مقابل کو) پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے "انّما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب" (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص غصہ کو پی جائے جب کہ اس میں غصہ کے تقاضے کو پورا کرنے کی طاقت بھی ہو (لیکن اس کے باوجود جس پر غصہ ہے اس کو سزا نہ دے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو ساری مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ جنت کے حوروں میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے پسند کرلے "حتی یخیّرہ من أیّ الحور شاء" (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی زبان کو روکے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو چھپاتے ہیں، جو شخص اپنے غصہ کو روکتا ہے (اور پی جاتا ہے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکیں گے "ومن کفّ غضبه کفّ اللّٰه عنه عذابه یوم القیامة" اور جو شخص (اپنے گناہوں پر نادم ہو کر) اللہ سے معذرت کرتا ہے یعنی معافی چاہتا ہے، اللہ اس کے عذر کو قبول فرمالیتے ہیں۔ (۳)

ایک راہب نے شیطان سے پوچھا: ابن آدم کی کونسی حالت تمہارے لئے معین ومددگار ہوتی ہے؟ تو اس نے کہا: جب آدمی تیزی اور غصہ کی حالت میں ہوتا ہے جب وہ اس حالت میں ہوتا ہے ہم اسے ایسے الٹتے پلٹتے ہیں اور اس سے ایسے کھیلتے ہیں جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں "انّ الرجل اذا کان حدیداً قلبّناہ کما یقلّب الصبیان الکرة" (۴)

---

(۱) بخاری: باب الحذر من الغضب، حدیث: ٦١١٤

(۲) ترمذی: باب فی کظم الغیظ، حدیث: ۲۰۲۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الصمت وحفظ اللسان، حدیث: ۱۸۱۴۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلیٰ نے راویت کیا ہے اور اس میں ربیع بن سلیمان الازدی ضعیف ہیں۔

(۴) احیاء العلوم: ۲۲۳/۳

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ تم غصہ کے وقت سزا نہ دینا، چنانچہ جب تمہیں کسی مجرم پر غصہ آئے تو اس کو قید کر دو جب تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس کو اس کے گناہ کی سزا بقدر جرم دو" فعاقبه على قدر ذنبه " (۱)

علی بن زید کہتے ہیں کہ: ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو سخت بات کہی، تو انہوں نے بہت دیر تک اپنا سر نیچے جھکائے رکھا، پھر فرمایا: شیطان نے سلطان کی شان واعزاز کے احساس سے مجھے اچک لینا چاہا تھا "أردت أن يستفزّني الشيطان بعزّ السلطان " (۲)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا گیا: حسن اخلاق کو مجھے صرف ایک لفظ میں سمجھا دیجئے تو فرمایا: "اترك الغضب" غصہ کو چھوڑ دو، کسی نبی نے اپنے متبعین سے کہا: کون مجھ سے یہ ذمہ لیتا ہے کہ وہ غصہ نہ کرے گا تو وہ میرے ساتھ میرے درجہ اور مقام پر ہوگا، اور میرے بعد میرا خلیفہ بنے گا؟ قوم کے ایک نوجوان نے کہا: میں، پھر انہوں نے یہ بات دوبارہ کہی تو نوجوان نے کہا: میں اس عہد کو پورا کروں گا، جب اس نبی کا انتقال ہو گیا تو وہ نوجوان ان کے رتبہ اور مرتبہ کو پہنچ گیا اور یہی ذوالکفل ہیں، ان کا ذوالکفل نام اس لئے پڑا کہ انہوں نے غصہ میں نہ آنے کی ضمانت دی تھی "لانه تكفّل بالغضب " (۳)

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا: نہ تو تم عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو، نہ ہی تم بہت زیادہ دیتے ہو، اس پر حضرت عمرؓ بہت غضبناک ہو گئے اور آپ کے غصہ کا اثر آپ کے چہرے پر نظر آنے لگا، آپ سے ایک آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کو نہیں سنا "خُذِ الْعَفْوَ وأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ " (۴) حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے: "خُذِ الْعَفْوَ واْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ" اور اس آیت پر غور وفکر کرنے لگے۔

---

(۱) احیاء العلوم: ۳/۲۲۳

(۲) شعب الایمان: فصل فی ترك الغضب وفی کظم الغیظ، حدیث: ۸۳۲۴

(۳) احیاء علوم الدین: بیان حقیقة الغضب: ۳/۱۶۶

(۴) الاعراف: ۱۹۹

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو جب گالی دی گئی تو فرمایا: اگر میرا میزانِ عمل ہلکا رہ گیا تو میں اس سے بدتر ہوں جو تم کہہ رہے ہو اور اگر میرا میزانِ عمل بھاری ہو گیا تو یہ کہنا میرے لئے کچھ نقصاندہ نہیں، ”وان ثقلت موازینی لم یضرّ بی ما تقول“ (۱)

جس جگہ غصہ آنا چاہیے وہاں پر غصہ نہ آنا یہ حمیت اور غیرت کے خلاف ہے، لہٰذا جو غصہ کے مواقع ہیں وہاں پر غصہ آنا چاہیے، اسی کو حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ”من استغضب فلم یغضب فھو حمار“ جس شخص کو غصہ دلایا جائے پھر وہ غصہ میں نہ آئے تو وہ گدھا ہے۔ (۲)

اللہ عزوجل نے نبیٔ پاک ﷺ کے اصحاب کی شدت حمیت کی صفت یوں بیان کی ہے ”اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ“ (۳)

حضور ﷺ نے فرمایا تھا: اے اللہ! میں انسان ہوں جیسے انسانوں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آتا ہے جس مسلمان کو بھی میں نے اگر گالی دی ہو یا لعن طعن کیا ہو، یا مارا ہو تو اس کو میری جانب سے اس کیلئے نماز، زکوۃ، اور عبادت بنادے، جو روزِ قیامت تیرے قرب کا ذریعہ ہے ”فاجعلها منّی صلاۃً وزکاۃً وقربۃً تقرّبه بها الیك یوم القیٰمة“ (۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے، نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ ﷺ کے رضا اور خوشی اور غصہ کے ہر دو احوال کی گفتگو کو لکھ لیتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: لکھو اللہ کی قسم! جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، مجھ سے حق بات ہی صادر ہوتی ہے ”ما یخرج منه الاّ حق“ (۵)

(۱-۲) احیاء علوم الدین: ۳/۲۳۲

(۳) الفتح: ۲۹

(۴) مسلم: باب من لعنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۶۰۱

(۵) ابوداؤد: باب فی کتاب العلم، حدیث: ۳۶۴۶، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے: المغنی عن حمل الاسفار: ۱/۶۳۸، مکتبة طبریة، الریاض

یہاں حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ: میں غصہ نہیں ہوتا، بلکہ غصہ کی وجہ سے راہِ حق سے ہٹ نہیں جاتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ دنیا کیلئے غصہ نہیں ہوتے، جب آپ ﷺ کو حق بات پر غصہ آجاتا تو آپ ﷺ کیلئے حق کیلئے کوئی جان پہچانی کا کوئی خیال نہیں ہوتا تھا اور کوئی چیز جب تک آپ ﷺ حق کی مدد اور نصرت نہ فرمالیتے آپ کا غصہ رکتا نہیں ہے، " ولم يقم لغضبه شيئ حتى ينصره " (۱)

غصہ کا علاج

☆ غصہ کو قابو میں کیا جاسکتا ہے، جن احادیث میں غصہ کو ختم کرنے میں معاون اور مددگار بتایا گیا ہے۔

۱۔ ایک تو یہی ہے کہ دل کو غصہ پی جانے کے ثواب کی تلقین کی جائے، پھر نفس کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا جائے اور بتایا جائے کہ اللہ تجھ پر زیادہ قادر ہے اتنا تو حریف پر قادر نہیں، اگر غصہ پر عمل کرے گا تو درندے کے مشابہ ہوجائے گا، پھر یہ کہ بردباری پر عمل کرے گا تو انبیاء علیہم السلام کے مانند ہوگا، اور غور کرے کہ میں غصہ اس لئے ہورہا ہوں کہ معاملہ مشیتِ الٰہی کے مطابق کیوں ہوا، میری مشیت کے مطابق کیوں نہ ہوا، اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ غصہ غضبِ الٰہی کا موجب ہے۔

اور سوچنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص مجھ سے آخرت میں بہتر ہوگا، بلکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے بہترین آدمیوں یا اولیاء اللہ میں سے ہی نہ ہو؟ کیونکہ کسی کی بدی اور نیکی پیشانی پر لکھی نہیں ہوتی، اگر یہ شخص اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو اس کے ستانے والے کو تو خدا تعالیٰ اعلان جنگ کرتا ہے، " من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب " تو گویا یہ شخص ضعیف ہے مگر یہ سب سے بڑے زبردست کی پناہ میں ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب صفته صلى الله عليه وسلم، حديث: ۱۴۰۲۵

۲۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھے، حضرت سلیمان بن صرد روایت کرتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی باہم گالی گلوچ کر رہے تھے، ان میں سے ایک کا منہ (مارے غصہ کے) لال ہوگیا اور رگیں پھول گئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسی بات جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اس بات کو کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے، اگر یہ "أعوذ باللّٰه من الشیطٰن" کہہ دے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے "لو قالها ذهب عنه ما یجد" (۱)

۳۔ اگر اس کے باوجود غصہ برقرار رہے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے جتنا زیادہ ہو سکے زمین سے قربت اختیار کرے تاکہ اپنے نفس کی ذلت اور خست کا احساس ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے، اگر بیٹھنے سے غصہ چلا جائے (تو ٹھیک ہے) ورنہ اس کو چاہئے کہ لیٹ جائے" اذا غضب أحدکم وهو قائم فلیجلس، فان ذهب عنه الغضب والاّ فلیضطجع" (۲)

رسول اللہ ﷺ نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتائی ہے جو نہایت ہی زیادہ کارگر ہوتی ہے، علاوہ اس کے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ سے جو بے جا حرکتیں اور لغویات سرزد ہوتی ہیں کسی جگہ جم کر بیٹھنے سے ان کا امکان کم ہو جاتا ہے اور پھر لیٹنے سے ان کا امکان کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب صفة إبلیس وجنوده، حدیث: ٣١٠٨

(۲) ابوداؤد: باب ما یقال عند الغضب، حدیث: ٤٧٨٢، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے مختصراً ذکر کیا ہے اور ابوالاسود کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ہے اور اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الغضب وثواب من لم یغضب، حدیث: ۱۲۹۹۵

(۳) معارف الحدیث: ۲۲۹/۲

۴- اگر اس کے باوجود بھی غصہ برقرار رہے تو ٹھنڈے پانی سے غسل یا وضو کرے کیونکہ آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: غصہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، چنانچہ جب تم میں کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ وضو کرے " فاذا غضب أحدكم فليتوضأ " (۱)

غصہ کو فرو کرنے کی خاص الخواص تدبیر اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہے، واقعہ یہ ہے کہ: غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آجائے اور اسی وقت اٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کرلیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہوجائے گا اور بالکل ایسا محسوس نہ ہوگا کہ وضو کا پانی براہِ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا"۔ (۲)

اس کے علاوہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت تکبر کی ضد ہے، اور شیطان کی تمام شیطانیت کا خلاصہ کبر ہے، تو جہاں عبادت ہو، وہاں شیطان کیسے ٹھہر سکتا ہے، اور وضو عبادت ہے اور عبادت تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہوتی ہے تو اس طرح شیطان سے دوری ہوگی۔ (۳)

۵- خاموشی اختیار کرنے سے بھی غصہ چلا جاتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کو غصہ آئے تو خاموشی اختیار کرو "اذا غضبت فليسكت" (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يقال عند الغضب، حدیث: ٤٧٨٤

(۲) معارف الحدیث: ۲/۳۱-۲۳۰

(۳) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۲۷

(۴) مجمع الزوائد: باب ما يقول ويفعل اذا غضب، حدیث: ۱۲۹۹۳، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور احمد کے رجال ثقہ ہیں، چونکہ لیث نے طاوس سے سماعت کی صراحت نہیں کی ہے۔

ظاہر ہے کہ خاموشی سے غصہ دل میں ہی گھٹ کر رہ جائے گا اور بات آگے نہ بڑھے گی۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ غصہ آیا تو انہوں نے پانی منگوا کر اس کو ناک میں ڈالا " فدعا بماء فاستنشق " اور فرمایا: غصہ شیطان کی جانب سے اور یہ عمل غصہ کو دور کرتا ہے۔ (۲)

۶- جہاں غصہ آیا ہے اس جگہ سے علاحدہ ہو جائے کیونکہ وہاں نہ وہ شخص موجود ہوگا جس پر غصہ آیا ہے، نہ وہ اسباب موجود ہوں گے جو غصہ کے باعث ہوئے تھے تو غصہ آپ ہی ٹھنڈا ہو جائے گا۔

حقوق ادا کرنے کی چیز ہے نہ کہ مانگنے کی

یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیشہ ہر انسان کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ تمہارا یہ فریضہ ہے، تمہارا یہ طریقہ کار ہونا چاہئے؛ لہٰذا جس کو تکلیف پہنچی ہے اس کو تو آپ ﷺ صبر کی تلقین فرما رہے ہیں، دوسری طرف حضور اکرم ﷺ تکلیف پہنچانے والے کو دوسرے انداز سے خطاب فرما رہے ہیں؛ تا کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جب حضور ﷺ جس کو تکلیف پہنچی ہے اسے صبر کی تلقین فرما رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے میں کوئی حرج نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے یقیناً اللہ کو تکلیف دی " من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ " (۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص

---

(۱) معارف الحدیث: ۲/ ۲۳۰

(۲) احیاء العلوم: بیان علاج الغضب بعد هیجانه: ۳/ ۱۷۴، دار المعرفة، بیروت

(۳) ترمذی: حدیث: ۳۸٦۲، اس کو امام ترمذی نے غریب کہا ہے۔

کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے یا اس کو دھوکہ دے وہ ملعون ہے " ملعون من ضارّ مؤمنا اومکر به " (۱)

اور ایک حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کو ستایا نہ کرو اور ان کو عار دلایا نہ کرو، اور ان کی لغزشوں کو تلاش نہ کیا کرو " لا توذوا المسلمین، ولا تعیّروهم ولا تطلبوا عثراتهم" (۲)

حضرت سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا: اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم پر ایسے لوگ حاکم ہوں جو ہم سے اپنا حق تو مانگتے ہوں اور ہمارے حقوق ادا نہ کرتے ہوں، تو آپ ﷺ ہمیں ان کے تعلق سے کیا حکم فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا، پھر دوسری اور تیسری دفعہ دریافت فرمایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسمعوا واطیعوا فانّما علیه ما حمّل وعلیکم ما حمّلتم" (۳) ان کی سنو اور ان کی اطاعت کرو، تمہارے ذمہ جو حقوق ہیں تم اسے پورا کرو اور ان کے ذمہ جو حقوق ہیں وہ اس کے جواب دہ ہوں گے۔

آپ ﷺ نے ان کو یہ تعلیم دی تھی کہ اپنے حقوق اور فرائض کو ادا کرتے رہنا، اور اگر تمہارے حقوق میں کچھ کوتاہی ہوئی تو اس کا صلہ مجھ سے روزِ محشر لے لینا، تفصیلی حدیث ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے جنگِ حنین کے موقع سے بعض نئے مسلمانوں کا دل رکھنے کیلئے مالِ غنیمت کا بیشتر حصہ انہیں عطا کیا تو منافقین نے انصار کو حضور ﷺ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی کہ جنگیں تم لڑو اور مالِ غنیمت انہیں حاصل ہو تو اس وقت حضور ﷺ نے بعض انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں اس بات کے بیٹھ جانے کے بعد فرمایا تھا: اے گروہِ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جائیں تو ان کے ساتھ تو گائے، بیل، بکریاں ہوں اور جب تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ تو تمہارے ساتھ "محمد" ہوں، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في الخیانة والغش، حدیث: ۱۹۴۱، اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲) ابن حبان: کتاب الحظر والاباحة، باب الغیبة، حدیث: ۵۷۶۳، اس کی سند پر بحث گذر چکی ہے۔

(۳) مسلم: باب فی طاعة الأمراء وان منعوا الحقوق، حدیث: ۸۴۹

فرمایا تھا: اے انصار! ابھی تو تمہارے ساتھ ناانصافی ہوئی اور مجھے تمہارے ساتھ محبت اور تعلق ہے وہ انشاء اللہ برقرار رہے گا؛ لیکن میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میرے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد تمہیں اس بات سے واسطہ پیش آئے گا کہ تمہارے مقابلہ میں دوسروں کو زیادہ ترجیح دی جائیگی، یعنی جو امراء اور حکام بعد میں آنے والے ہیں وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کریں گے، جتنا اچھا سلوک وہ مہاجرین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کریں گے، چنانچہ تم اس وقت صبر کرنا؛ یہاں تک کہ تم حوض کوثر پر مجھ سے ملو "قال: أنكم ستجدون أثرة شديدة فاصبروا حتى تلقوني على الحوض" (۱)

آپ ﷺ نے ان انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نہیں فرمایا کہ اپنے حقوق طلب کرنے کیلئے جھنڈا لے کر کھڑے ہو جانا اور علم بغاوت بلند کرنا؛ بلکہ یہ فرمایا کہ: اس وقت تم صبر کرنا؛ یہاں تک کہ تم حوضِ کوثر پر آکر ملو، چنانچہ انصار نے بھی حضور ﷺ کے اس حکم پر ایسے عمل کر دکھایا کہ تاریخ اسلام میں انصار کی طرف سے لڑائی اور جھگڑے آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔

آج دنیا کے اصول الگ ہو گئے، آج ہر شخص کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کیلئے جھنڈے لے کر کھڑا ہو جائے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئے، اس کے نتیجے میں وہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ میرے ذمہ کیا فرائض اور حقوق عائد ہوتے ہیں؟ مجھ سے کیا مطالبات ہیں؟ مزدور یہ نعرہ لگا رہا ہے کہ میرے حقوق مجھے ملنے چاہئے آجر یہ کہتا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئے؛ لیکن نہ مزدور کو اپنے حقوق کی پرواہ ہے اور نہ آجر کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے، آج مزدور کو یہ حدیث تو خوب یاد ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینہ کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو؛ لیکن اس کو اس کی فکر نہیں کہ جو کام اس نے کیا ہے، اس میں پسینہ نکلا بھی ہے کہ نہیں؟ دفتر کے کام کرنے والے ملازم کو اس کی تو فکر ہے کہ میری تنخواہ بڑھنی چاہئے، مجھے ترقی ملنی چاہئے؛ لیکن کیا اس نے یہ بھی سوچا ہے کہ دفتر کے اندر جو فرائض میرے ذمہ ہیں وہ فرائض ٹھیک سے ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ حضور ﷺ نے ہر شخص کو

---

(۱) بخاری: باب غزوة الطائف: حدیث: ٤٠٧٢

اس کے فرائض سے باخبر فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ فریضہ ہے؛ لہٰذا تم اس فریضہ کو ادا کرو، صرف یہی ایک طریقہ ہے جو معاشرے کو اصلاح کی طرف لاسکتا ہے۔

آج جب کوئی اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرا شخص اپنی اصلاح کا آغاز کرے، اپنی فکر نہیں کہ میرے اندر کوئی کوتاہی ہے، میں بھی غلطی میں ہوں، قرآن تو کہتا ہے کہ اپنی فکر کرو، دوسروں کی غلطی نقصاندہ نہیں ہوگی "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" (۱) اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، دوسروں کی گمراہی اگر تم راہِ حق پر ہو تو وہ تمہارے لئے نقصاندہ نہیں ہوگی۔

یعنی اپنے مطالبات کو بجالاؤ، دوسرا شخص اگر گمراہی میں مبتلا ہے، اپنے فرائض ادا نہیں کررہا ہے تو اس کا نقصان تمہارے اوپر نہیں۔

سوچنا چاہئے کہ ایک اندھا دوسرے اندھے کو راستہ نہیں دکھا سکتا تو ایک محتاجِ مخلوق دوسری مخلوق کو کیا دے سکتی ہے، جس انسان کے ہاتھ میں اپنا مقدر، اپنا دل، اپنی عزت وذلت اپنی کامیابی ناکامی نہ ہو، وہ دوسرے انسان کا کیا بھلا کرسکتا ہے، دینے والی ذات تو صرف وہ ہے جن کے قبضہ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں، "لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (۲) اور پھر ساٹھ ستر سال کی دنیوی زندگی میں ملا تو کتنی دیر کیلئے ملا اور پھر جس دنیا میں کسی چیز کو ٹھراؤ نہیں، زندگی، صحت، جوانی، مال ودولت کبھی کسی کے پاس ہمیشہ نہ رہے ہیں نہ رہیں گے، اس حقیر اور فانی دنیا میں ملنا بھی ملنا کیا ہے جسے چھوڑ کر جانا ہے تو اصل باقی، لامتناہی بہترین آخرت میں ملنا ہے۔

حضرت ابن سماکؒ سے ہارون رشید نے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے یہ آیت پڑھی، وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ، الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ، وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (۳) بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، جن کا یہ حال ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری

---

(۱) المائدۃ: ۱۰۵ (۲) الشوریٰ: ۱۲ (۳) المطففین: ۱-۳

لیتے ہیں اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ ناپ تول میں کمی، حقوق کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے سے پورا حق وصول کرنے کی تو فکر کرے مگر پورا حق دینے کا جذبہ نہیں ہوتا)۔

اے ہارون! یہ وعید اس کیلئے ہے جو دینے میں کمی کر دے، اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے، جس نے دوسروں کا پورا ہی حق کھا لیا " هذا وعيد لمن طفّف في الكيل فما ظنّك بمن أخذ كلّه " (۱)

معاف کر دیجئے!

اسلامی شریعت کا ایک اصول جس سے تعلقات کو پائیدار رکھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ آپسی رہن سہن میں کوئی بات یا کبھی کوئی معاملہ ایسا درپیش ہو جائے جو طبیعت کے خلاف ہو، غصہ میں آمادہ کرنے والا ہو تو ایسے موقع سے عفو و درگذر سے کام لے، جھگڑے اور بات کو بڑھائے نہیں؛ بلکہ معافی تلافی کے اصول کو اختیار کرے، اللہ عز و جل نے جاہل و ناداں شخص کی کسی بات سے برانگیختہ ہونے سے گریز کرنے اور اس کی باتوں میں الجھنے کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ: ایسے شخص سے درگذر اور معافی تلافی کا معاملہ کر لیجئے، اور اس کی جہالت و نادانی سے اعراض کیجئے: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (۲)
عفو و درگذر کو اختیار کیجئے، بھلائی کا حکم کیجئے، جاہلوں سے دوری اختیار کیجئے۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی عفو و درگذر کرنے اور غصہ کو پی جانے؛ بلکہ آگے بڑھ کر ان کے ساتھ نیکی اور اچھا معاملہ کرنے والوں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، صرف غصہ کو پی جانا بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کر دیتے ہیں اور نہ صرف معاف کرتے ہیں؛ بلکہ احسان اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعٰفِيْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۳) اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے

---

(۱) أقباس روحانية، محمود شيت خطاط: ۱۱۰، دار وحي القلم، لبنان
(۲) الاعراف: ۱۹۹ (۳) ال عمران: ۱۳۴

درگذر کرنے والے (بلکہ ایثار کا مظاہرہ کر کے احسان کا معاملہ کرنے والے) اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں غصہ پی جانے اور لوگوں کی باتوں اور ان کے برے سلوک سے درگذر کرنے والوں کی تعریف یوں کی گئی ہے، اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر اللہ کے یہاں کوئی گھونٹ نہیں ہے جسے بندہ پی جاتا ہے، اس گھونٹ کو محض اللہ عزوجل کیلئے پیتا ہے، تو اللہ عزوجل اس کے سینے کو ایمان سے معمور فرمادیتے ہیں "وما کظمها عبد الله الّا ملأ جوفه ایمانًا" (۱)

اور ایک روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ: "جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے منازل بلند ہوں، اس کے درجات اونچے ہوں تو وہ ظلم کرنے والے سے عفو درگذر کا معاملہ کرے اور محروم کو عطا کرے اور تعلقات توڑنے والے سے تعلقات جوڑے " فليعف عمّن ظلم، ويعط من حرم، ويصل من قطعه " (۲)

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ: جب امتیں روزِ قیامت اللہ عزوجل کے سامنے لائی جائیں گی تو یہ آواز دی جائے گی کہ: وہ لوگ کھڑے ہوں جن کا اللہ پر اجر ہے، چنانچہ اس آواز پر صرف دنیا میں دوسروں کو معاف کرنے والے لوگ ہی اٹھیں گے، اسی کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے " خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ " (۳) معافی کو اختیار کیجئے، بھلائی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اپنے خادم اور غلام کی غلطیاں کس حد تک ہمیں معاف کرنا چاہیے، اس نے دو مرتبہ پوچھا، آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی، پھر جب اس نے

---

(۱) مسند احمد: مسند عبد الله بن عباس، حديث: ۳۰۱۷، موسسة قرطبة، القاهرة ابن کثیر کہتے ہیں کہ: امام احمد نے اس کو تنہا روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے اور اس میں کوئی مجروح شخص نہیں ہے: تفسير ابن كثير: سورة ال عمران: ۱/۴۹۸، دار الفكر، بيروت

(۲) مستدرك: تفسير سورة ال عمران: حديث: ۳۱۶۱، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور اس میں انقطاع ہے، الترغيب في الامر بالمعروف: ۳۷۱۷

(۳) الأعراف: ۱۹۹، احياء العلوم: ۳/۲۰۷، مكتبة رشيدية، كوئٹه، باكستان

تیسری دفعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ "اعفوا عنه كلّ يوم سبعين مرّة" (۱)

جب ستر مرتبہ نوکر کو ایک دن میں معاف کرنا ہے تو ساس، بہو، شوہر، بیوی، ماں باپ کو دن میں کتنی مرتبہ معاف کرنا چاہیے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عجلان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ کیا وہ ابو ضحضم کی طرح ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے ایک شخص تھا، اس نے کہا تھا "عرضي لمن شتمني" "میری عزت اس کیلئے ہے جو مجھے برا بھلا کہے۔ (۲)

ایک روایت میں ہے ہر روز وہ یوں کہا کرتے تھے "اللّٰهم اني اتصدق اليوم بعرضي على من ظلمني" "میں آج اپنی عزت کو اُسے صدقہ کیے دیتا ہوں جو مجھ پر ظلم کرے۔ (۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیسے چوری ہو گئے تو لوگوں نے چور کو بددعا دینی شروع کر دی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! اگر اس نے کسی ضرورت کی وجہ سے چوری کیا ہے تو اس کے مال میں برکت دے اور اگر گناہ کی جرأت نے اُسے مجبور کیا ہے تو اس چوری کو اس کا آخری گناہ بنا دے۔ (۴)

حضورِ اکرم ﷺ کا اپنے سخت دشمنوں کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ

عفو و درگذر، تحمل و بردباری، کشادہ قلبی اور قوتِ برداشت میں جو آپ ﷺ کا مقام تھا وہاں تک شعراء کے خیال اور تصور کی بھی رسائی ناممکن ہے، اگر ان واقعات کو اس مخصوص طریقہ (سے) بیان نہیں کیا گیا ہوتا جو شک و شبہ سے بالاتر ہے تو لوگوں کے ذہن آج اس کو قبول نہ کرتے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب في حق المملوك، حديث: ٥١٦٤ منذری کہتے ہیں کہ: اس کو امام ترمذی نے حسن غریب کہا ہے، بعض نسخوں میں حسن صحیح ہے اور اسے ابویعلیٰ نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے: الترغيب والترهيب: الترهيب من تولي: حديث: ٣٤٥٨

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في الرجل يحلل، حديث: ٤٨٨٧ ابوداؤد کہتے ہیں: حماد کی حدیث اصح ہے۔

(۳) شعب الايمان: فصل في التجاوز والعفو، حديث: ٨٠٨٢

(۴) احياء العلوم: ٢٤٧/٣، مكتبه رشيديه، كوئٹه

☆ آپ ﷺ کی نوازش وکرم اور بڑے بڑے دشمنوں کے ساتھ دلداری اور احسان کا ایک نمونہ وہ تھا جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول جو مدینہ میں آپ ﷺ کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننے میں ہردم پیش پیش رہا کرتا تھا؛ بلکہ وہ وہاں کی ہر سازش کا سب سے بڑا منصوبہ ساز تھا، اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کیلئے کسی طرح کا دقیقہ فروگذاشت ہونے نہیں دیتا تھا، مسجد نبوی کے بالمقابل مسجدِ ضرار بنانے والا، مہاجرین کو ذلیل کہہ کر انہیں مدینۂ پاک سے نکالنے کا پروپیگنڈہ کرنے والا تھا، آپ ﷺ کی رِدائے رحمت اور دامنِ عفو وکرم کی وسعت اور کشادگی دیکھئے کہ اس عظیم دشمن کو جس نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ آپ ﷺ کی چہیتی بیوی پر غلط تہمت لگائی، ایک مہینہ تک مدینہ شہر میں اس منافقوں کے سردار کی افواہوں کا بازار گرم رہا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں اپنے میکہ میں روتی پڑی رہی، رسول اللہ ﷺ کی حساس، نازک طبیعت پر کتنا بار رہا ہوگا؛ لیکن آپ ﷺ نے اس کا نام نہ اپنے خطبوں میں لیا اور نہ اپنی نجی محفلوں میں، جب اس کی موت کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دامن پکڑا اور کہا: یہ تو وہ ہے جس کے بارے میں اللہ نے یہ فرمایا کہ: اگر ستر مرتبہ بھی اس کیلئے استغفار کروگے تو اس کی معافی نہیں ہوگی، نبیٔ رحمت ﷺ نے فرمایا: اگر اکہترویں مرتبہ استغفار کرنے سے اس کی معافی ہوسکتی ہے تو میں وہ بھی کرنے کیلئے تیار ہوں اور اس کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کو نکالنے کو کہا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اپنا لعابِ دہن اس پر ڈالا اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی ”فوضعه علٰی رکبتیه، نفث فیه من ریقه، وألبسه قمیصه“ (۱)

☆ ایسے ہی ابوسفیان جو بعثت سے لے کر فتح مکہ تک آپ ﷺ اور اسلام کی راہ کے بہت بڑے روڑے بنے رہے اور کافروں کی طرف سے کئی جنگوں کی قیادت کی، آپ ﷺ نے نہ صرف ان کو معاف کیا؛ بلکہ ان کے گھر کو فتح مکہ کے موقع سے دارالامن قرار دے کر

---

(۱) بخاری: باب هل یخرج المیت من القبر: حدیث: ۱۲۵۸

نہ صرف ان کو بلکہ ان کے گھر میں پناہ لینے والوں کیلئے بھی پروانۂ عفو جاری کر دیا "من دخل دار ابی سفیان فھو آمن" (۱)

☆ اور آپ ﷺ نے تمام قریش مکہ کو جنہوں نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے قیام مکہ کے دوران طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تھیں، آپ ﷺ نے ان سے بھی فرمایا: اے قریش! تمہیں کیا توقع ہے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا، تو انہوں نے کہا: "خیراً، أخ کریمٌ وابن کریم" اچھی امیدیں رکھتے ہیں، آپ ﷺ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" (۲) آج تم سے کوئی دارو گیر نہ ہوگی، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

☆ یہ سب کچھ تو آپ ﷺ کا ذاتی معاملہ تھا، بیٹی کا معاملہ تو نازک اور دردمند باپ کیلئے بہت زیادہ تکلیف دہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ حضرت زینب ؓ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کر کے، کافروں کے ڈالے ہوئے کوڑا کرکٹ اور گندگیوں کی صفائی کرتی تھیں، ان کا نکاح زمانۂ اسلام سے پہلے ابوالعاص سے ہوا تھا، ابوالعاص ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، نبوت کے تیرہویں سال جب حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے سسرال میں تھیں، خالہ زاد بھائی شوہر ابوالعاص بدر میں گرفتار کئے گئے اور اس شرط پر رہا کر دئے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے، ابوالعاص جو شریف مزاج تھے اور بعد میں مسلمان ہو کر دوبارہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا، انہوں نے مکہ جا کر اپنے بھائی کے ساتھ تحفظ دے کر مدینہ روانہ کیا، چند کفار مکہ نے تعاقب کیا، ھبار بن اسود نے ان کی اونٹنی کو نیزہ مار کر

---

(۱) مسلم: باب فتح مکة، حدیث: ۱۷۸۰

(۲) السنن الکبری: باب فتح مکة حرسها الله، حدیث: ۱۸۰۵۵، علامه ابن حجر عسقلانی فتح الباری: باب دخول النبی: ۱۰۳/۲۱، دار الفکر بیروت میں کہا ہے کہ اس کو ابن اسحاق نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

گرادیا، وہ حاملہ تھیں، اونٹنی سے گرنے کی وجہ سے حمل ساقط ہوگیا، اس کے علاوہ اور بھی جرائم کا وہ مرتکب تھا، اسی بناء پر ہبار فتحِ مکہ کے وقت اشتہارانِ قتل میں داخل تھا، چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعیٔ ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کو جھکا دیا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا؛ لیکن پھر مجھے آپ ﷺ کے احسانات، حلم اور عفو یاد آ گیا، میری نسبت آپ کو جو خبر پہنچی تھی وہ صحیح تھی، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، چنانچہ اس بے رحم موذی ہبّار بن اسود کو خدمتِ نبوی ﷺ میں اسلام لانے پر آپ ﷺ نے معاف کر دیا۔(۱)

☆ ایسے ہی لبید بن اعصم (یہودی) جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا جس کی تکلیف کا اثر آپ ﷺ کو چھ مہینے تک تھا، اس کے جادو کرنے کی خبر کسی جھوٹے عامل یا کاہن نے نہیں دی تھی؛ بلکہ اللہ جل جلالہ نے دی تھی مگر آپ ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

آپ ﷺ کی زندگی کے بے شمار واقعات ہیں کہ جس میں آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں اور اپنے قرابت داروں کے قاتلوں اور اپنی بیویوں پر تہمت لگانے والوں کو تک آپ ﷺ نے معاف کر دیا، کیا آج کے دور میں کوئی اس عفو و درگذر کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے کہ کوئی اپنی بیٹی کو نا قابل بیان تکلیف دینے والے اور اپنے جانی دشمن اور بیویوں کو بدنام کرنے والوں کو معاف کر دیا ہو؟

☆ وہ وحشی جس نے نبیٔ رحمت ﷺ کے محبوب چچا، دل و جان سے آپ ﷺ کے حامی اور مددگار، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے شیر حضرت حمزہ ؓ کو بے دردی سے قتل کر دیا، یہی نہیں بلکہ کان، ناک، ہونٹ کاٹ کر ان کا ہار بنایا، کھوپڑی میں شراب پلوائی، کلیجہ نکال کر ہندہ کو دِیا اس ہندہ عورت ذات (جو صنفِ نازک کہلاتی ہے) ہوکر اس نے اس کلیجہ کو چبانے کی کوشش کی، حتی کہ نعش کی شناخت دشوار ہوگئی، بالآخر حضرت حمزہ ؓ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا، تاریخ اسلام کا وہ جنازہ

---

(۱) موسوعة الصحابيات: ٤٢٠، محمد سعيد مبيض، سوريا

جس پر آقا ﷺ نے ستر مرتبہ نماز پڑھائی، مدینہ میں اپنے ہر جنازہ پر رونے پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کو یاد کر کے رویا جاتا تھا ویسے وحشی بن حرب کو آقا ﷺ نے پانچ مرتبہ آدمی بھیج کر دعوت دی، اس پر پروردگارِ عالم نے تین آیتیں اتاریں۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے درگذر کے واقعات

☆ ایک مرتبہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ مسجد میں کمبل بچھا کر سو رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس کمبل کو چرا کر چلتا بنا؛ لیکن لوگ اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے، اور آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ ”کیا ۳۰؍ درہم کی چیز کیلئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا،“ ”اتقطعه من اجل ثلاثين درهمًا“ میں یہ کمبل اس کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہوں، قیمت بعد کو ادا کرے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس آنے سے پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا۔ (۱)

☆ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر مشرف باسلام ہوگئے، اور اپنے وطن طائف واپس جا کر اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی تو وہ لوگ دشمن ہوگئے اور ان کے قتل کا تہیہ کر لیا، چنانچہ صبح کے وقت انہوں نے اذان دی تو قبیلہ بنو مالک کے ایک شخص نے تیر مارا اور وہی زخم ان کی شہادت کا سبب ہوا، شہادت سے قبل ان کے خاندان والوں کو خبر ہوئی تو ہتھیار سج کر آئے، اور کہا: ہم سب ایک ایک کر کے مر جائیں گے؛ لیکن جب تک ان کے عوض میں بنو مالک کے دس سردار قتل نہ کر لیں گے ہم کو چین نہیں آئے گا؛ لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میرے بارے میں جنگ وجدال نہ کرو، میں نے باہمی اصلاح کیلئے اپنے خون کو معاف کر دیا ”تصدقت بدمي على صاحبه لأصلح بذاك بينكم“ (۲)

---

(۱) ابوداود: كتاب الحدود: باب فيمن سرق من حرز، حديث: ٤٣٩٤، ابن الملقن کہا ہے کہ: اس روایت کے بارے میں حاکم نے کہا ہے: یہ صحیح الاسناد ہے، پھر آگے صحت اور ضعف کے اعتبار سے تمام کتابوں کی اسنادات پر بحث کی ہے: البدر المنير: ٦٥٢/٨، دار الهجرة، الرياض، البانی اس کو صحیح کہا ہے۔

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: وفد ثقيف، ٣١٢/١، دار صادر، بيروت

☆ عفو و درگذر کے حوالے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مسطح رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ بھی نہایت نصیحت آموز ہے: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب تہمت لگانے والوں نے ان پر تہمت لگائی تو بعض بھولے بھالے صحابہ بھی منافقوں کی فتنہ انگیزی سے متاثر ہوگئے اور اللہ عزوجل نے ان کو اس تہمت سے بری کردیا "اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ" یہ دس آیتیں میری برأت میں نازل فرمائیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: (یہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر قرابت اور رشتہ داری کی وجہ خرچ کیا کرتے تھے) " واللّٰہ لا انفق علٰی مسطح شیئًا ابدًا بعد الذی قال لعائشة " اللہ کی قسم! میں مسطح پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کے عائشہ پر تہمت لگانے کے بعد خرچ نہیں کروں گا، اللہ عزوجل نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

" وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ " (۱)

اور قسم نہ کھائیں تم میں سے فضیلت والے، اور وسعت والے کہ نہ دیں گے قرابت داروں کو، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو، چاہئے کہ وہ معاف کردیں اور درگذر کردیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: " بلٰی أحبّ أن یغفر اللّٰه لی " کیوں نہیں اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ اللہ عزوجل میری مغفرت کرے پھر انہوں نے مسطح کا نفقہ دوبارہ بحال کردیا، اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں کبھی بھی ان کا نفقہ بند نہیں کروں گا۔ " واللّٰه! لا انزعها عنه ابدًا " (۲)

جب اس امت کا صدیق معافی کا محتاج ہے تو ہم جیسے جن سے جو گناہ ہوسکتا تھا ہو چکا جو نہ ہوا، وہ اس لئے کہ ہم نہ کرسکے، کوئی عضو سیاہ کاری سے، کوئی عمر کا مرحلہ غفلت سے خالی نہ رہا کیا معاملات، کیا معاشرت، نہ نماز کی نہ روزے کی حقیقت نصیب نہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا ٹھکانہ،

---

(۱) النور: ۲۲ (۲) بخاری: باب الیمین فیما لا یملك، حدیث: ٦٣٠١

تو ہم کتنے معافی کے محتاج ہیں؟ حدیثِ رسول شاہد ہے کہ عزت انتقام لینے سے نہیں معاف کرنے سے ملتی ہے، ” وما زاد اللّٰہ عبدًا بعفوٍ الّا عزًّا “ (۱)

بدلہ لینے سے کچھ نہیں ملتا، معاف کرنے سے جنت کے درجات ملتے ہیں

☆ حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: مجھ سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: اے مجاہد! لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: لوگ آپ کو سحر زدہ کہتے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: میں سحر زدہ نہیں ہوں، پھر انہوں نے ایک لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا: تمہاری تباہی اور بربادی ہو کہ کس چیز نے تمہیں مجھ کو زہر پلانے پر آمادہ کیا تھا؟

اس نے کہا: ہزار دینار مجھے میری آزادی کیلئے دیئے جائیں گے، اس سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا، اسے لے آؤ، وہ ہزار دینار لے آیا تو آپ نے اسے بیت المال میں داخل کروادیا اور فرمایا: تم ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے ”اذهب حيث لا يراك أحد“ (۲)

☆ ابن عونؒ کی ایک اونٹنی تھی جس پر وہ جہاد اور حج کیلئے جاتے تھے، وہ اونٹنی انہیں بہت پسند تھی فرماتے ہیں کہ: ایک غلام کو انہوں نے اس پر پانی لانے کیلئے بھیجا، اس نے اونٹنی کو اِس حال میں لایا کہ اس نے اس کے چہرے کو مارا تھا اور اس کی آنکھ باہر نکل آئی تھی، ہم نے کہا ابن عونؒ سے کچھ غصہ وغیرہ کا اظہار ہو سکتا ہے تو آج ہوگا، تھوڑی دیر میں ہی ابن عونؒ نیچے آئے، جب اونٹنی کو دیکھا تو فرمایا: ” سبحن اللّٰه، أفلا غير الوجه، بارك اللّٰه فيك اخرج عنّي اشهدوا أنّه حرٌّ “(۳) اللہ کی ذات پاک ہے، کیا چہرے کے علاوہ کوئی عضو معیوب نہیں ہوا، اللہ تم کو برکت دے، میرے پاس سے چلے جاؤ تم لوگ گواہ رہو کہ یہ آزاد ہے۔

---

(۱) مسلم: باب استحباب العفو والتواضع، حدیث: ۲۵۸۸

(۲) البداية والنهاية: ۲۱۰/۹، مكتبة المعارف، بيروت، اس سند کے رجال ثقہ ہیں: حاشية اعلام النبلاء: عمر بن عبدالعزيز: ۱۴۰/۵

(۳) البداية والنهاية: ۲۱۰/۹، مكتبة المعارف، بيروت، اس سند کے رجال ثقہ ہیں: حاشية اعلام النبلاء: عمر بن عبدالعزيز: ۱۴۰/۵

☆ حضرت ابوعبداللہؒ کہتے ہیں "وما ینفعک ان یعذّب اللہ اخاک المسلم فی سببک" (۱) تمہیں کیا فائدہ ہوگا کہ اللہ عزوجل تمہاری وجہ سے کسی مسلمان کو عذاب دیں۔

☆ حضرت ہشامؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: ابوالسوارؒ کوئی آدمی ان کو راستہ میں گالی دیتا تو کہتے "ان کنتُ کما قلتَ انّی اذا لرجل سوء" (۲) اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق ہوں تو میں اس وقت برا آدمی ہوں۔

☆ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو گالی دی، جب وہ گالی دے چکا تو فرمایا، عکرمہ دیکھو اس آدمی کی کوئی ضرورت ہے تو ہم اسے پورا کردیں گے؟ ان کی اس بات سے اس آدمی نے اپنا سر نیچا کرلیا، اور شرمندہ ہوگیا" فنکس الرجل رأسه واستحی" (۳)

☆ ایک شخص نے مالک بن دینارؒ سے کہا: مجھے معلوم ہوا کہ تم نے ہمارا برائی کے ساتھ ذکر کیا ہے، تو انہوں نے فرمایا: کیا تم میری ذات سے زیادہ استحقاق والے ہو کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میں اپنی تمام نیکیاں تم کو دے دیں " انّی اذا فعلت ذلك أهديتُ لك حسناتی" (۴)

☆ مسیح ابن مریم کا گذر ایک یہود قوم کے پاس سے ہوا تو انہوں نے آپ کو برا کہا، تو آپ نے ان سے بھلی بات کہی، ان سے پوچھا گیا کہ: وہ آپ کو برا کہتے ہیں اور آپ ان کو بھلا کہتے ہیں؟ تو فرمایا: ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے جو اس کے پاس ہے" کلّ ینفق ممّا عنده" (۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک نشہ کرنے والے کو دیکھا اس کو پکڑ کر سزا دینی چاہی، تو ان کو اس نشہ کرنے والے شخص نے گالی دی، تو حضرت ابن عمرؓ اپنے سزا دینے کے ارادہ سے باز آگئے، ان سے پوچھا گیا، اے امیر المؤمنین اس کے آپ کو گالی دینے کی وجہ سے

---

(۱) سیر اعلام النبلاء : احمد بن حنبل: ۱۱/ ۲۶۱

(۲) مداراۃ الناس لابن ابی الدنیا: باب التودد الی الناس: ۱/ ۵۳، دار ابن حزم بیروت

(۳-۴-۵) احیاء العلوم: کتاب الغضب والحقد والحسد، ۳/ ۲٤

آپ نے اس کو چھوڑ دیا آپ نے جواب دیا، چونکہ اس نے مجھے گالی دے کر مجھ کو مشتعل کر دیا، اگر میں اس کو سزا دیتا تو اپنے غصہ کی وجہ سے دیتا، اور میں نے ایک مسلمان کو صرف اپنے ذاتی معاملہ میں سزا دینا نہ چاہا " ولم أحبّ أن أضرب مسلمًا حميّة لنفسي " (۱)

☆ حسن بن ابوالحسن کہتے ہیں کہ: جب روزِ قیامت ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا، جس کا اللہ عزوجل پر اجر ہو تو وہ کھڑا ہو جائے تو اس وقت صرف معاف کرنے والے کھڑے ہوں گے اور یہ آیت تلاوت کی " فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ " (۲)

☆ خلیفہ مامون کے یہاں ایک شخص کو لایا گیا، مامون نے اس سے پوچھا: کیا تم وہی ہو، جس نے ایسا ایسا کیا؟ فرمایا: ہاں! امیر المؤمنین، میں وہی ہوں جس نے اپنی ذات پر زیادتی کی " انا ذاك الّذي اسرف علي نفسه " اور تمہارے عفو ودرگذر پر اعتماد کرتا ہوں، چنانچہ مامون نے اس کو رہا کر دیا۔ (۳)

☆ حمید الطّوسی پر خلیفہ ہارون رشید غصہ ہو گئے، چنانچہ ان کے قتل کیلئے تلوار منگوایا، تو وہ رو پڑے، تو ہارون نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ تو کہا: اللہ کی قسم! امیر! میں موت سے گھبرا نہیں رہا ہوں، چونکہ وہ تو آنی ہے، لیکن میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میں دنیا سے اس حال میں جا رہا ہوں کہ امیر المؤمنین مجھ سے ناراض ہیں، تو ہارون ہنس پڑے اور اس کو معاف کر دیا، اور فرمایا: شریف شخص کو جب دھوکہ میں ڈالا جاتا ہے تو وہ دھوکہ کھا جاتا ہے "انّ الكريم اذا خادعته انخدع " (۴)

☆ ابراہیم بن مہدی کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! مامون نے نہ مجھے اللہ سے قربت حاصل کرنے کیلئے اور نہ بطور صلہ رحمی کے معاف کیا ہے، بلکہ اس کے یہاں عفو ودرگذر کا ایک بازار ہے، اس نے یہ سوچا کہ میرے قتل کی وجہ سے میرا یہ بازار ٹھپ پڑ جائے گا " ولكن له سوق في العفو يكره أن تكسد لقتلي " (۵)

---

(۱) احياء العلوم: كتاب الغضب والحقد والحسد، ۲۴/۳

(۲) الشوری: ۴۰ (۳-۴-۵) قصص العرب: ۱۰۶/۱

☆ عبدالملک بن مروان ایک شخص پر غصہ ہوگیا، کہنے لگا: اگر اللہ عزوجل مجھے اس پر قابو یافتہ کردیں گے تو اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا، جب وہ اس کے سامنے آموجود ہوا تو رجاء بن حیاۃ نے کہا: اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ وہ کیا جو آپ چاہتے تھے اور آپ اس کے ساتھ وہ معاملہ کیجئے جس کو اللہ عزوجل پسند کرتے ہوں "قد صنع الله بك ما أحببت واصنع ما أحب الله لك" مروان نے اس کو معاف کردیا اور ان کو عطیہ دینے کیلئے کہا۔ (۱)

☆ حضرت علی بن حسن سے مروی ہے کہ: بندہ اللہ عزوجل کے غضب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ غصہ میں ہوتا ہے، تو روایت میں ہے کہ: تم مجھے غصہ کی حالت میں یاد کرو میں تم کو غصہ کی حالت میں یاد کروں گا، "اذكرني اذا غضبت اذكرك اذا غضبت" اور جب تم پر کوئی ظلم کرے تو میری نصرت اور مدد پر راضی رہو، چونکہ میرا مدد کرنا تمہارا اپنی ذات کی مدد کرنے سے بہتر ہے۔ (۲)

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا کہ: تم غصہ کے وقت سزا نہ دینا، جب تم کو کسی پر غصہ آئے تو تم اس کو قید کردینا، جب تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس کو قید سے نکال دینا اور اس کو اس کی غلطی کے بقدر سزا دینا اور اس کو پندرہ کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دینا "لا تجاوز به خمسة عشر سوطا" (۳)

☆ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا گیا کہ: ہمیں حسن اخلاق اور خوش خلقی کو صرف ایک لفظ میں بیان کیجئے تو انہوں نے فرمایا: "ترك الغضب" غصہ کا چھوڑ دینا۔ (۴)

☆ ایک شخص کے بارے میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ غصہ ہوتا اور اس کا غصہ انتہا کو پہنچ جاتا، اس نے تین صحیفے لکھے: اور تین شخصوں کو ایک ایک دے، پہلے شخص سے کہا: جب میرا غصہ بڑھ جائے تو تم یہ صحیفہ لے کر میرے سامنے کھڑے ہو جانا، اور اسے مجھے دے دینا اور دوسرے سے کہا: جب میرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو یہ صحیفہ مجھے دینا، تیسرے سے کہا: جب میرا غصہ ختم ہو جائے تو تم اپنے پاس موجود صحیفہ مجھے دینا۔

(۱-۲-۳-۴) قصص العرب: ۱/۱۰۶

پہلے صحیفہ میں یہ تحریر تھی: کچھ کم بھی کرو، یہ کتنا بھیانک غصہ ہے، تم کوئی معبود تو نہیں ہو، تم تو ایک انسان ہو، عنقریب تم تو ختم ہو جاؤ گے "یوشك أن يأكل بعضك بعضًا" (۱)

دوسرے میں لکھا تھا: تم اہل زمین پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا " ارحم من في الأرض يرحمك من في السماء " (۲)

تیسرے میں لکھا ہوا تھا: تم بندوں کے معاملہ کو کتاب اللہ پر پیش کرو؛ کیونکہ ان کی اصلاح اور درستگی اس کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے " فانّه لا يصلحهم الاّ ذاك " (۳)

ایک روایت میں ہے کہ: اگر کوئی شخص تم کو گالی دے یا تم کو تمہارے اندر موجود برائی کے ذریعہ عار دِلائے تو تم اس کے اندر موجود برائی کے ذریعہ عار نہ دلاؤ، اس کی برائی کے اظہار کا وبال اسی پر ہوگا "يكن وبال ذلك عليه" (۴)

حضرت اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ: انہوں نے ابوعبداللہ (احمد بن حنبلؒ) سے اس حدیث کے متعلق پوچھا؟ "اذا بلغك شيئ عن أخيك فاحمله على أحسنه حتى لا تجد له محملا" اس کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا: تو اس کے عذر کو قبول کر لے " تعذره " تو یوں کہہ: ہوسکتا ہے یوں ہوا ہو، ہوسکتا ہے یوں ہوا ہو۔ (۵)

حضرت حسن بن علی کہتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص مجھ کو ایک کان میں برا بھلا کہے اور دوسرے کان میں معذرت کرے تو میں اس کے عذر کو قبول کروں گا " لو أنّ رجلا شتمني في أذني هذه، واعتذر في أذني الأخرى لقبلت عذره " (۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مجھے کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو میں اسے تین درجوں میں سے کسی ایک درجہ میں رکھتا ہوں، اگر وہ مجھ سے رتبہ میں بڑھا ہوا ہوتا ہے تو اس کی قدر وعزت کرتا ہوں " ان كان فوقي عرفت له قدره " اور اگر وہ

(۱-۲-۳-۴) قصص العرب: ۱/۱۰۶

(۵-۶) الاداب الشرعية: فصل في حمل ما جاء عن الاخوان: ۱/۳۰۲

میرا ہم سر اور ہم شکل ہوتا ہے تو اسے اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں "ان کان نظیری تفضلت علیہ" اور اگر وہ مجھ سے مرتبہ میں چھوٹا ہوتا ہے تو میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ (۱)

حسد نہ کیجئے

حسد کے لغوی معنی برا چاہنے کے ہیں، اصطلاح شرع میں کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گذرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے حسد کہلاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے، "الحسد تأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب" (۲)

تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپہ رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچ جائے اس کو بے آبرو کر دے پھر اگر کوئی بس نہیں چلتا تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلا دی جائیں گی۔ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی یہاں سے ایک جنتی شخص آئیگا "يطلع عليكم الآن من هذا الفج رجل من أهل الجنة" اتنے میں ایک انصاری شخص وضو کے بعد اپنی داڑھی کو جھاڑتے اور اپنے بائیں ہاتھ میں جوتے لئے آئے، پھر سلام کیا، تین دن تک آپ ﷺ نے ان کے آنے کی اطلاع ان کے جنتی ہونے کی بشارت کے ساتھ دی،

---

(۱) الاداب الشرعية : فصل في الأدب والتواضع : ۲/۱۱

(۲) ابوداؤد: باب في الحسد، حديث: ۴۹۰۳، علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور بخاری نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور یہ روایت ابن ماجہ کے یہاں ضعیف روایت کے ساتھ نقل کی گئی ہے اور اس کو تاریخ بغداد میں سندِ حسن کے ذکر کیا گیا ہے: تخريج احاديث الاحياء: ۱/۵۶، دار ابن حزم بيروت

(۳) معارف الحدیث: ۱۷-۲۱۶

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ان کے عمل کو دیکھنے کیلئے ان کے یہاں تین دن تک مہمان ہوئے، ان کو ان پنجوقتہ نمازوں اور سوتے وقت اذکار کے علاوہ ان کا کوئی خاص عمل نظر نہ آیا، انہوں نے ان سے پوچھا: میں نے تمہارا کوئی خاص عمل تو ایسا نہیں دیکھا جو تمہارے اس مرتبہ ومنزلت کا باعث ہو؟ تو انہوں نے کہا: میں کسی مسلمان کا اپنے دل میں کوئی کھوٹ اور حسد نہیں رکھتا "لا أجد على أحد من المسلمين في نفسي غشا ولا حسدًا على خير أعطاه الله " (۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: لوگ جب تک آپس میں حسد نہ کریں گے تب تک وہ خیر اور بھتری میں رہیں گے " لا يزال الناس بخير ما لم يتحاسدوا " (۲)

حضرت زکریا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ: حسد کرنے والا میری نعمتوں کا دشمن، میرے فیصلے سے ناراض اور بندوں کے بیچ میری تقسیم سے ناخوش نظر آتا ہے "الحاسد عدوٌ لنعمتي، متسخط لقضائي، غير راضٍ بقسمتي" (۳)

بعض اسلاف نے کہا کہ: سب سے پہلی غلطی اور برائی حسد ہے، ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر ان کے رتبہ اور مقام کی وجہ سے حسد کیا تھا، اور اس نے ان کو سجدہ کرنے سے انکار کر کیا، اس کو حسد نے گناہ پر آمادہ کیا " فحمله الحسد على المعصية " (۴)

☆ عون بن عبداللہ ایک دفعہ فضل بن مہلب کے یہاں گئے، وہ واسط میں تھے، فرمایا: میں تم کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں، تو فرمایا: تکبر نہ کرنا؛ کیونکہ یہ وہ پہلا گناہ ہے جس سے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی گئی، "فانه أوّل ذنب عصي الله به " پھر اس آیت کی تلاوت کی "وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ" (۵)

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك: حديث: ۱۲۶۹۷

(۲) الترغيب: الأدب وغيره، حديث: ٤٣٧٧

(۳) الزواجر للهيثمي: الكبيرة الثالثة الغضب: ۱۰۱/۱، المكتبة العصرية، بيروت

(۴) الدر المنثور للسيوطي: ۱۲۵/۱، دار الفكر، بيروت

(۵) البقرة: ۳٤
تفسير الرازي: سورة البقرة: ۵۵۱/۱، دار احياء التراث العربي، بيروت

☆ ابن سیرین کہتے ہیں کہ: میں نے دنیا کے معاملے میں کسی سے حسد نہیں کیا، کیونکہ وہ اگر اہل جنت میں سے ہے تو میں حقیر دنیا کے سلسلے میں اس سے کیسے حسد کروں، اور اگر جہنمی ہے تو دنیا کے معاملے میں اس پر کیسے حسد کروں؟ حالانکہ اس کا انجامِ کار جہنم ہے "وان كان من أهل النّار فكيف أحسده على أمر الدنيا ويصير الى النّار" (۱)

☆ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ہر شخص کو راضی کیا جا سکتا ہے، سوائے اس کے جس کو کسی نعمت پر حسد ہے، الا یہ کہ وہ نعمت ختم ہو جائے " كلّ النّاس أقدر على رضاه الا حاسد نعمة لا يرضيه الازوالها " (۲)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حاسد کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ تیری خوشی کے وقت مغموم ہوتا ہے "يكفيك من الحاسد أنّه يغتمّ وقت سرورك " (۳)

اصمعی کہتے ہیں کہ: میں نے ایک دیہاتی کو جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی دیکھا، میں نے اس سے کہا: تمہاری عمر کی زیادتی کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے حسد کو چھوڑ دیا ہے؛ اس لئے میں بقیدِ حیات ہوں۔ (۴)

حسد کے وجوہات واسباب

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: حسد کا باعث عموماً یا تو تکبر وغرور ہوتا ہے یا عداوت اور نفس کی خباثت، کہ بلاوجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل بھی کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے۔ (۵)

---

(۱) احیاء علوم الدین: بیان حقيقة الحسد وحكمه: ۱۸۹/۳، دار المعرفة ، بيروت

(۲) ادب الدين والدنيا: الفصل الأول في الكلام والصمت: ۲۷٤/۱، دار مكتبة الحياة

(۳) ادب الدين والدنيا : الفصل السادس في الحسد : ۲۷۰/۱، دار مكتبة الحياة

(۴) احیاء علوم الدين : بيان حقيقة الحسد وحكمه : ۱۸۹/۳، دار المعرفة ، بيروت

(۵) شریعت وطریقت: ۳۲۲، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۷۹

حسد کے نقصانات اور خرابیاں

امام غزالیؒ حسد کے نقصانات اور خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: حسد سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

۱- طاعات میں خرابی:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے، ”الحسد تأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب“ (۱)

۲- حسد سے دوسری چیز جو پیدا ہوتی ہے وہ گناہ اور برائیاں ہیں، حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ: حاسد کی تین نشانیاں ہیں: یمتلك اذا شهد، ویغتاب اذا غاب ویشمت بالمصیبة اذا نزلت (یعنی جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی کرتا ہے، پشت پیچھے غیبت کرتا ہے، اور جب دوسروں پر مصیبت آتی ہے تو خوش ہوتا ہے)۔

۳- حسد سے تیسری چیز بے چینی اور بے مقصد غم وفکر لاحق ہوتا ہے، بلکہ غم وفکر کے ساتھ طبیعت پر بوجھ اور معصیت کی رغبت بھی پیدا ہوتی ہے، حضرت ابن سماکؒ نے ارشاد فرمایا: لم أری ظالما اشبه بالمظلوم من الحاسد نفس دائم وعقل هائم وغم لازم (میں نے حاسد کے سوا کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہت والا نہیں دیکھا، بیچارہ ہر وقت افسردہ طبیعت رہتا ہے، پریشان حال رہتا ہے اور ہر وقت غم میں مبتلا رہتا ہے)۔

۴- حسد سے چوتھی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ دل اندھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ہمیشہ خاموش رہنا اختیار کر کہ اس سے تیرے اندر ورع پیدا ہوگا، لالچی نہ بن تاکہ فتنوں سے محفوظ رہے نکتہ چیں نہ بن تاکہ لوگوں کے طعن وتشنیع سے محفوظ رہے، حاسد نہ بن کہ تجھے فہم کی تیزی نصیب ہو۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فی الحسد، حدیث: ٤٩٠٣

۵- حسد سے پانچویں خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسان ذلت اور محرومی کی لعنت میں گرفتار ہوجاتا ہے، اپنی کسی مراد میں کامیاب نہیں ہوتا اور نہ اپنے کسی دشمن پر غالب آسکتا ہے حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا ہے کہ: کینہ پرور، دیندار نہیں ہوتا، لوگوں کے عیب نکالنے والا عبادت گذار نہیں ہوتا، چغل خور کو امن نصیب نہیں ہوسکتا اور حاسد شخص نصرتِ خداوندی سے محروم ہوتا ہے۔

حسد کا علاج

امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں: حسد کا علاج یہ ہے کہ تم سوچو کہ حسد دنیا و آخرت میں ضرر اور نقصان کا باعث ہے، دنیا میں اس طرح کہ یہ غم تمہیں ہر وقت لگا رہتا ہے اور تکلیف پہنچاتا رہتا ہے۔ اور دین میں اس طرح کہ یہ نعمتِ الٰہی پر ناراضی ہے جو اس کیلئے تو ثواب ہے اور تمہارے لئے عقاب۔

حسد کا علمی علاج

حاسد کو جاننا چاہئے کہ حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے، اس سے محسود (جس سے حسد کیا جائے) کا کچھ نقصان نہیں، بلکہ الٹا اس میں حاسد کا نقصان ہے دین کا بھی دنیا کا بھی اور محسود کا اس میں نفع یہ ہے کہ اس کو مفت میں حاسد کی نیکیاں ملتی ہیں۔

حسد کا عملی علاج

گو بہ تکلف ہی سہی اس شخص کی خوب تعریف کیا کرو اور اس کے ساتھ خوب احسان وسلوک سے اور تواضع کے ساتھ پیش آؤ، ان معاملات میں اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت ہوگی پھر وہ تم سے اسی طور سے پیش آئے گا اور اس سے تمہارے دل میں اس کی محبت ہوگی اور حسد جاتا رہے گا۔(۱)

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۸۴-۳۸۵

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: تم مظلوم کی بددعا سے بچو، کیوں کہ وہ حق تعالیٰ سے سوال کرے گا "ایاك ودعوة المظلوم" (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جس کسی بندے پر ظلم ہوتا ہے اور وہ اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھاتا ہے تو اللہ عزوجل کہتے ہیں کہ: میں حاضر ہوں میرے بندے، مجھ پر یہ حق ہے کہ تیری مدد کروں گرچہ تھوڑی دیر کے بعد ہی "لبّیك عبدی حقًا لأنصرنّك ولو بعد حین" (۲)

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ظلم کی تین قسمیں ہیں: ایک تو وہ ظلم جس کی معافی نہیں، دوسرے وہ ظلم جسے چھوڑا نہیں جائے گا، تیسرا وہ ظلم جس کی بخشش ہوگی، جو ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِه وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ" (۳)

اور جو ظلم چھوڑا نہیں جائے گا وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں، اور جس ظلم کی معافی ہوگی جس کا مطالبہ نہ ہوگا وہ بندے کا اپنے نفس پر ظلم ہے۔ (۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مظلوم کا دن ظالم پر ظالم کے مظلوم پر دن سے زیادہ سخت ہوگا "یوم المظلوم علی الظالم أشد من یوم الظالم علی المظلوم" آسمان کے اوپر ایک تختی دکھائی دی جس میں لکھا تھا "لَا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" اور اس کے نیچے یہ شعر لکھا تھا۔ (۵)

فلم أر مثل العدل رافعًا ولم أر مثل الجور للمرء واضعًا

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة : فی دعوة المظلوم : ٤٨/٦

(۲) الترغیب والترهیب للمنذری: کتاب الصوم، الترغیب فی الصوم، حدیث: ١٤٧١، علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو امام احمدؒ نے اور امام ترمذیؒ نے روایت ہے اور اس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

(۳) النساء: ٤٨

(۴-۵) المستطرف: ومنها ارسال المثل والاستملاء: ٢٣٤/١، دار الکتب العلمیة، بیروت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ: مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایسے شخص پر ظلم کروں جس کا مددگار صرف اللہ ہے "انّي استحي أن أظلم من لا يجد عليّ ناصرًا الّا اللّٰه" (۱)

یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ: جو روئے زمین پر ظلم کے بقاء کی دعا کرتا ہے تو اس نے اللہ کی زمین میں اس کی نافرمانی کو پسند کیا "فقد أحبّ أن يعصي الله في أرضه" (۲)

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ: اللہ عز وجل جہنمیوں پر کھجلی مسلط کریں گے، وہ اپنے جسموں کو کھرچیں گے جس سے ان کی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں گی، ان سے کہا جائے گا: کیا یہ تمہارے لئے تکلیف دہ ہے، تو وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! یہ بڑے تکلیف دہ ہیں، تو ان سے کہا جائے گا: یہ اس وجہ سے ہے کہ تم (دنیا میں) مومنوں کو تکلیف دیتے تھے "هذا بما كنتم تؤذون المؤمنين" (۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب اللہ عز وجل نے یوسف علیہ السلام کی قوم سے عذاب کو دور کیا تو انہوں نے آپس کے مظالم کو ختم کیا، یہاں تک کہ آدمی پتھر کو اس کی بنیاد سے اکھاڑ دیتا اور اس کو اس کے مالک کے حوالے کر دیتا "حتى كان الرجل ليقلع الحجر من أساسه فيردّه الى صاحبه" (۴)

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اللہ عز وجل ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں اس پر غضبناک ہوتا ہوں جو ایسے شخص پر ظلم کرتا ہے جس کا میرے علاوہ کوئی مددگار نہیں "اشتد غضبي على من ظلم يجد له ناصرا غيري" (۵)

ایک شخص نے سلیمان بن عبد الملک سے جبکہ وہ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے کہا: اے سلیمان!

---

(۱) درر الحكم لأبي منصور الثعالبي: مقدمة: ۱/۵۵، دار الصحابة، طنطا

(۲) احياء علوم الدين: كتاب اداب الكسب والمعاش: ۲/۸۷

(۳-۴) قصص العرب: ۱/۱۷۵

(۵) الترغيب الترهيب: كتاب القضاء وغيره، حديث: ۳۳۷۰، علامہ منذری کہتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے صغیر اور اوسط میں ذکر کیا ہے۔

اس اذان کے دن کو یاد کرو، سلیمان منبر سے نیچے اترا اور اس شخص کو بلایا اور اس سے کہا: اذان کا دن کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ: فَـاَذَّنَ مُـؤَذِّنٌ بَيۡـنَهُـمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ " (۱) اس نے کہا: تم پر کیا ظلم ہوا ہے؟ آدمی نے کہا: میری فلاں جگہ اتنی زمین ہے، آپ کے وکیل نے اس کو غصب کیا ہے، انہوں نے وکیل کو یہ تحریر لکھ بھیجی، اس شخص کی زمین اس کو واپس کردو اور اس کے ساتھ مزید زمین اور دو "ادفع اليه أرضه وأرضا مع أرضة " (۲)

کسریٰ نوشیرواں کے ایک استاذ تھے جو اسے حسن ادب اور اخلاق کی تعلیم دیتے تھے، یہاں تک کہ اس نے تمام علوم وفنون میں فوقیت وبرتری حاصل کرلی، اس کو ایک دن استاذ نے بغیر غلطی کے ماردیا، نوشیرواں کو اس پر حسد ہوگیا، جب وہ بادشاہ بنا تو اس نے معلم سے کہا: تم نے فلاں فلاں دن مجھے کیوں مارا تھا؟ اس معلم نے کہا: جب میں نے تمہاری علمی دلچسپی دیکھی تو مجھے تمہارے باپ کے بعد بادشاہ بننے کی امید ہونے لگی، اس لئے میں نے چاہا کہ میں تم کو ظلم کا مزا چکھاؤں، تاکہ تم کسی اور پر ظلم وزیادتی نہ کرسکو " فأحببت أن أذيقك طعم الظلم لئلا تظلم " (۳)

بدلہ لینے کا نام اخلاق نہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برابر کا بدلہ دینے والا رشتہ جوڑنے والا نہیں ہے، حقیقت میں رشتہ جوڑنے والا وہ ہے جو دوسروں کے رشتہ کاٹنے پر بھی رشتہ جوڑے " ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل اذا انقطعت رحمه وصلها " (۴)

اور دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ: نقل باز نہ بنو، یوں کہنے لگو کہ: اگر لوگ ہمارے ساتھ حسن سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں، نہیں تمہارا رویہ تو یہ ہونا چاہئے کہ

---

(۱) الاعراف: ٤٤

(۲-۳) قصص العرب: ۱/۱۷٦

(۴) بخاری: باب ليس الواصل بالمكافي، حديث: ٥٦٤٥

وہ اچھا معاملہ کرے تو تم بھی بہترین برتاؤ کرو، اگر وہ ظلم کرے تو تب بھی خوبی اخلاق سے پیش آؤ " لا تكونوا امّعة تقولون ان أحسن النّاس احسنّا وان اساؤوا ظلمنا " (۱)

تحمل و بردباری کو اختیار کیجئے!

امام غزالیؒ حلم اور بردباری کی فضیلت واہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بردباری غصہ پی جانے سے زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ غصہ پی جانا تو بہ تکلف حلم ہوتا ہے اور طبعی حلم کمالِ عقل کی دلیل ہے، اور اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ قوتِ غضبیہ قوتِ عقلیہ کے ماتحت ہے عموماً پہلے انسان بہ تکلف بردبار بنتا ہے، پھر یہ عادت بن جاتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم نرمی اپنانے سے پیدا ہوتا ہے، "انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم " جو شخص خیر تلاش کرے گا اسے خیر اور جو شر تلاش کرے گا اسے شر ملے گا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم کو طلب کرو اور علم کے ساتھ حلم و بردباری کو طلب کرو، "اطلبوا العلم واطلبوا الحلم" جن سے سیکھتے ہو اور جنہیں سکھاتے ہو ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرو، جبار عالم نہ بنو کہ تمہاری سبک سری تمہارے علم پر غالب آجائے۔ (۲)

حضور اکرم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے علم کی تونگری عطا فرما، حلم سے زینت دے، تقوی سے سرفراز فرما اور عافیت سے آراستہ فرما" اللّٰھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم " (۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے سردار اَشج سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بردباری (غصے سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا "الحلم والأناة " (۴)

---

(۱) ترمذی: باب الاحسان والعفو: حدیث: ۲۰۰۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے

(۲-۳) المغنی عن حمل الأسفار: فضیلة الحلم: ۸۵۰/۲، مکتبہ طبریہ، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابن السنی نے ریاضة المتعلمين میں سندِ ضعیف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۴) صحیح مسلم: باب الأمر بالإیمان، حدیث: ۱۷

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ رہن سہن رکھتا ہو اور ان کی اذیت پر صبر کرتا ہو، ایسا شخص اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے ربط وضبط نہ رکھتا ہو "المسلم إذا كان مخالطا الناس ويصبر على اذاهم خير من المسلم الذى لا يخالط الناس ولا يصبر على اذاهم" (۱)

حضرت سعید بن حسنؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس میں تین خصلتوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اس سے کتا بہتر ہے، ایک تو ورع اور تقوی جو اس کو اللہ کے محارم سے روک دے یا حلم جس سے وہ جاہل کی جہالت کا دفع کرے "أو حلم يرد به جهل جاهل" یا حسن اخلاق جس سے انسان لوگوں کے درمیان رہ سکے۔ (۲)

ضحاک بن قیس احنف اکابر تابعین میں سے ہیں، قبیلہ بنی تمیم کے سردار تھے اور کل عرب میں عقل وتدبیر، علم وعمل کے ساتھ موصوف وممدوح، کسی نے ان سے حلم کے معنی پوچھے: کہا: صبر جس کے ساتھ ذلت ملی ہوئی ہو، لوگوں نے کہا: آپ تو حد درجہ بردبار ہیں، کہا: تکلیف تو مجھے ہوتی ہے، لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ: میں صبر کر لیتا ہوں۔

کہا کرتے تھے کہ: حلم اور بردباری نے مجھے اتنا کام دیا ہے کہ فوج نے نہیں دیا، کہا کرتے تھے کہ: میں نے بردباری کی تعلیم قیس بن عاصم سے پائی ہے، ان کے برادرزادہ نے ان کے فرزند کو مار ڈالا لوگ قاتل کو مشکیں کس کر قیس کے پاس لے آئے، قیس نے پہلے تو لوگوں سے کہا کہ: تم نے لڑکے کے ساتھ بہت ہی سختی کی ہے، اور اسے بہت ڈرایا، پھر قاتل کی طرف متوجہ ہو کر کہا: لڑکے تو نے برا کیا کہ اپنی تعداد کو گھٹایا، اپنے بازو کو کمزور بنایا، اعداء کو ہنسایا اور قوم کو رُلایا، لوگو! اسے چھوڑ دو اور قاتل کی طرف سے مقتول کی ماں کو میری جیب سے خون بہا ادا کر دو، قاتل چھوڑ دیا گیا اور لوگ رخصت ہو گئے، اس قضیہ کے وقت نہ قیس کے ابرو میں بل پڑا، اور نہ اس نے نشست میں اپنے پہلو کو بدلا۔ (۳)

---

(۱) ترمذی: باب ، حدیث: ۲۵۰۷

(۲) شعب الایمان: فصل في الحلم، حدیث: ۸۴۲۳

(۳) تاریخ المشاہیر: ۲۹۴، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

تواضع اپنایئے

تواضع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر اس بات کا دھیان جمائے کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور بندہ ہونے کی حیثیت سے اس کے احکام کا پابند ہوں اور اپنی ذات میں میرے اندر کوئی فضیلت نہیں، میری ابتداء گندا پانی ہے اور انتہا منوں مٹی کے نیچے ملیا میٹ ہونا ہے، یہ جسم خون، اور پاخانہ کی مشین لئے پھر رہا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ میرے گناہ معاف ہوئے یا نہیں، نہ یہ معلوم ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں، میرا کوئی حق نہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص میری حق تلفی کرتا ہے تو میں اپنے رب کی نافرمانیوں کی وجہ سے حق تلفی ہی کا مستحق ہوں، جب دل میں یہ تواضع کی صفت پیدا ہوگی تو دوسرے سے توقع بھی نہیں ہوگی، جب توقع نہیں ہوگی تو پھر دوسرے سے شکوہ شکایت بھی نہیں ہوگی، جب شکوہ نہیں ہوگا تو جھگڑا بھی نہیں ہوگا ؛لہٰذا اسلامی معاشرت کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ: آدمی اپنے اندر تواضع پیدا کرے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ تواضع کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: تواضع للہ کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشئے سمجھے اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے، اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے، اس کی اصل مجاہدۂ نفس ہے؛ کیوں کہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرۂ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو، اور نفس کو یوں سمجھا دو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے، پھر کیوں برا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر نہ ہو تو تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے، کہ مدح وذم (تعریف وبرائی) برابر ہو جائے، مطلب یہ ہے عقلا برابر ہو جائے کیوں کہ طبعا تو مساوات نہیں ہو سکتی۔

تواضع کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ تم لوگ اس طرح تواضع کرو؛ یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے" انّ اللّٰہ اوحی الیّ ان تواضعوا حتّٰی لا یفخر احد علٰی احدٍ " (۱)

---

(۱) مسلم: باب الصفات التی یعرف بها الدنیا، حدیث: ۷۲۱۰

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ (کی رضا حاصل کرنے) کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیال میں تو چھوٹا ہوتا ہے؛ لیکن لوگوں کی نگاہ میں اونچا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گرادیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا ہو جاتا ہے، گرچہ وہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوتا ہے؛ لیکن وہ دوسروں کی نگاہ میں کتے اور خنزیر سے ذلیل ہوتا ہے، "حتّی لهو أهون عليهم من كلب أو خنزير" (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو "لا يدخل الجنّة من كان فی قلبه مثقال ذرّة من كبرٍ" (۲)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، داماد کو گھر میں نہ پایا، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ ناراض ہو کر مسجد چلے گئے ہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس مسجد تشریف لے گئے؛ چونکہ زمین پر لیٹ جانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جسم پر گرد و غبار لگ چکا تھا؛ اس لئے پیار سے مناتے ہوئے فرمایا: "قُم يا أبا تراب" اے مٹی کے باپ! اُٹھ جائیے۔ (۳)

کہنے والے نے بڑی بات کہی ہے کہ "ہزار چھوٹے بننے والوں کا ایک مکان میں رہنا آسان ہے مگر بڑے بننے والے دو بادشاہوں کا ایک ملک میں رہنا مشکل ہے"۔

---

(۱) شعب الایمان: فصل فی التواضع وترك الزهو، حدیث: ۸۱٤۰، بیہقی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث ثوری کے غرائب میں سے ہے، اس کو سعید بن سلام نے تنہا روایت کیا ہے۔

(۲) بخاری: باب مناقب علی، حدیث: ۳۵۰۰

(۳) ابوداود: باب فی حسن المعاشرة، حدیث: ٤۷۹۰، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداود نے ضعیف نہیں ہے، اس کے روات ثقہ ہیں، اس کے روات ثقہ ہیں سوائے بشر بن رافع کے ان کی بھی توثیق کی گئی ہے: الترغیب: کتاب البر والصلة، حدیث: ۳۹٤۸

حضور ﷺ نے مومن کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ بڑا سادہ دل اور بھولا بھالا ہوتا ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ”المؤمن غرّ کریم، والفاجر خبّ لئیم“ مومن بڑا سادہ دل اور بھولا بھالا ہوتا ہے اور فاجر منافق قسم کا پورا نہ کرنے والا اور کمینہ ہوتا ہے۔ (۱)

سلیمان بن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تواضع کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ جس سے تم ملو اس کو سلام کرو اور جو تم کو سلام کرے اس کا جواب دو، مجلس میں کمتر جگہ پر بیٹھنے میں عار نہ سمجھو، تم کو یہ خواہش نہ ہو کہ کوئی تمہاری تعریف کرے یا تم پر احسان کرے۔

یوسف بن اسباط کے بارے میں مروی ہے کہ کسی شخص نے ان سے سوال کیا کہ تواضع کی حد کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جب تم اپنے گھر سے نکلو اور راستہ میں جس کسی سے بھی ملو اس کو خود سے بہتر سمجھو۔ (۲)

تکبر بندے کو زیب نہیں دیتا

اس کے مقابل تکبر یہ لڑائی جھگڑے اور تعلقات کے بگاڑ کا باعث ہوتا ہے، ہر آدمی کے دل میں تکبر ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ: میں بڑا ہوں، میرے فلاں حقوق ہیں، اس نے میری شان کے خلاف بات کہی ہے، میری حق تلفی کی، اس نے میری تعظیم نہیں کی، تکبر کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور بڑا سمجھنے کے نتیجے میں اپنے لئے کچھ حقوق گھڑ لئے اور حقوق کی عدمِ ادائیگی پر شکوہ شکایت ہونے لگی، جس کے نتیجے میں لڑائی، جھگڑے کی نوبت آگئی، چھوٹے بننے والے ہزار ایک چھوٹی جگہ میں رہ سکتے ہیں؛ مگر بڑے بننے والے دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں رہ سکتے۔

---

(۱) ترمذی، البخیل، حدیث: ۱۹٦٤، امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے جس کو ہم صرف اسی طریق سے جانتے ہیں۔

(۲) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۱۲۹-۱۳۰

تکبر کی حقیقت یوں بیان کی گئی ہے کہ: ”تکبر اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر جاننا، یہ تمام رذائل کی جڑ ہے، غصہ، ظلم، کینہ، حسد، بغض اور اختلاف اسی سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ اختلاف کی نوبت وہیں آتی ہے جبکہ ہر شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اگر ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کم سمجھے تو اختلاف یا نااتفاقی کی نوبت ہی نہیں آتی، غرض تکبر تمام مفاسد حتی کہ شرک وکفر کی بھی جڑ ہے، دنیا میں جو بھی کافر ہوا ہے وہ اپنے نفس کے کبر کی وجہ سے کافر ہوا ورنہ دنیا میں حق مخفی نہیں رہتا۔(۱)

”کبر انسانی اس خیال اور گمان کو کہتے ہیں کہ وہ دوسرے سے بہت بڑا ہے اور اس کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں، کبر ایک صفت ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور میں موجود نہیں ہے، اگر مخلوقات میں سے کوئی اس صفت سے متصف ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے“۔

کبر انسان میں حقیقتاً غرور اور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے اور خود پسندی محاسن سے عدم وقوف کا دوسرا نام ہے، اس قسم کی جہالت خلاف انسانیت ہے (انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان محاسن کو پہنچانے اور خود پسندی کا دعویٰ نہ کرے) یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ“ (۲) اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور ایک مقام پر ارشاد باری عز وجل ہے ”اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ“ کیا جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے، اور ایک حدیث قدسی میں آیا ہے: ”الکبریاء ردائی والعظمة إزاری فمن نازعنی واحدا منهما قذفته فی النار“ (۳)

---

(۱) تہذیب الاخلاق: ۱۳۵، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۴۱

(۲) النحل: ۲۳

(۳) ابوداؤد: باب ماجاء في الكبر، حديث: ۴۰۹۰، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں سوائے عطاء بن سائب ان کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، البتہ اس کا ایک شاہد حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: مصباح السنن: كتاب الزهد: ۳۱۶/۲، دار الجنان، بیروت

کبریائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میرا لباس پس جس نے ان دونوں میں سے کسی کو لینے کی خواہش کی میں اس کو پاش پاش کر دوں گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے ”قدمتہ فی نار جھنم“ میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔

اللہ عز وجل نے انسان کی سرکشی کا رد اس طرح فرمایا ہے (اور اس کی حقیقت بھی اس پر واضح کردی ہے) ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَمْشِ فِیْ الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (۱) یعنی زمین میں اکڑ کر اتراتے ہوئے مت چلو کیونکہ نہ تم (اس طرح چل کر) زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی طرح بلند ہو سکتے ہو (کہ ان کو پامال کرسکو)۔

جب تواضع دل سے نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ تکبر لے لیتا ہے تو پھر اعضاء بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں، اور یہ مسلم ہے کہ جو ظرف (برتن) میں ہوتا ہے وہی اس سے ٹپکتا ہے، جب تواضع کی صفت دل سے رخصت ہو جائے اور اس کے بجائے کبر اور غرور جگہ لے لیں تو پھر اس کا اثر گردن میں کجی پیدا کرتا ہے اور کبھی رخساروں میں ظاہر ہوتا ہے اور انسان کا منہ بگڑ جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاس“ (۲) تم لوگوں سے اپنا منہ نہ بگاڑو، اور کبھی اس کا اثر دوسروں پر پہنچتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: لَوَّوْا رُؤُوسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ (۳) پھر انہوں نے اپنے سروں کو پھیرا اور تم نے دیکھا کہ وہ غرور اور تکبر سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

پس غرور، اعضاء اور جوارح پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی اثر اندازی سے بہت سی قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں، جو ایک دوسرے سے زیادہ کثیف ہیں جیسے شیخی، تکبر، گھمنڈ اور عزت و خودداری وغیرہ۔ (۴)

---

(۱) الاسراء: ۳۷ (۲) لقمن: ۱۸ (۳) المناقفون: ۵

(۴) عوارف المعارف: ۳۹۶، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۴۴

البتہ عزت نفس اور خودداری علاحدہ چیزیں ہیں، عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت نفس کو پہچان کر اس کا اکرام اس طرح کرے کہ اس کو دنیاوی اغراض ومفاد کے حصول کیلئے خوار اور ذلیل نہ بنائے، اور کبر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ سے اور اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کی مرتبہ سے بالاتر اور عظیم سمجھے۔

کسی شخص نے حضرت حسنؒ سے کہا: آپ کا نفس کس قدر عظیم ہے؟ آپ نے جواب دیا، میں عظیم نہیں ہوں؛ لیکن عزیز ضرور ہوں، (یعنی صاحب عزت)۔(۱)

تکبر کے نقصانات

امام غزالی منہاج العابدین میں تکبر کے نقصانات کے تعلق سے فرماتے ہیں:

کبر ایک ایسی آفت ہے جو نیکی کا نام ونشان مٹا دیتی ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (۲) (ابلیس) انکار اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

تکبر سے چار خرابیاں ضرور پیدا ہوتی ہیں:

۱- ایک حق سے محرومی ہو جانا، دل کا اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا ہو جانا اور احکام خداوندی کے فہم کے متعلق ذہن کا کند ہو جانا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیَاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (۳) میں عنقریب اپنی آیات کے فہم سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق تکبر کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّار (۴) اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

۲- تکبر سے دوسری خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے پر غصہ اور اس سے

---

(۱) عوارف المعارف: ۳۹۶، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۴۴

(۲) البقرة: ٣٤ (۳) الاعراف: ١٤٦ (۴) الغافر: ٣٥

ناراض ہوجاتا ہے، چنانچہ فرمایا: "اِنَّـهٗ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ" بیشک اللہ تعالیٰ متکبر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۳- تکبر سے پیدا ہونے والی تیسری خرابی یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں ذلت وخواری ہے، حاتم اصم نے فرمایا: متکبر شخص کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک موت نہیں دیتا جب تک کہ اپنے رذیل اہل وعیال اور خادموں سے اس کو ذلیل وخوار نہ کر دے۔
روایات میں آیا ہے کہ متکبر کو اللہ تعالیٰ ضرور ذلیل وخوار کرے گا۔

۴- متکبر شخص پر چوتھی مصیبت وآفت یہ ٹوٹتی ہے کہ وہ آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلے گا، ایک حدیث قدسی ہے: "الكبرياء ردائي والعظمة إزاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار" (۱)

تکبر کے اسباب ووجوہات

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے اربعین میں تکبر کے چار اسباب بیان کئے ہیں:

۱- علم وتقوی ۲-حسب ونسب ۳-مال ودولت ۴-حسن وجمال

جو شخص عالم ہو اور تکبر کرے وہ جاہل سے بدتر ہے، کیوں کہ جس علم سے اس کا تکبر پیدا ہو، وہ جہالت سے بدتر ہے، اگر حقیقی معنوں میں عالم ہوتا اور تکبر کے انجام سے واقف ہوتا تو تکبر کیوں کرتا، بدون عمل کے علم نجات کیلئے کافی نہیں۔

جب اپنے اکابر کا بہادر، شجاع اور نیک وصالح ہونا اس کے کام نہیں آسکتا تو انسان کو حسب ونسب پر فخر کرنا محض فضول وبیکار ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ماجاء في الكبر، حديث: ۴۰۹۰، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں سوائے عطاء بن سائب ان کو آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا، البتہ اس کا ایک شاہد حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: مصباح السنن: كتاب الزهد: ۳۱۶/۲، دار الجنان، بیروت

مال و دولت بھی فانی چیز ہے، ڈاکہ پڑنے یا چوری ہونے سے جاتا رہتا ہے، قبر میں انسان کے ساتھ نہیں جاتا تو ایسی ناپائیدار چیز پر فخر کرنا دانشمندی نہیں۔

حسن و جمال بھی عارضی شئ ہے، بیماری کے لگ جانے، چیچک نکل آنے سے سارا حسن ملیامیٹ ہوجاتا ہے، اسی لئے حسن و جمال پر فخر کرنا حماقت اور جہالت ہے۔ (۱)

تکبر سے کیسے بچا جائے

کبر سے حفاظت کیلئے حضرت تھانویؒ نے چند امور تحریر فرمائے ہیں: آدمی یہ سوچے کہ

۱- گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

۲- عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں بلکہ محض موہبت و رحمت سے ہوا۔

۳- عطا کے بعد اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کرلیں۔

۴- گو یہ دوسرے شخص میں فی الحال نہیں مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال حاصل ہوجاوے کہ میں اس کمال میں اسی کا محتاج ہوجاؤں۔

۵- اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا کہ بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوجاتا ہے، تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو، یا سب ہی سے مخفی ہو اور حق تعالیٰ کو معلوم ہو، جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے غالب ہو۔

۶- شاید علم الٰہی میں وہ مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں، یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر جانوں۔

۷- اور اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہی ہے، جیسا کہ مریض کا صحیح پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر، تو مجھ کو چاہئے کہ اس پر شفقت

---

(۴) تہذیب الاخلاق: ۱۳۷، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۳۸

وترحم کروں، اس کی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت یا ہمت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سہی، اس خیال کے بعد تکمیل میں کوشش شروع کردیں، اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل وتربیت میں کوشش کی جاتی ہے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔

۸۔ یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف واخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کریں، اس کا مزاج پوچھ لیا کریں۔

۹۔ ہر وقت یہ اہتمام اور مراقبہ رہے کہ اس ذمیمہ (یعنی تکبر) کا قرب وقوع نہ ہو، جب اس کا وقوع ہو تو طبیعت کو اس کی مخالفت پر آمادہ کریں۔

۱۰۔ اگر پھر بھی واقع ہو جائے تو نفس کو کچھ سزا دیں خواہ بدنی ہو یا مالی، مثلاً: دس رکعت نفل بطورِ جرمانہ ادا کریں یا کچھ روپیے خیرات کردیں یا ارادۃً اور قصداً ایسے افعال اختیار کریں جو عرفِ عام میں ذلت کا باعث سمجھے جاتے ہیں مثلاً: مسافروں کے پیر دبادیا کریں، نمازیوں کی جوتیاں جھاڑ کر سیدھی کردیا کریں۔

۱۱۔ اپنے عیوب کو سوچا کریں اور یوں سمجھیں کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسروں کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص یقینی معیوب ہو، وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے، اس لئے مجھے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے۔ (۱)

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۵۰-۳۵۱

قناعت کی اہمیت

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور لوگوں کی نگاہ میں بھی بہت بلند ہوجاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جب کچھ ملے اس پر راضی اور مطمئن ہوجائے اور زیادہ کی حرص ولالچ نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائیں، بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا چنانچہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات درجِ ذیل ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدرِ کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو اس قدر روزی پر قانع بھی بنایا " قد أفلح من أسلم ورُزق كفافا وقنعه الله بما آتاه "(۱)

یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پر مسرّت ہوجاتی ہے۔ اگر آدمی کے پاس دولت کے ڈھیر ہوں اور زیادہ کیلئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے اور " هل من مزيد " ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا، برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر وافلاس کے باوجود دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی، اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

---

(۱) مسلم : باب في الكفات والقناعة : حديث: ١٠٥٤

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دولت مندی مال واسباب سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے "لیس الغنی عن كثرة العروض ولكنّ الغنى غنى النفس" (۱)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور ﷺ (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور ﷺ! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ ﷺ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا: اصل دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے، اور اصل محتاجی اور فقیری بھی دل میں ہی ہوتی ہے "الغنى فى القلب، والفقر فى القلب" (۲)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مال طلب کیا، آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر مانگا، آپ ﷺ نے عطا فرمایا پھر آپ ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ وشیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص وطمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی، اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں رہتی، اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے، لہٰذا جہاں تک ہو سکے

---

(۱) بخاری: باب الغنى غنى النفس، حدیث: ٦٩٨١

(۲) مجمع الزوائد: باب ليس الغنى عن كثرة العرض، حدیث: ١٧٧٥٩، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک وہ شخص ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

اس سے بچنا چاہئے) حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ: (حضور ﷺ کی نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ بولوں گا "لا ازرا احدا بعدك شيئا حتى أفارق الدنيا "(۱)

اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حکیم بن حزام نے حضور ﷺ کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کے سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ نہیں ہوئے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت وامارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

فقیہ ابو اللیث ایک حکیم کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ ہم نے چار چیزیں تلاش کیں اور ان کی تلاش کا غلط راستہ اختیار کیا، ہم نے غنا کو مال میں تلاش کیا حالانکہ وہ مال میں نہیں تھا بلکہ قناعت میں تھا (ہم اس کو مال میں تلاش کرتے رہے وہ جب وہاں تھا ہی نہیں تو کیسے ملتا؟) ہم نے راحت کو (جان ومال کی) کثرت میں تلاش کیا حالانکہ راحت ان کی کمی میں تھی، ہم نے اعزاز کو مخلوق میں تلاش کیا (کہ ان کی خوشی کے اسباب اختیار کریں تا کہ ان کے یہاں اعزاز زیادہ ہوگا) ہم نے اللہ کی نعمت کو کھانے اور پہننے میں تلاش کیا (اور یہ سمجھا کہ اللہ کے بڑے انعامات ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہ کا بڑا انعام اسلام کی دولت اور گناہوں کی ستاری ہے (جس کو یہ دو نعمتیں حاصل ہیں اس پر اللہ کا بڑا انعام ہے)۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ قناعت اور سادگی ہی تو تھی کہ وہ اچھے اچھے کپڑوں اور

---

(۱) بخاري: باب الاستعفاف عن المسالة، حديث: ١٤٠٣

عالیشان تعمیروں اور بہترین سواریوں میں سوار ہونے کو اپنی عزت کا معیار نہیں سمجھتے تھے، بلکہ سادگی اور سادہ لوحی کو اپنانے اور خود سادگی کو اپنا کر اپنے اموال کو کارِ خیر میں خرچ کرتے۔

کپڑوں میں سادگی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ قصہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ چٹائی پر تشریف فرما تھے میں اندر جا کر بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ صرف لنگی باندھے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ جسم پر اور کچھ کپڑا نہیں ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر چٹائی کے نشانات ظاہر ہو رہا ہے اور مٹھی بھر ایک صاع (ساڑھے تین سیر) جو اور کیکر کے پتے (جو کھال رنگنے کے کام آتے ہیں) ایک کونے میں پڑے ہوئے ہیں، اور ایک بغیر رنگی ہوئی سوکھی کھال لٹکی ہوئی ہے (اتنا کم سامان دیکھ کر) میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے، حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیوں روتے ہو؟ اے ابن الخطاب! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! میں کیوں نہ روؤں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ چٹائی کے نشانات آپ کے جسمِ اطہر پر پڑے ہوئے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو مجھے نظر آ رہی ہے، ادھر کسریٰ اور قیصر تو پھلوں اور نہروں (دنیا کی فراوانی) میں ہوں اور آپ اللہ کے نبی اور برگزیدہ ہو کر آپ کی یہ حالت؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کیلئے دنیا "اما ترضى أن تكون لنا الأخرة ولهم الدنيا" (۱)

حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ "ایلہ" شہر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ مہاجرین وانصار بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے کافی لمبا سفر کر کے آئے تھے، اس لئے مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے ان کھردرے کپڑے والا کرتا پیچھے سے پھٹ گیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کرتا پادری کو دیا اور فرمایا: اسے دھو دو، اور اس میں

---

(۱) مسلم: باب في الايلاء واعتزال، حديث: ٣٧٦٤

پیوند بھی لگا دو، وہ پادری کرتا لے گیا اسے دھو کر اس میں پیوند بھی لگا دیا، اور اس جیسا ایک کرتا سی کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ہے؟ اس پادری نے کہا: یہ آپ رضی اللہ عنہ کا کرتا ہے جسے میں نے دھو کر پیوند لگا دیا ہے اور یہ دوسرا کرتا میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے، ”امّا هذا قميصك قد غسلته ورقعته، وأمّا هذه فكسوة لك مني“ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نئے کرتے کو دیکھا اور اس پر ہاتھ پھیرا (وہ نرم اور باریک تھا) پھر اپنا کرتا پہن لیا اور اس کا کرتا واپس کر دیا اور فرمایا کہ: (یہ پرانا کرتا) اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے (کیونکہ یہ موٹا ہے)۔

حضرت عبد الملک بن شداد کہتے ہیں کہ: میں نے جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا کہ ان پر عدن کی بنی ہوئی موٹی لنگی تھی جس کی قیمت صرف چار یا پانچ درھم تھی اور گیروے رنگ کی ایک کوفی چادر تھی ”رأيت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ يوم الجمعة على المنبر عليه ازار عدني غليظ ثمنه أربعة دراهم أخمسة دراهم، وريطة كوفية ممشّقة“ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا، انہوں نے دنبے کی کھال کو اپنی کمر پر باندھ رکھا تھا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کی طرف دیکھو جس کے دل کو اللہ نے نورانی بنا رکھا ہے، میں نے ان کا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جس زمانے میں ان کے والدین ان کو سب سے عمدہ کھانا اور سب سے بہتر مشروب پلایا کرتے تھے، اور میں نے ان پر وہ جوڑا بھی دیکھا ہے جو انہوں نے دوسو درھم میں خریدا تھا، ”انظروا الى هذا الذى نوّر الله قلبه لقد رأيته بين أبوين يغدوانه بأطيب الطعام والشراب، ولقد رأيت عليه

---

(۱) کنز العمال: زهده (عمر) رضی اللہ عنہ، حدیث: ۳۵۹۲۳

(۲) الترغيب والترهيب: كتاب اللباس والزينة، حديث: ۱۳۶۷، منذری کہتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حلّة شراها ۔أو شريت۔ بمائتی درهم ، فدعاه حبّ الله وحب رسوله الى ما ترون "اب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے ان کا فقر و فاقہ والا وہ حال کر دیا جو تم لوگ دیکھ رہے ہو؟ (۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ جاہلیت میں لوگوں میں بیان کر رہے تھے اور انہوں نے ایک لنگی باندھ رکھی تھی جس میں بارہ پیوند تھے "یلبس جبّة من صوف مرقوعة بعضها بأدم" (۲)

حضرت مجمع بن سمعان فرماتے ہیں کہ: حضرت ابو طالب بن علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر بازار گئے، اور فرمایا: مجھ سے میری یہ تلوار خریدنے کے لئے کون تیار ہے؟ اگر لنگی خریدنے کیلئے میرے پاس چار درھم ہوتے تو میں تلوار نہ بیچتا" فلو کان عندی أربعة دراهم أشتری بها ازارًا ما بعته " (۳)

کھانے میں سادگی

حضرت ابو رافع کی بیوی حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم میرے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ ہمارے لئے وہ کھانا تیار کریں جو حضور ﷺ کو پسند تھا، میں نے کہا: اے میرے بیٹو! میں پکا دوں گی؛ لیکن آج تمہیں وہ کھانا اچھا نہیں لگے گا" فقالوا : اصنعی لنا طعامًا ممّا کان یعجب النبی ﷺ أکله، قالت یا بنیّ اذًا لا تشتهونه الیوم " (خیر تم لوگوں کو اصرار ہے تو میں پکا دوں گی) چنانچہ میں اٹھی اور جو لے کر انہیں پیسا اور پھونک مار کر موٹی موٹی بھوس اڑا دی اور پھر اس کی ایک روٹی تیار کی اور پھر اس

---

(۱) الترغیب : کتاب اللباس والزینة ،حدیث: ۳۱۶۳

(۲) کنز العمال : تتمة زهد عمر بن الخطاب ،حدیث: ۳۵۹۴۱

(۳) البدایة : فصل فی ذکر شئی من سیرته : ۴/۸ ،دار احیاء التراث العربی

روٹی پر تیل لگایا اور اس پر کالی مرچ چھڑکی اور پھر اسے ان کے سامنے رکھا اور میں نے کہا: حضور ﷺ کو یہ کھانا پسند تھا۔ (۱)

حضرت عکرمہ بن خالد کہتے ہیں کہ: حضرت حفصہ ابن مطیع اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات بتائی کہ اگر آپ اچھا کھانا کھایا کریں تو اس سے آپ کو حق پر چلنے میں زیادہ قوت حاصل ہوگی، "لو أكلت طعامًا طيبًا كان أقوى لك على الحق" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم میں کا ہر آدمی خیر خواہ ہے، لیکن میں نے اپنے دونوں ساتھیوں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک راستہ پر چلتے ہوئے چھوڑا ہے، اگر میں دونوں کا راستہ چھوڑ دوں گا تو منزلِ مقصود میں ان سے نہیں مل سکوں گا یعنی ان کی والی منزل تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ (۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی یعلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کھانا کھلایا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسے لگا کہ جیسے انہوں نے کم کھایا ہو (وہ لوگ عمدہ کھانا کھانے کے عادی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا موٹا جھوٹا اور سادہ تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عراق والو! اگر میں چاہتا تو میرے لئے بھی عمدہ اور نرم کھانے تیار کئے جاتے جیسے تمہارے لئے کئے جاتے ہیں، لیکن ہم دنیا کی چیزیں کم سے کم استعمال کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا بدلہ آخرت میں مل سکے "لو شئت أن يدهمق لي كما يدهمق لكم، ولكنا نستبقي من دنيانا نجده في اخرتنا" کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک قوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا "أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا" (۳) تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے۔ (۴)

---

(۱) الترغيب: كتاب التوبة والزهد، حديث: ۴۹۷۰، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے سندِ جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۲) كنز العمال: فضائل الفاروق رضی اللہ عنہ، حديث: ۳۵۷۵۱

(۳) الاحقاف: ۲۰

(۴) حلية الاولياء: عمر بن الخطاب: ۱/۴۹

حضرت شرحبیل بن مسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو خلافت والا عمدہ کھانا کھلاتے اور خود گھر جا کر سرکہ اور تیل یعنی سادہ کھانا کھاتے " أنّ عثمان رضی اللہ عنہ كان يطعم الناس طعم الامارة ويدخل بيته فيأكل الخلّ والزيت" (۱)

قبیلہ بنی ثقیف کے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک دفعہ اپنے گھر بلایا، میں وہاں گیا، وہاں کوئی روکنے والا دربان نہ ملا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس پیالہ اور پانی کا ایک کوزہ رکھا ہوا تھا، انہوں نے ایک چھوٹا تھیلا منگوایا، میں نے سوچا یہ مجھے اس تھیلے میں سے کوئی قیمتی پتھر نکال کر دیں گے، انہوں نے اس تھیلے کی مہر توڑ کر تھیلا کھولا تو اس میں ستو تھا، چنانچہ اس میں سے ستو نکال کر پیالے میں ڈالا، خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا، میں اتنی سادگی دیکھ کر رہ نہ سکا، اور میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ عراق میں رہ کر یہ کھا رہے ہیں؛ حالانکہ عراق میں تو اس سے بہت زیادہ کھانے کی چیزیں ہیں؟ انہوں نے کہا: میں بخل کی وجہ سے اس پر مہر نہیں لگاتا ہوں؛ بلکہ میں اپنی ضرورت کے مطابق ستو خریدتا ہوں، ایسے ہی کھلے رہنے دوں تو مجھے ڈر ہے ادھر اُدھر نہ ہو جائے اور اڑ نہ جائے "ولكن ابتاع قدر ما يكفيني، فأخاف أن يفنى فيصنع من غيره، وانّما حفظي لذلك، وأكره أن أدخل بطني الا طيبا" (۲)

حضرت عطیہ بن عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے تھے، ان سے مزید اور کھانے کا اصرار کیا گیا تو انہوں نے کہا: میرے لئے یہی کافی ہے؛ کیونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: دنیا میں زیادہ پیٹ بھر کر کھانے والے قیامت کے دن بھوکے ہوں گے، اے سلمان! دنیا مومن کیلئے جیل خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت ہے " انّما الدنيا سجن المؤمن وجنّة الكافر " کہ مومن اللہ تعالیٰ کے احکام کا خود کو پابند بنا کر چلتا ہے اور کافر اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ (۳)

---

(۱) حلية الأولياء: عثمان بن عفان، ۶۰/۱

(۲) حليه الأولياء: على ابن ابى طالب: ۸۲/۱، دار الكتاب العربى، بيروت

(۳) حلية الأولياء: سلمان الفارسى، ۱۹۹/۱، علامہ حجر نے اس حدیث کو لین کہا ہے، فتح الباری: ۵۲۸/۹

مکان میں سادگی

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہ کے حجروں میں جاتا اور اپنے ہاتھوں سے ان حجروں کی چھتوں کو چھولیتا " فَأَتَنَاوَلُ سَقُفَهَا بِيَدِيْ "(۱)

حضرت داؤد بن قیس نے کہا کہ: میں نے امہات المؤمنین کے حجروں کو اندر سے جا کر دیکھا تو وہ کھجور کے تنوں سے چھائے گئے تھے، اور اس کے اوپر چمڑے وغیرہ ڈالے گئے تھے، میرا اندازہ ہے کہ ایک حجرہ کی چوڑائی حجرہ کے دروازے سے لے کر اس کی آخری دیوار تک چھ ہاتھ یا سات ہاتھ اور حجرے کے اندر کی گنجائش دس ہاتھ اور اس کی چھت آٹھ یا سات ہاتھ ہوتی یا اس کے قریب " وَأَحْرُزُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشَرَ أَذْرُعٍ وَأَظُنُّ سُمْكَهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبْعِ نَحْوَ ذٰلِكَ "(۲)

حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے تو وہ کجاوے کی چادر پر لیٹے ہوئے اور گھوڑے کو دانہ کھلانے والے تھیلے کو تکیہ بنائے ہوئے تھے، ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کے ساتھیوں نے جو مکان اور سامان بنالیئے وہ آپ نے کیوں نہیں بنالیئے؟ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! قبر تک پہنچنے کیلئے یہ سامان کافی ہے "يا أمير المؤمنين! هذا يبلغني المقيل" (۳)

☆ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم دل کے غنی تھے، کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی قناعت کی دولت سے مالا مال تھے، جب ان کے پاس کچھ مال و دولت اور اسبابِ دنیا آتے تو اس کو ذخیرۂ آخرت کر دیتے

---

(۱) الأدب المفرد: باب التطاول في البنيان، حديث: ٤٥٠، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب التطاول في البنيان، حديث: ٤٥١، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۳) الحلية: عبيده ابن الجراح: ١٠١/١، دار الكتاب العربي، بيروت

اور اس کو اللہ کی راہ میں لٹا دیتے، اپنے پاس مال و دولت میں کچھ جمع رکھنے کو قناعت اور توکل کے خلاف سمجھتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضورِ اکرم ﷺ حضرت بلال کے پاس تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے پاس کھجور کے ڈھیر ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: اے بلال! یہ کیا ہے؟ انہوں نہ عرض کیا: آپ ﷺ کے مہمان کیلئے یہ انتظام کیا ہے (جب بھی وہ آئیں تو ان کے کھانے کا سامان پہلے موجود ہو) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ کا دھواں تم کو پہنچ جائے؟ یعنی اگر تم ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی مر گئے تو پھر ان کے بارے میں اللہ کے یہاں سوال ہوگا۔ اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھو "أما تخشي أن يكون دخان في نار جهنم، انفق يا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا" (۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ کے پاس تین پرندے ہدیہ میں آئے، آپ ﷺ نے ایک پرندہ اپنی خادمہ کو دیا، اگلے دن وہ پرندہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں، حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے تجھے منع نہیں کیا تھا کہ اگلے دن کیلئے کچھ نہ رکھا کرو، جب اگلا دن آئے تو اس دن کی روزی بھی اللہ پہنچائے گا "الم أنهك أن ترفعي شيئا فانّ الله تعالیٰ يأتي برزق كلّ غد" (۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال آیا، آپ نے اُسے مسلمانوں میں تقسیم کیا، لیکن اس میں سے کچھ مال بچ گیا، آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا، لوگوں نے کہا: آپ اسے آئندہ پیش آنے والی ضروریات کیلئے

---

(۱) ابویعلی: مسند أبی هريرة، حديث: ٦٠٤٠، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے: اتحاف الخيره المهرة بزوائد العشرة، باب النفقة على البنات: ٤/٥٧

(۲) حلية الأولياء: يوسف الرازی: ١٠/٢٤٣، علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ: اس کے سند کے رجال ثقہ ہیں اتحاف الخيرة المهرة، باب النفقة على البنات: ٤/٥٧

رکھ لیں تو زیادہ بہتر ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل خاموش تھے، انہوں نے کچھ نہ کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالحسن! کیا ہوا آپ اس بارے میں کچھ کہہ نہیں رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: لوگوں نے اپنی رائے بتا تو دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں آپ کو بھی مشورہ دینا ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ (قرآن مجید میں خرچ کرنے کی جگہیں بتا کر اس مال کی تقسیم (بتانے) سے فارغ ہو چکے ہیں (آپ کو یہ بچا ہوا مال بھی وہاں ہی خرچ کرنا چاہئے) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا تھا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقسیم کرنا شروع کیا) ابھی آپ اس کی تقسیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رات آئی (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات مسجد میں گذار دی اور) ساری نمازیں مسجد میں پڑھائیں (یعنی سارا دن مسجد میں بیٹھ کر تقسیم کرتے رہے، گھر نہ گئے) میں نے دیکھا کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مال تقسیم نہیں کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر فکر اور پریشانی کے آثار رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تو یہ بقیہ مال آپ ہی کو تقسیم کرنا ہوگا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے تقسیم کر دیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس میں سے آٹھ سو درھم ملے

”لا جرم لتقسمنّه، فقسمه علی فأصابنی منه ثمان مائة درهم“ (۱)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا، میں ایک آدمی کے پاس سے گذرا، جب اس نے اپنے سارے جانور جمع کر دیئے تو میں نے دیکھا کہ ان جانوروں میں اس پر صرف ایک سالہ اونٹنی واجب ہوتی ہے، میں نے کہا: تم ایک سالہ اونٹنی دے دو، کیونکہ زکوۃ تم پر اتنی ہی بنتی ہے، اس آدمی نے کہا: یہ کم عمر اونٹنی نہ تو دودھ دے سکتی ہے اور نہ سواری کے کام آ سکتی ہے، البتہ یہ اونٹنی جوان اور خوب موٹی تازی ہے تم اسے لے لو، میں نے کہا: جس جانور کے لینے کا حکم نہیں میں اسے نہیں لے سکتا، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قریب ہی ہیں، اگر تم مناسب سمجھو تو تم مجھے جو دینا چاہتے ہو

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الانفاق والامساك، حديث: ۱۷۷۵۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں حجاج بن ارطاۃ ہیں، اور وہ مدلس ہیں۔

وہ خود جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دو، اگر وہ قبول فرما لیں تو میں بھی قبول کر لوں گا، اگر آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو پھر میں نہیں لے سکتا، اس نے کہا: ٹھیک ہے، ایسا کر لیتا ہوں؛ چنانچہ وہ میرے ساتھ چل پڑا اور اپنے ساتھ وہ اونٹ بھی لے لی جو مجھے پیش کی تھی، پھر ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، اس نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کا قاصد مجھ سے میرے جانوروں کی زکوۃ لینے آیا تھا اور اللہ کی قسم! اس سے پہلے نہ تو حضور ﷺ میرے جانوروں کی زکوۃ لینے آئے اور نہ حضور ﷺ کا قاصد، چنانچہ آپ کے قاصد کے سامنے میں نے اپنے سارے جانور جمع کر دیئے، آپ کے قاصد نے بتایا کہ مجھ پر زکوۃ میں صرف ایک سالہ اونٹنی واجب ہے جو کہ نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے کام آسکتی ہے، اس لئے میں نے آپ کے قاصد کے سامنے ایک جوان موٹی تازی اونٹنی پیش کی کہ اسے لے لیں، لیکن انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ اونٹنی یہ ہے کہ میں اسے لے کر آپ کی خدمت میں آیا ہوں تو حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: واجب تو تم پر وہی اونٹنی ہے تم اپنی مرضی سے اس سے بہتر جانور دینا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے بہتر جزا عطا فرمائے، ہم اسے قبول کر لیتے ہیں اور آپ ﷺ نے اس کیلئے برکت کی دعا کی "فأمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بقبضته ودعا له في ماله بالبركة" (۱)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک باندی تھی، جب وہ (اپنے اخلاق وعادات اور حسن وجمال کی وجہ سے) انہیں زیادہ پسند آنے لگی تو اسے آزاد کر کے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے اس کی شادی کر دی، پھر اس کا لڑکا پیدا ہوا تو حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اس بچے کو اٹھا کر اس کا بوسہ لیتے

---

(۱) ابوداؤد: باب في زكاة السائمة، حديث: ۱۵۸۳، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کو ابویعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کو ابوداؤد نے مختصراً نقل کیا ہے: اتحاف الخيرة المهرة، باب لا تؤخذ كرائم الأموال: ۱۵/۳۔

اور کہتے: واہ واہ، حضرت ابن عمر کو یہ باندی اچھی لگی اور یہ آیت یاد آئی " لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ " اور اس کو آزاد کر کے اس کا نکاح اپنے غلام کے ساتھ کر دیا " فأعتقها بن عمر رضی اللہ عنہ " (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب یہ آیت نازل ہوئی " مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا " (۲) کون شخص ہے ایسا جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دے تو حضرت ابوالدحداح نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا واقعی اللہ تعالیٰ ہم سے قرض لینا چاہتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں، حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اپنا ہاتھ ذرا مجھے عنایت فرمائیں، آپ ﷺ نے دستِ مبارک ان کی طرف بڑھایا، انہوں نے (حضور ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ کر) عرض کیا: ایک میرا باغ ہے جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں، میں نے اپنا وہ باغ اپنے رب کو بطورِ قرض دے دیا، پھر وہاں سے چل کر اپنے باغ میں پہنچے، ان کی بیوی ام دحداح اور ان کے بچے باغ میں تھے، انہوں نے آواز دی، اے ام دحداح! ان کی بیوی نے کہا: لبیک، انہوں نے کہا: باغ سے باہر آجاؤ، کیونکہ میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا ہے: " قال: اخرجی فقد أقرضته ربی " (۳)

حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہؓ نے روزہ رکھا ہوا تھا، ان سے ایک مسکین نے سوال کیا، ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی، انہوں نے اپنی باندی سے کہا: یہ روٹی اس مسکین کو دے دو، باندی نے ان سے کہا: (اس روٹی کے علاوہ) آپ کے افطار کیلئے کچھ بھی نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے کہا: (کوئی بات نہیں) تم پھر بھی اسے یہ روٹی دے دو، چنانچہ باندی کہتی ہے کہ: میں نے اس مسکین کو

---

(۱) کنز العمال: فصل فی آداب الصدقة، حدیث: ۱۷۰۲۰

(۲) البقرة: ۲۴۵

(۳) الترغیب والترھیب: باب فی الترغیب فی القرض، حدیث: ۲۳۱۹

وہ روٹی دے دی، جب شام ہوئی تو ایک ایسے گھر والے نے یا ایک ایسے آدمی نے جو کہ ہمیں ہدیہ نہیں دیا کرتا تھا، ہمیں ایک (پکی ہوئی) بکری اور اس کے ساتھ بہت سی روٹیاں ہدیہ میں بھیجیں، حضرت عائشہؓ نے مجھے بلا کر فرمایا: اس میں سے کھاؤ یہ تمہاری (روٹی کی) ٹکیہ سے بہتر ہے "كلي من هذا خير من قرصك" (۱)

حضرت محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ: مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو گذارہ کر لیتے تھے، لیکن ان کا گذر بسر کہاں سے ہوتا تھا اور ان کو کون دیتا تھا، اس کا کچھ پتہ نہ تھا، جب حضرت زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو ان کو ملنے والا گذارا بند ہوا، تو پتہ چلا کہ وہی ان کی کفالت کرتے تھے اور رات میں آکر ان کو دے جاتے تھے، ان کی موت کے بعد ان کی پیٹھ اور کاندھے پر بوریہ اٹھا کر بیواؤں اور مساکین کے گھر لے جانے سے نشانات بنے ہوئے تھے "ولما مات وجدوا في ظهرة وأكتافه أثر حمل الجراب إلى بيوت الأرامل والمساكين" (۲)

حضرت لیث بن سعد سالانہ ستر ہزار دینار کا پیداوار کرتے تھے، جس کے اور سب کو صدقہ کر دیا کرتے تھے، ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے، ان پر کبھی زکوۃ واجب نہیں ہوئی، ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھر دوگنی قیمت پر خریدا، ان کا وکیل اس گھر کو ان کے حوالے کرنے گیا تو دیکھا کہ وہاں یتیم چھوٹے بچے رہ رہے ہیں، انہوں نے ان سے اللہ کے واسطے اس گھر کو چھوڑے رکھنے کا مطالبہ کیا، یہ بات جب لیث کو معلوم ہوئی تو ان یتیموں کو یہ کہلا بھیجا کہ یہ گھر تمہارا ہی ہے اور اس کے ساتھ ہر دن کے ان کے گذارے کا انتظام کر دیا" أن الدار لكم ، ومعها ما يصلحكم كل يوم " (۳)

قناعت اور غنائے نفس اور حرام و حلال کی تمیز کیسی تھی، امت کی بیٹیوں کا بلند کردار دیکھئے، حضرت بشرؒ حافی کی تین بہنیں تھیں: مضغہ، مخہ، زبدہ، تینوں عابدہ، زاہدہ اور متورعہ تھیں، مضغہ جو سب سے بڑی تھیں، بشرؒ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئی تھیں، ان کی دوسری بہن کا واقعہ ہے،

---

(۱) مؤطا مالك : الترغيب في الصدقة ، حديث: ٣٦٥٥

(۲-۳) تربية الأولاد في الإسلام : ٣٣٨/١

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند ارجمند عبد اللہ کہتے ہیں کہ: ایک بڑھیا والد بزرگوار کے پاس آئی، کہا: جناب میں رات کو چراغ کی روشنی میں اور کبھی چاندکی چاندنی میں روئی کاتا کرتی ہوں، کیا فروخت کے وقت مجھ کو بتلا دینا چاہئے کہ چاندنی میں کاتا ہوا کونسا ہے اور چراغ کی روشنی میں کاتا ہوا کونسا؟ فرمایا: اگر تو دونوں میں کچھ تفاوت خیال کرتی ہے تو بتلا دیا کر، بڑھیا نے پھر یہ دریافت کیا کہ کیا بیمار کا کراہنا بھی شکایت میں داخل ہے، فرمایا: نہیں، بلکہ اللہ سے اشتکاء ہے، وہ چلی گئی تو والد بزرگوار نے فرمایا کہ: ایسے سوال کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا، عبد اللہ تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور خبر لاؤ کہ یہ کون ہے؟ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا، وہ بشر کے گھر میں داخل ہوگئی، میں نے سمجھا کہ ان کی بہن ہے، واپس آکر والد بزرگوار سے ذکر کیا، فرمایا: بخدا محال ہے کہ بشر کی بہن کے سوا یہ اور کوئی ہو۔

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ بشر حافی کی دوسری بہن والد بزرگوار کے پاس آئی، کہا: ابو عبد اللہ! میرا سرمایہ کل دو درہم ہے، ان کی روئی خرید لیتی ہوں اور سوت کات کر نصف درہم نفع پر بیچ دیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک درہم پر گذران کرتی ہوں۔ میں رات کو کات رہی تھی کچھ لوگ مشعل لئے ہوئے میرے پاس سے گذرے میں نے اس کی روشنی میں دو اٹی سوت کات لیا؛ لیکن یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس بارے میں مجھ سے مواخذہ فرمائیگا (کہ کیوں بلا اجازت دوسرے کی روشنی سے فائدہ اٹھایا) اب برائے خدا مجھے صورت نجات بتلا ئیے، خدا تعالیٰ تم کو بھی نجات نصیب کرے، امام احمدؒ نے فرمایا: کل سرمایہ کو خیرات کردے اور بالکل بے سرمایہ ہوجا تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے عطا کرے، وہ چلی گئی تو میں والد بزرگوار سے عرض کیا کہ کاش آپ فرمادیتے کہ وہ اسی قدر سوت نکال دیتی، فرمایا: لڑکے! جس درجے کا یہ سوال ہے اس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی تھی، لیکن یہ کون تھی؟ میں نے کہا: مخة، بشر حافیؒ کی بہن، فرمایا: تبھی تو یہ ایسے سوال کرتی ہے، بشر حافیؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے ورع، تقویٰ اپنی بہن سے سیکھا ہے، جس کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ جو کھانا وہ کھائے اس میں کسی مخلوق کا احسان نہ ہو۔(۱)

---

(۱) تاریخ المشاہیر: ۱۱۷ تا ۱۱۹، از قاضی محمد سلیمان منصور پوری، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

ایثار کی فضیلت واہمیت

اسلامی معاشرت اور اتحاد و اتفاق کی برقراری کیلئے ایک بنیادی چیز ایثار بھی ہے یعنی مخلوقِ خدا کے ساتھ ایثار کا رویہ اختیار کرے، ایثار کے معنی یہ ہیں کہ دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں اپنی راحت کو قربان کردوں اور اپنے مسلمان بھائی کو راحت پہنچاؤں، میں خود تکلیف اٹھالوں؛ لیکن اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچالوں، خود نقصان اٹھالوں؛ لیکن اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچاؤں۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایثار کو بیان کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا: "وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ "(۱) یعنی یہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں کہ سخت تنگدستی اور مفلسی کی حالت ہو؛ لیکن ایسی حالت میں بھی اپنے اوپر دوسروں کا ایثار کرتے ہیں۔

اس کے مقابل خودغرضی یہ ایثار کی ضد ہے، خودغرضی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنی کائنات میں الجھا رہے کہ کس طرح مجھے پیسے زیادہ مل جائیں، کس طرح مجھے عزت مل جائے، شہرت مل جائے؛ لہٰذا اگر انسان خودغرضی اور تکبر چھوڑ دے اور تواضع اختیار کرے تو سارے جھگڑے اور اختلافات ختم ہوجائیں، بقول حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے:

"اتحاد اور اتفاق اور اسلامی معاشرت کا بنیادی راستہ یہ ہے کہ اپنے اندر دو چیزوں کو پیدا کرلو، اگر یہ دو چیزیں پیدا ہوگئیں تو اتحاد قائم ہوجائے گا اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہوگی تو کبھی اتحاد قائم نہ ہوگا اور وہ دو چیزیں یہ ہیں: ایک تواضع اور دوسرا ایثار"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر ایثار اور اپنے اوپر دوسروں کو فوقیت دینے کے اوصاف ایسے پیدا کردئے تھے کہ وہ رہتی دنیا تک مثال بنے رہیں گے۔

---

(۱) الحشر: ۹

ہجرت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو ایک انصاری صحابی سعد بن ربیع ؓ کے گھر ٹھہرنا طے ہوا، حضرت سعد بن ربیع ؓ نے فرمایا: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرے مال کے میں دو حصے کیئے دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، تمہیں جو پسند آجائے میں طلاق دے دوں گا، عدت کے بعد تم نکاح کر لینا، لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے استغناء کے ساتھ فرمایا: بارك الله لك منّي أهلك ومالك وأين سوقكم؟ (۱) ہمیں بازار کا رخ بتلاؤ، کچھ ہی دن میں اتنا کمایا کہ سونے کا ڈلا بیوی کو مہر میں ادا کیا، یہی مزاج انصاری صحابہ ؓ کا بھی تھا خود رسول اللہ ﷺ نے بڑے بلیغ لہجے میں اس کا اظہار فرمایا: "تقلّون عند الطمع وتكثرون عند الفزع" (۲) مال وغیرہ ملنے کی جگہ تم کم ہوجاتے ہو، اور جان مال لگانے کی جگہ جہاں انسان گھبراہٹ محسوس کرتا ہے، تم زیادہ تعداد میں آجاتے ہو۔

مدنی معاشرہ کی تشکیل ہی ان بنیادوں پر ہوئی تھی کہ ہر ایک اپنا خرچ کرنا چاہتا تھا اور دوسرے کے بارِ احسان کو اپنے کاندھے پر لینے سے بچنا چاہتا تھا، اتنی خودداری ان میں پیدا کردی گئی کہ مالک بن سنان ؓ نے تین دن فاقہ گوارا کیا مگر غیر اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ سن لیا " من يستغنِ يغنيه الله ومن يستعفف يعفّه الله "(۳) تو اس کے بعد وہ لوگ اگر کوڑا زمین پر گر جائے تو اُسے اٹھانے کے لئے دوسرے سے سوال کرنا بھی تقاضۂ ایمانی کے خلاف سمجھتے تھے، وہ ایثار کی مثالیں قائم کیں کہ پروردگار عالم کی طرف سے سند دی گئی۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی ؓ کے پاس ایک شخص رات کو مہمان ہوئے، ان کے پاس اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ تھا، انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: تم بچوں کو سلا دو اور چراغ کو بجھا دو، اور جو کچھ تمہارے یہاں ہے

---

(۱) بخاری: باب اخاء النبیؐ، حدیث: ٣٥٦٩

(۲) كشف الشكل من حديث الصحيحين: ١/٨٩٠، دار الوطن، الرياض

(۳) ترمذی: باب الصبر، حدیث: ٢٠٢٤

وہ مہمان کے سامنے رکھ دو، تو ان کے اس عمل پر یہ آیت نازل ہوئی "یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ" (۱)

اور ایک روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو ایک بکری کا سر بطورِ ہدیہ پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ: میرے فلاں بھائی اور اس کے اہل وعیال اس کے زیادہ محتاج ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کے پاس بھیج دیا، اس طرح یہ بکری کا سر ایک گھر سے دوسرے پر ایثار کرتے ہوئے سات گھروں سے پہلے والے گھر کو پہنچ گیا "فلم يزل بواحد الی اٰخر حتّٰی تداولها سبعة أبيات حتی رجعت الی الأوّل" اور یہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی "یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ" (۲)

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایثار کی صفت کس درجہ پائی جاتی تھی، حضور اکرم ﷺ اپنی خصوصی تربیت سے انہیں کس قدر اوصاف حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ کا جامع بنایا تھا اس کا اندازہ ان واقعات سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں اپنی قبر کیلئے جگہ مخصوص کر رکھی تھی؛ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تحفۂ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا: "کنتُ اريده لنفسي ولأوثرنّ به اليوم علیٰ نفسي" (۳) میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ کر رکھا تھا؛ لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔

---

(۱) ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ الحشر، حدیث: ۳۳۰۴، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے

(۲) شعب الایمان: فصل ما جاء فی الایثار، حدیث: ۳۴۷۹، حاکم نے اس کو صحیح السند کہا ہے اور ذہبی اس مستدرک کی تعلیق میں اس کو ضعیف کہا ہے: المستدرك: تفسير سورة الحشر: ۳۷۹۹

(۳) بخاری: کتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حدیث: ۳۴۹۷

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہ، حضرت حارث بن ہشام، حضرت سہیل بن عمر رضی اللہ عنہم زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں، بولے: ان کو پلاؤ، حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے: ان کو پلاؤ، بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دے دی ”حتّٰی ماتوا ولم یشربوا“ (۱)

یاد رہے کہ یہ ایثار اور دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینا کسی دستر خوان یا تقریب میں نہیں، نہ حالتِ امن اور خوشی میں؛ بلکہ میدانِ جنگ میں زندگی کے آخری لمحات گذارتے ہوئے ہے۔

دوسری طرف اپنے معاشرہ پر بھی نظر ڈالئے، جہاں پر ہر ایک اگر امید نہیں کرتا ہے تو صرف اللہ سے اور ہر فرد دوسروں کو لوٹنے کیلئے فکرمند اور اپنا مال بچانے کیلئے کوشاں ہے؛ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان اعلیٰ انسانی اقدار کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بزرگانِ سلف کے ایثار کے واقعات وارشادات

سخاوت کے بلند درجوں میں سے ایثار ہے، ضرورت ہوتے ہوئے مال کو خرچ کر دینا ایثار ہے، اور سخاوت یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال کو خرچ کر دے۔

شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ: بلخ کے نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا، ہوا یوں کہ وہ نوجوان حج کے سفر میں ہمارے پاس آیا تھا، اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ: زہد کسے کہتے ہیں: میں نے جواب دیا کہ: ہمیں جو کچھ مل جاتا ہے وہ کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں تو ملتا صبر کر لیتے ہیں، اس نوجوان نے کہا کہ: ہمارے بلخ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں، یہ سن کر میں نے پوچھا: تمہارے نزدیک زہد کیا ہے؟ اس نے کہا: جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو اس کو ایثار کرتے ہیں (دوسروں پر صرف کرتے ہیں) اس کی یہ بات سن کر میں شکست خوردہ ہو گیا۔

---

(۱) الاستیعاب: ترجمة: ۱۰۲۵، ص: ۵۸۲، دار الاعلام، الأردن

ایک دوسرے بزرگ کا ارشاد ہے: ایثار میں کسی کو ترجیح نہیں ہے، بلکہ اس میں تمام مخلوق کے حقوق، ذاتی حقوق پر مقدم ہوتے ہیں، یعنی اس سلسلہ میں دوست اور شناسا کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

شیخ یوسف بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ: جو شخص خود کو کسی چیز کا مالک سمجھے وہ صحیح طور پر ایثار نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ وہ اپنی ملکیت کا خیال کرکے اس چیز کا حقدار اپنے آپ کو زیادہ سمجھے گا، ایثار وہی شخص کرسکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، جس کے پاس جو کچھ ہے بس اتنے ہی کا وہ حقدار ہے، پس اگر کوئی چیز مل جائے تو وہ اس کے پاس امانت ہے، چاہئے کہ وہ اس امانت کو اس کے ضرورت مند کے پاس پہنچادے۔

روایت ہے کہ شیخ ابوالحسن انطاکی کے پاس شہر رے کے قریب ایک گاؤں میں تیس سے زیادہ آدمی جمع ہوگئے، لیکن اس وقت ان کے پاس صرف چند روٹیاں تھیں، ان روٹیوں سے چار یا پانچ آدمیوں کا بھی پیٹ نہیں بھر سکتا تھا، لہٰذا انہوں نے ان سب روٹیوں کے ٹکڑے کئے اور یہ جب کھانے کیلئے بیٹھے تو چراغ گل کردیا، جب سب کھانا ختم کر چکے تو معلوم ہوا کہ تمام کھانا جوں کا توں رکھا ہے یعنی ایثار کے باعث اس جماعت میں سے کسی نے بھی نہیں کھایا، ہر ایک نے دوسرے کو کھانے کا موقع دیا اور اس طرح کسی نے بھی نہیں کھایا۔

جب صوفیائے کرام کے سلسلہ میں حکومتِ عباسیہ کے پاس شکایت کی گئی اور ان پر اتہامات لگائے گئے تو حضرت جنید بغدادیؒ تو اپنی فقہ دانی کے باعث عتاب سلطانی سے بچ گئے لیکن دوسرے مشاہیر مشائخ جیسے شیخ شامؒ اور شیخ ابوالحسن نوریؒ کو گرفتار کرلیا گیا، ان گرفتار شدگان کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا اور چمڑا بچھادیا گیا تو شیخ ابوالحسن نوریؒ آگے بڑھے، جب ان سے اس سبقت کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: میں اپنے ان بھائیوں کیلئے اپنی ایک گھڑی کی زندگی کا ایثار کررہا ہوں کہ یہ ایک گھڑی اور زندہ رہ لیں۔ (۱)

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۶۸ تا ۷۱

رشتہ جوڑنے کی اہمیت اور فضیلت

اگر دو مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلاف، دوری ہوگئی ہے، یا دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں تو ایسا کوئی کام کرنا جس کے نتیجے میں ان کے درمیان کا جھگڑا ختم ہوجائے اور دونوں کے دل آپس میں مل جائیں، تمہارا یہ عمل نماز سے بھی افضل ہے، صدقہ سے بھی افضل ہے۔

حضرت ابودرداء ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ ؓ سے پوچھا: کیا میں تمہیں ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اصلاح ذات البین" تعلقات اور رشتہ داری کو نبھانا، پھر آگے آپ ﷺ نے فرمایا: "وفساد ذات البین هی الحالقة" یعنی آپس کے جھگڑے، آپس میں نفرتیں اور ناچاقیاں یہ مونڈھنے والی چیزیں ہیں۔ (۱)

ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ آپس کے یہ جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈھنے والے ہیں؛ بلکہ یہ جھگڑے تمہارے دین کو مونڈھنے والے ہیں؛ کیونکہ جب آپس میں نفرتیں ہوتی ہیں اور جھگڑے ہوتے ہیں تو اس جھگڑے کی وجہ سے انسان نہ جانے کتنے بے شمار گناہوں کے اندر مبتلا ہوجاتا ہے، ان جھگڑوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کی غیبت ہوتی ہے، ایک دوسرے پر بہتان لگایا جاتا ہے ایک دوسرے کی ایذاء رسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں تو یہ جھگڑے بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔

اور ایک روایت میں صلہ رحمی اور رشتہ کو نبھانے کے دنیوی برکات کو یوں بیان کیا گیا:

"حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو)

---

(۱) ترمذی: صفة أواني الحوض، حدیث: ۲۵۰۹، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے" "من أحبّ أن يبسط له في رزقه وينساله في اثره فليصل رحمه" (۱)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں برکت ہوتی ہے، رشتہ داری کو نبھانے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور کشادگی اور اضافہ اور برکت کا ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔

آپسی رشتہ داری کو نبھانا، تعلقات کو قائم کرنا، جھگڑوں کو ختم کرنا یہ کتنا اہم کام ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ میں صرف ایک واقعہ ایسا ہے کہ صحت کی حالت میں آپ مسجد نبوی میں تشریف نہ لا سکے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، اس وقت آپ ﷺ لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے اور جھگڑا ختم کرانے کیلئے تشریف لے گئے۔

صلہ رحمی کی اہمیت وفضیلت اور قطع رحمی، تعلقات اور رشتہ داریوں کو توڑنے کی مذمت پر یہ روایت بھی نہایت واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔

حضور ﷺ نے اس شخص کیلئے جو محض جھگڑے سے بچنے کیلئے اپنا حق چھوڑ دیتا ہے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: " انا زعيم ببيت في وسط الجنّة من ترك المراء وهو محقّ" (۲)

میں اس شخص کیلئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔

---

(۱) بخاري: باب من أحبّ البسط في الرزق، حديث: ١٩٦١

(۲) ابوداؤد: باب في حسن الخلق: حديث: ٤٨٠٠، منذری کہتے ہیں کہ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور الفاظ اسی کے ہیں، اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے: الترغيب: الترغيب في الحياء، حديث: ٤٠١٥

آپسی تعلقات کو جوڑنے اور رشتہ داری کو نبھانے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا: ”لیس بالکاذب من اصلح بین النّاس فقال: خیرا أو نمی خیرا“ جھوٹا وہ نہیں ہے جو بھلائی کیلئے چغلی کرتا ہے، یعنی جو شخص ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے کی محبت پیدا کرنے کیلئے اور نفرت کو دور کرنے کیلئے کوئی ایسی بات کہہ دے جو بظاہر خلاف واقعہ ہو تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں شمار نہیں ہوگا، مثلاً یوں کہہ دے کہ: فلاں سے تم نفرت رکھتے ہو جبکہ وہ تمہارے حق میں خیر خواہ ہے اور تمہارے لئے دعا کرتا ہے، اب سامنے والا یہ تو سوچے گا کہ میں تو اس سے نفرت رکھتا ہوں؛ لیکن وہ میرے حق میں دعا کرتا ہے؛ لہٰذا اس کے دل میں اس کی قدر پیدا ہوگی، اس طرح جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ (۱)

بلکہ بعض فقہاء نے تو اس حدیث کی شرح میں دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے صریح جھوٹ بولنے کو بھی جائز کہا ہے؛ لیکن آج صورتحال بالکل الٹی ہوگئی ہے کہ کسی کو دو ملے ہوئے دل بھی اچھے نہیں لگتے، جہاں کہیں دیکھا کہ فلاں دو شخصوں میں محبت ہے تو وہ ان کے درمیان ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں کہ دونوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جائے۔

صلہ رحمی کی اہمیت اور قطع رحمی کی مذمت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کسی مکان وغیرہ کی فروختگی کے معاملے میں اختلاف ہوگیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس مکان کے بیچنے پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کا اظہار کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن زبیرؓ سے بات نہ کرنے کی نذر مانی، پھر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے معافی کی درخواست پر انہوں نے اپنی نذر کو توڑنے سے انکار کردیا، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بنی زہرہ کے دو آدمیوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے، پھر ان کے منانے اور سمجھانے، صلہ رحمی کے فضائل اور قطع رحمی کی قرآن اور احادیث میں وارد وعیدوں کے ذکر پر انہوں نے

---

(۱) ترمذی: باب اصلح ذات البین: حدیث: ۱۹۳۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے

اپنی نذر توڑ دی اور اپنی نذر کے توڑنے پر چالیس غلام آزاد کیے، وہ بعد میں اپنی اس نذر کو یاد کر کے روتیں جس کی وجہ سے ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا "وکانت تذکر نذرھا بعد ذلك فتبکی حتی تبلّ دموعھا خمارھا" (۱)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات نہ کرنے کی جو نذر مانی تھی اس پر غم وافسوس اور اُخروی اعتبار سے اس کے نقصان وخسران کو یاد کر کے رو پڑتیں، جس سے ان کا دوپٹہ تر ہو جاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے صلہ رحمی کے باوجود اس کے ساتھ قطع رحمی کرنے پر اس کو ملنے والے اجر وثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان کو جوڑتا ہوں تو وہ مجھ سے تعلقات توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، میں ان سے درگذر کرتا ہوں تو وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر بات ایسی ہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو تم ان کے منہ میں مٹی جھونک رہے ہو، تم جب تک ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو گے تمہارے اس فعل پر اللہ کی جانب سے تمہارا ایک مددگار ہوگا (یعنی ایک فرشتہ بطورِ مددگار اللہ کی جانب سے اس کیلئے متعین ہوگا جو اس سے لوگوں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کو دور کرتا رہے گا "ولا یزال معك من اللہ ظھیر علیھم مادمت علی ذلك" (۲)

آپ ﷺ نے رشتہ داری کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے بجائے غیر رشتہ داروں پر خرچ کو فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں کھجوروں کے اعتبار سے بہت زیادہ مال دار تھے اپنے مال میں انہیں سب سے زیادہ پسند اپنا باغ بیرحا تھا جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، رسول کریم ﷺ بھی اکثر اس باغ میں

---

(۱) بخاری: کتاب الأدب، باب الھجرة، حدیث: ۱۵۷۲۵

(۲) مسلم: باب صلة الرحم وتحریم قطیعتھا، حدیث: ۲۵۵۹

تشریف لے جاتے تھے اور وہاں کا پانی نوش فرماتے تھے جو بہت شیریں تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ’’نیکی کو اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے۔‘‘ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی یعنی جنت تک نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ اپنی اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے؛ لہٰذا بیرحاء جو تمام مال میں مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے میں اسے اللہ کے واسطے صدقہ کرتا ہوں اور اس سے نیکی کی امید رکھتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اللہ کے نزدیک میرے لیے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔ پس یا رسول اللہ ﷺ! اسے قبول فرمائیے جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو بتائے وہاں خرچ کیجیے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا شاباش! شاباش! یہ باغ نفع پہنچانے والا مال ہے جو کچھ تم نے کہا ہے میں نے سن لیا ہے میرے نزدیک مناسب ہے کہ تم اس باغ کو اپنے کو اقرباء میں تقسیم کردو، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے ارشاد کے مطابق ہی عمل کروں گا، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو اپنے اقرباء اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔(۱)

رشتہ توڑنے کے نقصانات

ایک روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا: اس قوم پر رحمتِ خداوندی کا نزول نہیں ہوتا جس میں قطع رحمی کرنے والا، والدین کا نافرمان اور شراب پینے کا عادی شخص ہو ” لا تنزل الرحمة علٰى قوم فيه قاطع رحم ولا الى عاق والديه والى مدمن خمر“ (۲)

اور ایک روایت میں فرمایا: حضرت ابوخراش سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

---

(۱) بخاری: باب استعذاب الماء، حدث: ۵۲۸۸

(۲) الأدب المفرد: باب لا تنزل الرحمة على قوم، حديث: ۶۳، بوصیری نے زوائد میں کہا ہے کہ: اس کو ابوبکر ابن ابی شیبہ، احمد بن منیع، بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے اور ان کے اسانید کا دارومدار ابوادام پر ہے اور وہ ضعیف ہیں: الاتحاف الخیرة المهرة: باب ما جاء في صلة الرحم: ۱/ ۷۷

رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے (ناراضگی کی وجہ سے) اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال تک ملنا جلنا چھوڑے رکھا، اس نے گویا اس کا خون کیا (یعنی سال بھر قطع تعلق کا گناہ اور ناحق قتل کرنا قریب قریب ہے) "من هجر سنة فهو كسفك دمه" (۱)

اور ایک روایت میں رشتہ داری کو قائم رکھنے اور تعلقات کو توڑنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے "رحمٰن" سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ: جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا "من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته" (۲)

قطع رحمی اور تعلقات کو توڑنے والے کی نحوست کی وجہ سے دعائیں تک قبول نہیں ہوتیں۔

حضرت اعمش ؓ سے روایت ہے کہ: حضرت ابن مسعود ؓ فجر کی نماز کے بعد ایک حلقہ میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے: اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ قطع رحمی کرنے والا یہاں سے اٹھ کر چلا جائے؛ چونکہ ہم دعا کر رہے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کیلئے بند ہوتے ہیں "انشد الله قطع رحم لمّا قام من عندنا فانّا نريدأن ندعوا ربّنا، وانّ أبواب السّماء مرتجّة دون قطع رحم" (۳)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بھی اسی قسم کا واقعہ امام بخاریؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ ابو ایوب سلیمانؒ کہتے ہیں کہ: ابو ہریرہ ؓ جمعرات کی شام اور جمعہ کی رات ہمارے یہاں آتے،

---

(۱) ابوداؤد: في هجرة الرجل أخاه، حديث: ٤٩١٥، حاکم نے کہا کہ: یہ صحیح السند ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے: المستدرك: كتاب البر والصلة، حديث: ٧٢٩٢

(۲) بخاري: باب من وصل وصله الله، حديث: ٥٦٤٢

(۳) شعب الايمان: باب في صلة الأرحام، حديث: ٧٩٦٤، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے اعمش کے ان کی ملاقات ابن مسعود سے نہیں ہے: الترغيب: كتاب البر والصلة: حديث: ٣٨٢٨

ایک دفعہ فرمایا: میں ہر قطع رحمی کرنے والے سے کہتا ہوں کہ وہ یہاں سے اٹھ کر چلا جائے، کوئی بھی شخص اس مجلس سے نہیں اٹھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین دفعہ کہی، ایک نوجوان اٹھ کر اپنی پھوپھی کے پاس آیا جس سے اس نے قطع تعلق کر رکھا تھا، جب وہ پھوپھی کے پاس آیا تو اس کی پھوپھی نے اس سے کہا: اے بھتیجے! میرے پاس تم کیسے آئے؟ اس نے کہا: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح سے کہتے سنا ہے، پھوپھی نے کہا: تم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ پوچھو کہ انہوں نے یہ بات کیوں کہی تھی، چنانچہ اس نوجوان کے پوچھنے پر انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”انّ اعمال بنی ادم تعرض علی اللّٰہ عشیّۃ کلّ خمیس لیلۃ الجمعۃ، فلا یقبل عمل قاطع رحمٍ“ (۱) بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کی شام اور جمعہ کی شب اللہ کے حضور میں پیش ہوتے ہیں، قطع رحمی کرنے والے کا عمل مقبول نہیں ہوتا۔

ابلیس لعین بھی اپنے کارندوں کو روزانہ بہکانے کیلئے بھیجتا ہے، ایک کارندہ آکر کہتا ہے کہ میں فلاں کو نماز سے روک دیا تو ابلیس اس پر شاباشی دیتا ہے، اور ایک آکر کہتا ہے کہ: میں نے فلاں کو روزے سے روک دیا تو وہ اسے بھی شاباشی دیتا ہے اور ایک یہ کہتا ہے کہ: فلاں نے صدقہ کا ارادہ کیا تھا، میں نے اسے صدقہ کرنے سے روک دیا، شیطان اسے بھی شاباشی سے نوازتا ہے اور ایک کارندہ آکر کہتا ہے: میاں بیوی آپس میں محبت سے رہا کرتے تھے، میں نے ان کے درمیان ناچاقیاں اور نفرتیں پیدا کر دیں؛ یہاں تک کہ دونوں کے درمیان جدائیگی ڈال دی، ابلیس یہ سن کر تخت سے اٹھتا ہے اور اسے گلے سے لگا لیتا ہے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے زمین خریدی، پس اس آدمی نے جس سے زمین خریدی تھی اس کی زمین میں سونے کے ایک گھڑے کو پایا تو اس آدمی سے کہا جس سے زمین خریدی تھی مجھ سے

---

(۱) الأدب المفرد: باب برّ الأقرب فالأقرب، حدیث: ٦١١، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں: الترغیب: کتاب البر والصلة: حدیث: ٣٨٢٤

(۲) مسلم: باب تحریش الشیطان، حدیث: ٢٨١٣

اپنا سونا لے لو میں نے تو تجھ سے صرف زمین ہی خریدی تھی میں نے تجھ سے سونا طلب نہیں کیا تھا تو اس آدمی نے کہا جس نے زمین فروخت کی تھی کہ میں نے یہ زمین مع جو کچھ اس میں ہو تجھے فروخت کر دی ہے چنانچہ انہوں نے اپنا یہ مقدمہ ایک آدمی کے سامنے پیش کیا، جس کے سامنے مقدمہ پیش کیا گیا اس نے کہا کیا تمہارے دونوں کی اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا میرا لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا میری لڑکی ہے۔ اس نے کہا کہ لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے کر دو اور یہ مال ان پر خرچ کر دو اور انہیں دے دو۔ " أنكحوا الغلام الجارية ، وأنفقوا على أنفسكما منه وتصدقا " (۱)

رشتہ نبھانا بھی دین ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ جاتے تو اپنے ساتھ ایک گدھا بھی رکھتے، جب اونٹنی پر سفر کرتے کرتے اُکتا جاتے تو آرام کرنے کیلئے اس پر بیٹھ جاتے اور ایک پگڑی بھی ساتھ لے جاتے جسے بوقتِ ضرورت سر پر باندھ لیتے، ایک دن وہ اس گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی کے پاس سے گذر ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کہ کیا تم فلاں ابن فلاں ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں وہی ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اپنا وہ گدھا دے دیا اور فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اور پگڑی بھی اسے دے دی اور فرمایا: اس سے اپنا سر باندھ لینا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی نے ان سے کہا: آپ رضی اللہ عنہ جس گدھے پر آرام کرتے تھے وہ بھی اسے دے دیا اور جس پگڑی سے اپنا سر باندھا کرتے تھے وہ بھی اسے دے دیا، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، (آپ نے ایسا کیوں کیا؟) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے انتقال کے بعد اس سے محبت و تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے (اس دیہاتی کے والد میرے والد کے محبوب دوست تھے

---

(۱) مسلم: استحباب إصلاح الحاكم بين الناس الخصمين، حديث: ٤٥٩٤

”انّ من ابرّ البرّ صلة الرجل اهل ودّ ابيه بعد أن يُولّى، وانّ أباه كان صديقًا لعمر“ (۱)

حضرت عونؒ کہتے ہیں: جب حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے ساتھی کوفہ سے مدینہ ان کے پاس آئے تو ان سے حضرت عبداللہ ؓ نے پوچھا: کیا تم ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: جی ہاں، یہ کام ہم نہیں چھوڑ سکتے، پھر پوچھا: کیا تم آپس میں ملتے رہتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں اے ابوعبدالرحمٰن! ہماری حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو اس کا بھائی نہیں ملتا تو وہ پیدل ڈھونڈھتا ہوا کوفہ کے آخری کنارے تک چلا جاتا ہے اور اس سے مل کر آتا ہے، حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا: جب تک تم یہ کام کرتے رہو گے تم خیر پر رہو گے، ”انكم لن تزالوا بخير ما فعلتم ذلك“ (۲)

تعلقات کو نبھانا بھی دین ہے

تعلقات اور رشتہ داریوں کو نبھانے کی اہمیت اور اس کا جزءِ ایمان ہونا آپ ﷺ کے اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بوڑھیا نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آئی، آپ ﷺ میرے یہاں تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں ”جثامه المزنيه“ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم حسانہ المزنیہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیسی ہو؟ تمہاری حالت کیسی ہے؟ تم ہماری ملاقات کے بعد سے اب تک کیسی رہیں؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں اس دوران بخیر و عافیت رہی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ اس پر اس قدر توجہ دے رہے ہیں

---

(۱) مسلم: باب بيان صلة أصدقاء الأب، حديث: ۲۵۵۲

(۲) المعجم الكبير: عبدا لله بن مسعود الهذلي: حديث: ۸۰۹۸ علامہ ہیثمیؒ اور منذری نے کہا ہے کہ: اس کو طبرانیؒ نے روایت کیا ہے اور اس میں انقطاع ہے: مجمع الزوائد: باب الزيارة واكرام الوالدين، حديث: ۱۳۵۹۰

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی، تعلقات اور رشتہ داری کو نبھانا بھی جزء ایمان ہے: "وانّ حسن العهد من الايمان" (۱)

☆ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ﷺ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے، "كان رسول الله اذا ذبح الشاة فيقول ارسلوا بها الى أصدقاء خديجة" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے اس معمول کے ذکر کرنے کے بعد کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا؛ لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کردیا؛ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے ان کی محبت دی ہے۔ (۲)

☆ ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان (اجازت مانگنے) کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی، آپ ﷺ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں اور آپ ﷺ بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی" "فارتاع لذلك، فقال اللهمّ هالة" (۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، ان کو رشک ہوا، بولیں آپ ایک بوڑھیا کو یاد نہ کرتے جو مر چکیں اور خدا نے آپ ﷺ کو ان سے اچھی بیویاں دیں۔

لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، جب

---

(۱) مستدرك: كتاب الايمان، حديث: ٤٠، دار الكتب العلمية، بيروت، حاکم اور ذہبی نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب فضائل خديجة، حديث: ٢٤٣٥

(۳) بخاری: باب تزويج النبى الخديجة، حديث: ٣٦١٠

لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جبکہ میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔(۱)

سلام سے قطع تعلق کی تلافی ہو جاتی ہے

اگر کسی کی کسی سے بات بند ہے یا اس سے تعلقات ٹوٹے ہوئے ہیں اور قطع تعلق کی وعید سے بچنا چاہتا ہے تو اگر یہ شخص اس کو جس سے بات بند ہے سلام بھی کر دیتا ہے تو وہ قطع تعلق کے نقصان اور اس کی وعیدوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق رکھے، اور جب تک وہ اس سے قطع تعلق رکھیں گے تو وہ حق سے ہٹے رہیں گے اور ان دونوں میں جو صلح کرنے میں پہل کرے گا تو اس کا پہل کرنا اس کے قطع تعلقی کے گناہ کا کفارہ ہو جائیگا، پھر اگر اس پہل کرنے والے نے سلام کیا اور دوسرے نے سلام قبول نہیں کیا اور اس کا جواب نہ دیا تو سلام کرنے والے کو فرشتے جواب دیں گے اور دوسرے کو شیطان جواب دے گا، اگر اسی (پہلی) قطع تعلقی کی حالت میں دونوں آ گئے تو نہ جنت میں داخل ہوں گے اور نہ جنت میں اکٹھے ہوں گے "وان ماتو علی صرامهما لم يدخلا الجنّة ولم يجتمعا فی الجنّة" (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے (قطع تعلق کر کے) اسے تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے لہٰذا اگر تین دن گذر جائیں تو اپنے بھائی سے مل کر سلام کر لینا چاہیے، اگر اس نے سلام کا

---

(۱) سیرۃ النبی ﷺ: ۲۳۹/۲، مکتبہ مدنیہ، لاہور

(۲) صحیح ابن حبان: باب ما جاء فی التباغض والتحاسد، حدیث: ٥٦٦٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، ابویعلی اور طبرانی روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الهجران، حدیث: ١٢٩٦٩

جواب دے دیا تو اجر وثواب میں دونوں شریک ہوگئے اور اگر سلام کا جواب نہ دیا تو وہ گنہگار ہوا اور سلام کرنے والا قطع تعلق (کے گناہ) سے نکل گیا "وان لم يرد فقد باء بالاثم" اور وہ قطع تعلق کے گناہ سے بچ گیا "وخرج المسلم من الهجرة" (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کیلئے درست نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو (اس سے قطع تعلق کرکے) تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے لہٰذا جب اس سے ملاقات ہو تو تین مرتبہ اس کو سلام کرے اگر وہ ایک مرتبہ بھی سلام کا جواب نہ دے تو سلام کرنے والے کا (تین دن قطع تعلق کا) گناہ بھی سلام کا جواب نہ دینے والے کے ذمہ ہوگیا "فاذا لقيه سلّم ثلاث مرارًا كلّ ذلك لا يردّ عليه، فقد باء باثمه" (۲)

عزیزوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنا دوہرے ثواب کا باعث

اپنے عزیزوں قرابت داروں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا اور ان کو دینا دلانا بہت اجر وثواب کی بات ہے، بہت سے لوگ صدقہ اور خیرات کے نام سے غیروں کو تو بہت دیتے ہیں؛ کیونکہ اس میں نام بھی ہوتا ہے، دوسرے لوگ سوال کرنے آجاتے ہیں اور اپنے لوگ غیرت مندی اور آبرو کی وجہ سے سوال نہیں کرتے، لہٰذا ان کی حاجتیں اور ضرورتیں رکی رہتی ہیں؛ حالانکہ اپنے عزیزوں پر خرچ کرنے میں دو ثواب ہوتے ہیں: ایک صدقہ کرنے کا، دوسرا عزیزوں کی خبر لینے کا اور خدمت کرنے کا، اسی کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة" (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب في الهجرة الرجل أخاه، حديث: ٤٩١٢، علامہ حجر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے: فتح الباری: باب الهجرة: ٤٩٥/١٠

(۲) ابوداؤد: باب في هجرة الرجل، حديث: ٤٩١٣، علامہ حجر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے: فتح الباری: باب الهجرة: ٤٩٥/١٠

(۳) ترمذی: الصدقة على ذي القرابة، حديث: ٦٥٨، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: سلمان بن عامر کی حدیث حسن ہے۔

مسکین کو صدقہ دینا صرف ایک صدقہ ہی ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنے میں دوہرا ثواب ہے؛ کیونکہ یہ صدقہ بھی ہے اور قرابت داری کے حقوق کی دیکھ بھال بھی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے ایک باندی سرور کونین ﷺ کے زمانے میں آزاد کردی، پھر اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: (آزاد کرنے کے بجائے) اگر اپنے ماموں کو دے دیتی تو یہ تیرے لئے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہوتا "فقال: لو اعطیتها اخوالك كان اعظم لاجرك" (۱)

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو خیرات کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اور کچھ نہ ہو تو زیور ہی کو خیرات کردیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ حکم سن کر اپنے شوہر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھو، اگر کچھ حرج نہ ہو تو جو کچھ خیرات کرنا ہے وہ میں تمہیں کو دیدوں، تم بھی محتاج ہو، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: خود تم جا کر پوچھو، یہ مسجد نبوی کے دروازے پر آئیں، وہاں دیکھا کہ ایک اور بیوی کھڑی تھیں اور وہ بھی اسی ضرورت سے آئی تھیں، ہیبت کے مارے ان دونوں کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اندر جا کر خود حضور ﷺ سے پوچھتیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نکلے تو ان دونوں نے کہا کہ حضور ﷺ سے جا کر کہو، دو عورتیں کھڑی پوچھتی ہیں کہ ہم لوگ اپنے خاوندوں اور یتیم بچوں پر جو ہماری گود میں ہو، صدقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ تم یہ نہ کہنا کہ ہم کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور ﷺ نے فرمایا: کون پوچھتا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک قبیلہ انصار کی بی بی ہے، اور ایک زینبؓ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون زینب؟ انہوں نے کہا کہ: عبد اللہ بن مسعود کی رضی اللہ عنہ بیوی، آپ ﷺ نے فرمایا: کہہ دو کہ ان کو دوہرا ثواب ملے گا، رشتہ کا لحاظ کرنے کا علیحدہ اور صدقہ کرنے کا علیحدہ۔ (۲)

---

(۱) مسلم: باب فضل النفقة والصدقة، حديث: ۹۹۹

(۲) بخاری: باب الزکوة على الأقارب: حديث: ۱۳۹۳

آپسی معاملات کو درست رکھیں

اسلامی معاشرت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپسی معاملات درست ہوں، خاندانوں میں جو اختلاف اور جھگڑے ہوتے ہیں اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ شریعت نے جن معاملات کی درستگی کا حکم دیا ہے اس کا پاس ولحاظ نہیں کیا جاتا، "تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب"(۱) تم آپس میں بھائیوں کی طرح رہو، اور معاملات اجنبیوں کی طرح کرو۔

مطلب یہ ہے کہ آپس میں تو بھائیوں کی طرح رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح معاملہ کریں جب لین دین کے معاملات پیش آئیں اور خرید وفروخت اور کاروباری معاملات آپس میں پیش آئیں تو اس وقت اجنبیوں کی طرح معاملہ کریں۔

اگر باپ بیٹوں کا بھی مشترکہ کاروبار ہو تو یہ بھی متعین ہو جانا چاہیے کہ بیٹا باپ کے ساتھ پارٹنر اور شریک کی حیثیت سے کام کر رہا ہے یا ویسے ہی باپ کی مدد کر رہا ہے، یا بیٹا بحیثیتِ ملازم اور تنخواہ دار کے مقرر ہے، اس حیثیت کے متعین نہ ہونے پر جب باپ گذر جاتا ہے اور اولاد صاحبِ اولاد ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان جھگڑا ہو جاتا ہے، شروع میں تو محبت کے کھوکھلے دعووں کے ذریعہ حساب وکتاب صحیح برقرار نہیں رکھا جاتا، جب صاحبِ اولاد ہو گئے تو خود بھائیوں کے درمیان محبت کے کھوکھلے دعووں کا بھرم کھل گیا، ساری لڑائی، جھگڑے، مقدمہ بازیاں، آپس کا تناؤ تو اس لئے ہوا کہ شریعت کے حکم کے مطابق معاملات صاف نہیں رکھے گئے، اس لئے خواہ کاروبار باپ بیٹے کے درمیان ہو یا بھائی بھائی کے درمیان یا بیوی شوہر کے درمیان؛ لیکن تعلقات کی درستگی اور پائیداری کیلئے ہر ایک کی ملکیت الگ ہونی چاہئے۔

اگر مشترکہ خاندان ہے تو باپ اور سرپرست یا تو یہ طئے کرے کہ سارے حضرات مجھے کمائیاں لاکر دیں اور میں ہی بیٹیوں اور بیٹوں کی شادیاں، زکوۃ، علاج ومعالجے اور تمام اخراجات

---

(۱) المستطرف فی کلّ فنّ من مستظرف: ۱۵۰/۱، دار الکتب العلمیة، الطبعة الثانیة: ۱۹۸٦م

ادا کروں گا، یا صرف کھانے پینے رہنے سہنے کے اخراجات پر بیٹے یا بھائی سے اس کے افراد کے اعتبار سے طے کر دے اور گھر کا امیر اُسے لے کر انتظام سے چلا کرے؛ ورنہ بھائیوں، بیٹوں یا ان کی بیویوں، بیٹیوں میں یہ اختلاف ہوتا رہتا ہے کہ: ہماری کمائیاں زیادہ ہیں، ہمارے اخراجات کم ہیں، بچے بیمار کم ہیں، مگر ہمارا مال برابر خرچ ہو رہا ہے، اور فلاں جمع کر رہا ہے، اور ہمارا مال صرف ہوتا جا رہا ہے، تیسری شکل یہ بھی ہے کہ سارے بیٹے الگ رہیں، اور ماہانہ کچھ طے شدہ رقم والدین کے مصارف کیلئے دیتے رہیں اور یہ معاملہ ان پر چھوڑ دیں کہ جس بیٹے، بیٹی کے ساتھ چاہے رہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا مزاجِ انسانی کا نباض شخص مال کی فراوانی کو اپنے گھر میں اور مدینہ کی گلیوں میں دیکھ کر روتا اور کہتا: یہ مال جس قوم میں آجاتا ہے، بغض وعداوت کے جراثیم ضرور پیدا کرتا ہے، ”لا تفتح الدنیا علی احد الّا ألقی بینھم العداوۃ والبغضاء“ (۱)

بہت نادانی کی بات ہے کہ گھر کی عورتوں کو اجتماعی زندگی کیلئے ضروری اوصاف جیسے نرمی، معاف کرنا، چھوٹا بننا، فکرِ آخرت، جس سے جیسا پردہ کرنا چاہئے ویسا پردہ تو نہ ہوا، اور مردوں کے دل مالیات کے مسائل میں کٹ پھٹ چکے ہوں، پھر بھی ایک چھت کے نیچے رہنے کا جذبہ (جو اکثر خاندان محلّہ میں اپنے جوڑ کو دکھلانے کیلئے ہوتا ہے) دنیا و آخرت کو برباد کرنے والا ہے، جب ان بھائیوں کو اپنے کنبے کے بڑھنے کے بعد یا خانہ جنگیوں کے بعد جدا ہونا ہے تو ابھی باہمی اعتماد کی فضاء میں دلوں کی صفائی کے ساتھ مشورہ کر کے الگ ہو جانا بہتر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کے درمیان لڑائی جھگڑے کے اندیشے سے ان کو یکجا رہنے سے منع کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جب صبح سو کر اٹھو تو اِدھر اُدھر پھیل جایا کرو، ایک گھر میں جمع ہو جایا نہ کرو؛ کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ تم ایک ساتھ رہ کر آپس میں جھگڑا کر بیٹھو،

---

(۱) مسند احمد: مسند عمر بن خطاب، حدیث: ۹۳، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو احمد نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: الترغیب: کتاب التوبۃ والزھد: حدیث: ٤٩٢٦

یا تمہارے درمیان کوئی شر سر اٹھائے "فانّی أخاف علیکم أن تقاطعوا أو یکون بینکم شرٌ" (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ نہ ایک جگہ رہنا ضروری ہے، نہ علیحدہ علیحدہ، اگر صلہ رحمی اور دلوں کا جوڑ اور دینی دنیوی کاموں میں تعاون ہو تو ایک جگہ رہنا بہتر ہے ورنہ اگر بچوں سے بڑوں کی لڑائیاں اور مالیات کی تقسیم پر عورتوں میں انتشار ہو رہا ہو تو الگ رہ کر ایک دوسرے کا حق ادا کریں اور والدین کی خدمت کو اپنے درمیان کسی طرح تقسیم کرلیں۔

میراث فوراً تقسیم کردی جائے

شریعت کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جوں ہی کسی کا انتقال ہوجائے، فوراً اس کی میراث تقسیم کردی جائے اور شریعت نے جس کا جس قدر حق رکھا ہے وہ ادا کردیا جائے، آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر وارثین سے یہ کہا جاتا ہے کہ بھائی میراث تقسیم کردو تو جواب میں کہا جاتا ہے: ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کردی۔؟

بغداد میں ایک سوداگر رہتا تھا، یہ بڑا ہی دیانت دار اور ہوشیار تھا، خدا نے کاروبار خوب چمکایا تھا، دور دور سے خریدار آتے اور اپنی ضرورت کا سامان خریدتے، اسی کے ساتھ خدا نے اس کو گھریلو سکھ بھی دے رکھا تھا، اس کی بیوی نہایت خوبصورت، نیک، ہوشیار اور سلیقہ مند تھی سوداگر بھی اس پر دل و جان سے فدا تھا۔

سوداگر کاروبار سے کبھی کبھی باہر جاتا اور کئی کئی دن گھر سے باہر سفر میں گذارتا، جب سوداگر نے جلدی جلدی سفر کرنے اور زیادہ وقت باہر گذارنے لگا تو بیوی کو شبہ ہوا، اور اس نے سوچا ضرور اس میں کوئی راز ہے، چنانچہ اس نے اپنی بھروسہ مند بوڑھی خادمہ کو اپنے اس شبہ سے مطلع کردیا تو اس نے تحقیق کیا تو پتہ چلا کہ اس نے یہاں سے دور ایک اور شادی کرلی ہے اور وہیں ٹھہرا رہتا ہے۔

---

(۱) الأدب المفرد: باب التفرقة بین الأحداث، حدیث: ۴۱۵، البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

بوڑھیا کے اس راز فاش کرنے کے بعد اس بیوی کو تھوڑی تکلیف تو ضرور ہوئی؛ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سوچا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب سوچ کر اپنے آپ کو کڑھانے سے کیا فائدہ، چنانچہ وہ حسبِ سابق شوہر کی خدمت میں لگی رہی، کبھی شوہر پر ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ اس کے اس راز سے واقف ہے، شوہر نے بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی یا کوتاہی ہونے نہیں دی، بہر حال بیوی نے سوچا کہ شوہر کا یہ تو جائز حق تھا، اس سے مجھ پر گراں گذرے گا، اس لئے مجھے معلوم ہونے بھی نہیں دیا اور نہ ہی شادی کے بعد میرے حقوق میں کوئی کمی کی، اس طرح وہ شوہر کی اور قدرداں ہوگئی، چنانچہ وہ ہنسی خوشی زندگی گذارتے رہے، پھر سوداگر کا انتقال ہو گیا، اس سوداگر کی دوسری شادی کی اطلاع کسی کو نہیں تھی، رشتہ داروں کو بھی یہی پتہ تھا کہ سوداگر کی صرف یہی ایک بیوی ہے، چنانچہ جب ترکہ کے تقسیم کا وقت آیا تو لوگوں نے یہ سمجھ کر ترکہ تقسیم کر دیا کہ سوداگر کی صرف ایک بیوی ہے، دوسری بیوی کا جس کا صرف اس پہلی بیوی کو پتہ تھا حصہ نہیں کیا، یہ نیک بیوی اس دوسری بیوی کو بھی شریک بنانا چاہتی تھی، پر شوہر کے اس راز سے کسی کو اطلاع دینا نہیں چاہتی تھی، اس نے ترکہ کے تقسیم کے وقت تو اپنا حصہ لے لیا، پھر اس نیک بیوی نے یہ سوچا کہ اگر میں اس بیوی کا حق مار کر کھا بیٹھتی ہوں تو اللہ عزوجل کو روزِ قیامت کیا منہ دکھاؤں گی؟ اس نے اس دوسری بیوی کو بھی اس میں حصہ دار بنانے کی ٹھان لی، چنانچہ اس نے اپنے ایک معتمد آدمی کو اس تمام واقعہ سے باخبر کر کے اس دوسری بیوی کو اپنے حصہ کا آدھا بھیج دیا، لیکن جس کے ہاتھ اس نے یہ حصہ بھیجا تھا وہ تھوڑے دن کے بعد واپس آ گیا، اس نے اس مال کے ساتھ دوسری بیوی کا ایک خط بھی ساتھ لایا۔

جس میں اس نے اولاد اور اس کے شوہر کے انتقال پر اس کو تسلی آمیز کلمات لکھے اور اس کی امانت داری اور شوہر کے راز سے مطلع ہونے کے بعد صبر وتحمل کے ساتھ گذاری ہوئی زندگی کا تذکرہ کر کے اس کو داد دی، پھر اس نے آگے لکھا کہ تم نے نہایت امانت داری کے ساتھ میرا حصہ روانہ کر دیا، لیکن ادھر کچھ دنوں سے ہم دونوں کے تعلقات بگڑ گئے تھے، انہوں نے

مجھے طلاق دے دی تھی، لہٰذا میں تمہارے بھیجے ہوئے حصہ کی حق دار نہیں رہی، یہ مال تمہارا ہے، دو سوکنوں کے آپسی اس خلوص نے ان دونوں کو تاحیات ایک دوسرے سے قریب کیئے رہا اور دونوں بہترین دوست بنی رہیں۔ (۱)

اولاد کے درمیان برابری کریں

آپسی معاشرت کی درستگی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ماں اور باپ اولاد پر بھرپور توجہ اور بچوں کو ہدایا اور عطایا وغیرہ دینے میں برابری کریں، تبھی یہ اولاد ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں یکساں سلوک کرے گی، بغیر کسی حاجت اور ضرورت کے عطا اور دینے میں بعض بچوں کو بعض پر ترجیح دینا اس عمل کی وجہ سے دوسروں کے دلوں میں کینہ اور حسد پیدا ہونے لگتا ہے اور خود ان کے مابین عداوت ودشمنی اور بغض وحسد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اعدلوا بین ابنائکم، اعدلوا بین ابنائکم، اعدلوا بین أبنائکم“ تین دفعہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا: اپنی اولاد میں انصاف اور برابری کرو، اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ بشیر بن سعد انصاری ؓ کی بیوی نے ان سے اپنے لڑکے کیلئے کچھ خصوصی مال وجائیداد کا مطالبہ کیا اور اس ھبہ اور عطیہ پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا لینے کو کہا: وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بیوی کی اس فرمائش کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ألہ اخوۃ؟“ کیا اس کے دوسرے بھائی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے سب کو اسی کے مثل دیا ہے تو انہوں نے کہا: نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ درست نہیں، اور میں حق پر ہی گواہ بن سکتا ہوں، ”فلیس یصلح ھذا، وانّی لا أشھد الّا علی الحق“ تمہارے بیٹوں کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تم ان کے درمیان عطا اور بخشش میں برابری کرو، جیسا ان پر تمہارے بارے میں یہ حق ہے کہ وہ تمہاری فرمانبرداری اور اطاعت میں برابری کریں،

---

(۱) بکھرے موتی: ۲۳۵/۲

”لا تشهدني على الجور، انّ لبنيك عليك من الحقّ أن تعدل بينهم كما لك عليهم من الحق أن يبرّوك“ (۱)

ہاں اگر کسی خاص وجہ سے بعض اولاد کو بعض کے مقابلے میں کچھ خصوصی عطیہ یا رقم یا جائیداد دے مثلاً: یہ کہ بچہ معذور ہو یا اندھا یا کسی جسمانی نقص یا کمزوری کا شکار ہو یا کثیر العیال ہو یا دینی تعلیم کے حصول میں لگا ہوا ہو، اور بعض اولاد کو اس وجہ سے نہ دے کہ وہ فاسق اور فاجر ہے، یا بدعتی ہے یا کو ان کے بے جا اسراف کر دینے یا گناہوں میں خرچ کر دینے کا اندیشہ ہو تو درست ہے۔ (۲)

اولاد کے درمیان برابری اور مساوات کو ملحوظ رکھا جائے اس بارے میں اس واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ: میرے پاس ایک عورت آئی، اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں، وہ مجھ سے کچھ کھانے کو مانگنے لگی تو میرے پاس صرف ایک کھجور تھا، میں نے وہ اسے دے دیا تو اس نے اس کھجور کو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا اور خود کچھ نہ کھائی ”فقسمتها بينهما ولم تاكل منها“ پھر کھڑی ہو کر چل دی، حضور ﷺ گھر تشریف لائے تو یہ واقعہ میں نے آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ان لڑکیوں سے کچھ بھی آزمایا جائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو وہ اس کیلئے جہنم کے واسطے آڑ بن جاتی ہیں۔ (۳)

شکوہ شکایت چھوڑ دیں

بعض لوگوں کو شکوہ شکایت کرنے کی بے جا عادت ہوتی ہے، ہر بات میں شکوہ کرتے ہیں، فلاں نے مجھ سے ملاقات نہیں کی، فلاں نے مجھے دعوت نہیں دی، فلاں نے مجھ پر توجہ نہیں کیا

---

(۱) صحیح ابن حبان: کتاب الهبة، حدیث: ۵۱۰۳، محقق شعیب الارنؤط اور البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) المغني: باب المفاضلة والتخصيص بين الأولاد وحكمها، ۲۹۸/۲، دار الفكر بيروت

(۳) بخاری: باب اتقوا النّار ولو بشقّ تمرة، حدیث: ۱۳۵۲

ایسے وقت یہ کیوں تصور نہیں کرلیا جاتا کوئی وجہ ہوئی ہوگی کہ جس کی وجہ سے اس نے مجھے تقریب میں نہیں بلایا، اس نے توجہ نہیں کیا، اس کو یاد نہیں رہا، یا اس کی کوئی مصروفیت تھی یہ شکوہ شکایت کے سلسلے بڑھتے ہیں تو نفرتوں اور عداوتوں کی دیواریں کھڑی ہوجاتی ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دعا سکھلائی تھی "اللّٰھُمَّ ثَبِّتْ رَجَائِیْ وَاقْطَعْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰی لَا أَرْجُوْ أَحَدًا غَيْرَكَ" (۱) اے اللہ! میری امیدیں صرف تجھ سے وابستہ کر، تیرے علاوہ دیگر لوگوں سے میری امیدیں ختم کردے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس سے امید ہوتی ہے اُسی سے شکوہ ہوتا ہے اور مخلوق سے امید کرنے والا ہمیشہ ذہنی کوفت اور معاشرتی بچھڑے پن کا شکار ہوجاتا ہے، امیدیں وابستہ کرنے کے لائق ذات صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: میں تمہیں لذیذ اور راحت والی زندگی کا ایک نسخہ بتاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کرلوگے تو پھر انشاء اللہ کسی کی طرف سے دل میں کوئی شکوہ شکایت نہ رہے گی، وہ یہ ہے کہ دل میں یہ سوچ لو کہ یہ دنیا خراب چیز ہے اور اس کی اصل بناوٹ تکلیف ہی کیلئے ہوئی ہے؛ لہٰذا مجھے اگر کسی انسان یا جانور سے تکلیف پہنچی ہے تو یہ تکلیف پہنچنا دنیا کی خلقت و پیدائش کے عین مطابق ہے، اور اگر دنیا میں کسی سے اچھائی پہنچے تو اس پر تعجب کرنا چاہیے، اور اس پر اللہ کا شکر کرنا چاہیے، مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوقات سے اپنی توقعات ہی ہٹالو، کسی سے کوئی امید نہ کرو، امید تو صرف ذاتِ خداوندی سے ہونا چاہئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام ایک غار میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک شخص کو مرا ہوا پایا اور اس کے سرہانے ایک تختی پر یہ لکھا ہوا تھا کہ: میں فلاں بن فلاں بادشاہ ہوں، میں نے ہزار سال عمر پائی، ہزار شہر بنائے، اور ہزار نکاح کیے، ہزاروں لشکروں کو شکست سے دوچار کیا، پھر میری یہ حالت ہوگئی کہ میں نے دراھم بھری ایک تھیلی ایک روٹی کے عوض دینی چاہی تو

---

(۱) الزهد لأحمد بن حنبل، زهد ابراهیم: ۱/ ۷۹، دار الریان، للتراث

مجھے روٹی نہ مل سکی، پھر میں نے جواہر سے بھری ہوئی ایک زنبیل اس کیلئے بھیجی تو تب بھی روٹی نہ ملی، میں نے جواہرات کو پیسا اور اس کو پھانک کر اسی وقت کھالیا، اگر کسی شخص کو روزانہ ایک روٹی مل جاتی ہے اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ روئے زمین پر اس سے بھی زیادہ کوئی مالدار شخص ہے تو اسے اللہ عزوجل ایسے ہی موت دے جیسے میری بری موت ہوئی" فمن أصبح وله رغيف وهو يحسب أنّ على وجه الأرض أغنى منه أماته الله كما أماتني" (۱)

آمد اور خرچ کا انتظام رکھے

مطلب یہ ہے کہ مال کے کمانے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو اور اس کے خرچ کرنے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی آدمی کے قدم (حساب کے موقع سے) نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو چکے گا (ان پانچ میں سے دو یہ بھی ہیں) اس کے مال کے متعلق بھی (سوال ہوگا) کہ کہاں سے کمایا (یعنی حلال سے یا حرام سے) اور کہاں خرچ کیا۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ کمائی میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے، جیسے سود لینا اور رشوت لینا اور کسی کا حق دبا لینا جیسے کسی کی زمین چھین لینا، یا موروثی کا دعوی کرنا، یا کسی کا قرض مار لینا، یا کسی کا حصہ میراث نہ دینا، جیسے بعضے آدمی لڑکیوں کو نہیں دیتے، یا اس کے کمانے میں اتنا منہمک ہو جانا کہ نماز کی پروا نہ رہے، یا آخرت کو بھول جائے، یا زکوۃ و حج ادا نہ کرے، یا دین کی باتیں سیکھنا، یا بزرگوں کے پاس آنا جانا چھوڑ دے اور اسی طرح خرچ کرنے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے گناہوں کے کام میں خرچ کرنا، یا شادی غمی کی رسموں میں، یا نام کیلئے خرچ کرنا، محض نفس کے خوش کرنے کو ضرورت سے زیادہ کھانے کپڑے یا

---

(۱) قصص العرب: ۱/۱۳۹

(۲) ترمذی: باب في القيامة، حديث: ۲٤۱٦، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

مکان کی تعمیر، یا سجاوٹ یا سواری شکاری یا بچوں کے کھیل کھلونوں میں خرچ کرنا، ان سب سے احتیاط کے ساتھ مال کمائے یا جمع کرے کچھ ڈر نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ایسا کرنا بہتر؛ بلکہ ضروری ہے جیسے بیوی بچوں کے ساتھ ہے اور ان کے کھانے پینے یا ان کو دین سکھانے میں روپیہ کی حاجت ہے، یا دین کی حفاظت میں روپیہ کی ضرورت ہے، یا مسلمانوں کی خدمت یا اسلام کی تبلیغ کی انجمنیں ہیں، یا اسلامی یتیم خانے ہیں یا مسجدیں ہیں، خاص کر جب دشمنانِ اسلام ان چیزوں کے مٹانے کے درپے ہوں، اور حالات ایسے ہوں کہ روپیہ کا مقابلہ روپیہ ہی سے ہوسکتا ہو۔(۱)

☆ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حلال کمائی کی تلاش کرنا فرض ہے بعد فرض (عبادت) کے۔(۲)

☆ حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں کیلئے ہے، (ان میں سے) ایک وہ بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال بھی دیا اور دین کی واقفیت بھی دی، سو وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کیلئے اس کے حقوق پر عمل کرتا ہے، یہ شخص سب سے افضل درجہ میں ہے۔(۳)

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ مال خوش نما، مزہ کی چیز ہے، جو اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے۔(۴)

---

(۱) حیات المسلمین:۲۴۳، مکتبہ اتحاد، دیوبند

(۲) شعب الایمان، حدیث: ۸۷٤۱، اس روایت کے راوی کثیر تنہا رہ گئے ہیں، لیکن طبرانی وغیرہ کی روایتیں اس کی شاہد ہیں، جس سے یہ روایت حسن درجہ کی ہوجاتی ہے۔

(۳) ترمذی: ما جاء مثل الدنیا أربعة نفر، حدیث: ۲۳۲۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے

(۴) بخاری: باب العمل الذی یبتغی به وجه الله، حدیث: ۲٤۲۷

☆ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا مال اچھے آدمی کیلئے اچھی چیز ہے۔(۱)

☆ حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دے گا۔(۲)

☆ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: مال پہلے زمانہ میں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں) ناپسند کیا جاتا تھا (کیوں کہ قلب میں دین کی قوت ہوتی تھی، اس لئے مال سے قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور اس کی خرابیوں پر نظر کر کے اس سے دور رہنا پسند کرتے تھے) لیکن اس زمانے میں وہ مال مومن کیلئے ڈھال ہے (یعنی اس کو بددیانتی سے بچاتا ہے) کیوں کہ قلب میں وہ قوت نہیں، پس مال کے نہ ہونے سے پریشان ہوجاتا ہے، اور پریشانی میں دین کو برباد کردیتا ہے) اور بھی فرمایا کہ: اگر ہمارے پاس یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بڑے لوگ ہماری صافی بنا لیتے (یعنی ذلیل وخوار سمجھتے اور ذلت سے بعض دفعہ دین کا بھی نقصان ہوجاتا ہے اور اب مال کے سبب بھی ہماری عزت کرتے ہیں اور عزت کے سبب ہمارا دین محفوظ رہتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ: جس شخص کے ہاتھ میں کچھ روپیہ پیسہ ہو اس کی درستی کرتا رہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہے یا کم ازکم اس کو برباد نہ کرے) کیوں کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی (اس میں)محتاج ہوجاتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دین ہی پر ہاتھ صاف کرتا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ: حلال مال فضول خرچی کو برداشت نہیں کرسکتا (یعنی اکثر وہ اتنا ہوتا ہی نہیں کہ اس کو بے موقع اڑایا جائے اور وہ بھی ختم نہ ہو، اس لئے اس کو سنبھال کر ضرورت میں خرچ کرے؛ تاکہ جلدی ختم ہونے سے پریشانی نہ ہو)۔(۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: احمد اور ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کے تمام طرق کا مدار ابوبکر بن مریم پر ہے اور ان کو اختلاط ہوگیا تھا۔

(۳) شرح السنة للبغوی: الرقاق: باب استحباب طول العمر للطاعة، تحت حدیث: ۳۹۹۳

☆ حضرت ابو سعید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سچ بولنے والا امانت والا تاجر (قیامت میں) پیغمبروں اور ولیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (۱)

اس سے حلال تجارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

☆ حضرت مقدام بن معدی کرب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ (۲)

اس سے حلال دستکاری کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالی نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اور آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراط (قیراط دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے) پر چرایا کرتا تھا۔ (۳)

اس سے ایسی مزدوری کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جس میں کئی لوگوں کا کام کیا جائے۔

☆ حضرت عتبہ بن منذر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حضرت موسیٰ ؑ نے اپنے کو آٹھ، دس برس کیلئے نوکر رکھا دیا تھا (حضرت شعیب ؑ کی بکریاں چرانے کیلئے)۔ (۴)

اس سے ایسی نوکری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں ایک ہی شخص کا کام کیا جائے۔

☆ ثابت بن ضحاکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (زمین کو) کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے اور فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔ (۵)

اس سے جائز کرایہ کی آمدنی کی اجازت معلوم ہوئی۔

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، حديث: ١٢٠٩

(۲) بخاری: كسب الرجل وعمله بيده، حديث: ٢٠٧٢

(۳) بخاری: باب رعي الغنم على قراريط، حديث: ٢٢٦٢

(۴) ابن ماجة: باب إجارة الأجير على طعام بطنه، حديث: ٢٤٤٤

(۵) مسلم: باب في المزارعة والمؤاجرة، حديث: ١٥٤٩

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ کوئی درخت لگاوے یا کچھ کھیتی کرے، پھر اس سے کوئی آدمی یا کوئی پرندہ یا کوئی مویشی کھاوے، مگر اس شخص کیلئے وہ (بجائے) خیرات ہوتا ہے۔ (۱)

اس سے کھیتی کرنے اور اسی طرح درخت لگانے یا باغ لگانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ (حلال) پیشہ کرنے والے مومن سے محبت کرتا ہے۔ (۲)

اس سے ہر حلال پیشہ کو اپنانے کی حلت معلوم ہوئی۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ (یہود) بنی نضیر کے اموال (مراد وہ زمینیں ہیں جو بذریعہ فتح مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں) رسول اللہ ﷺ کے (خرچ کے) لئے مخصوص تھے، آپ اس میں سے اپنی بیویوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں (یعنی جہاد کے سامان) میں لگا دیتے۔ (۳)

☆ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ و رسول ﷺ کی نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ مال تھام لینا چاہئے، یہ تمہارے لئے بہتر (اور مصلحت) ہے، (اور وہ مصلحت یہی ہے کہ گزر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہو پاتی) میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ تھامے لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے۔ (۴)

پہلی حدیث سے خود حضور ﷺ کا بقدر ضرورت ذخیرہ رکھنا اور دوسری حدیث سے حضور ﷺ کا اس کیلئے مشورہ دینا ثابت ہوا۔

---

(۱) بخاري: باب فضل الزرع والغرس، حديث: ۲۳۲۰

(۲) الشعب الايمان، حديث: ۱۲۳۷

(۳) بخاري: باب ما أفاء الله علي رسوله، حديث: ٤٨٨٥

(۴) ترمذي: التوبة: حديث: ۳۱۰۲

☆ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مال کے ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ (۱)

☆ حضرت انس وابوامامہ وابن عباس وعلی رضی اللہ عنہم سے (مجموعا ومرفوعا) روایت ہے کہ چال ردمیانی چال چلنا (یعنی نہ کنجوسی کرے اور نہ فضول اڑا دے بلکہ سوچ سمجھ کر اور سنبھال کر ہاتھ روک کر کفایت شعاری اور انتظام واعتدال کے ساتھ ضرورت کے موقعوں میں صرف کرے تو اس طرح خرچ کرنا) آدھی کمائی ہے، جو شخص (خرچ کرنے میں اس طرح درمیانی چال چلے گا وہ محتاج نہیں ہوتا، اور فضول اڑانے میں زیادہ مال بھی نہیں رہتا۔ (۲)

اس میں خرچ کے انتظام کا گر بتلایا گیا ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ زیادہ تر پریشانی وبربادی کا سبب یہی ہے کہ خرچ کا انتظام نہیں رکھا جاتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں ہے وہ ختم ہو جاتا ہے پھر قرض لینا شروع کر دیتے ہیں جس کے برے نتائج بے شمار ہیں۔

مذاق اور دل لگی سے پرہیز کیا جائے

ایک ہوتا ہے مذاق کرنا، ایک ہوتا ہے مذاق اُڑانا، مذاق کرنا تو درست ہے؛ لیکن کسی کا مذاق اُڑانا اس طرح سے کہ اس کا استہزاء کیا جائے، اور اس کے ساتھ ایسی دل لگی کی جائے جو اس کیلئے ناگوار ہو اور اس کی دل شکنی ہو، ایسا مذاق حرام اور ناجائز ہے، بعض لوگوں کی یہ طبیعت ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت ہر ملنے والے سے طنزیہ گفتگو کرتے ہیں اور وہ اسے اپنے لئے بڑا پن سمجھتے ہیں، یہ سب چیزیں جس سے مسلمان کی دل شکنی ہو حرام ہے، مومن کی حرمت اور عزت اللہ کے یہاں نہایت ہی محترم ومعزز چیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ کے

---

(۱) بخاری: باب قول اللہ تعالیٰ: لا یسألون الناس الحافا، حدیث: ۱۴۷۷

(۲) شعب الایمان، باب ۴۲، حدیث: ۶۵۶۸

یہاں کوئی چیز مومن سے محترم و معزز نہیں ہے "لیس شیئی اکرم علی اللّٰہ عزوجل من المؤمن" (۱)

ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیت اللہ کا طواف فرمارہے تھے، طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے بیت اللہ! تو کتنا عظیم ہے، تیری قدر و منزلت کتنی زیادہ ہے کہ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا گھر بنایا، تیری حرمت کتنی عظیم ہے؛ لیکن اے بیت اللہ! ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے مسلمان کی جان، اس کا مال، اور اس کی آبرو "انه نظر الیٰ الکعبة فقال: شرفك اللّٰه و کرمك و عظمك والمؤمن أعظم حرمة منك" (۲)

اس روایت میں سرکار دوعالم ﷺ فرمارہے ہیں: اگر کوئی کسی مسلمان کی جان، مال، آبرو پر حملہ کر دیا یا اس کا دل دکھا دیا تو بیت اللہ کو ڈھانے سے زیادہ سنگین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص مومن کامل ہو، وہ اللہ عزوجل اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ دوسرے کا ٹھٹا اور مذاق کر ہی نہیں سکتا، کسی کا مذاق اڑانا، اس کو حقارت آمیز الفاظ سے ملقب کرنا اس عمل کے پس پردہ کبر و غرور، اپنی بڑائی اور عظمت کا احساس مخفی ہوتا ہے اور یہ دراصل اللہ عزوجل کے یہاں بڑائی اور عظمت کے پیمانوں سے ناواقفیت اور جہالت کا نتیجہ ہوتا ہے، ارشادِ باری ہے "لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ" (۳) ایک گروہ دوسرے گروہ کا

---

(۱) مجمع الزوائد: باب منزلة المؤمن عند ربّه، حدیث: ۲٦۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے صغیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبید اللہ بن تمام ہے اور وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔

(۲) مجمع الزوائد: باب منزلة المؤمن عند ربّه: حدیث: ۲٦۳، علامہ ہیثمی کہتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے اور اس سند کے بارے میں احمد بن حنبل کہتے ہیں اصحابِ حدیث جب چاہتے ہیں اس سند سے استدلال کرتے ہیں اور جب چاہے ترک کر دیتے ہیں۔

(۳) الحجرات: ۱۱

مذاق نہ اڑائیں کیا عجب! کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب! کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

اللہ کے یہاں بھلائی، اچھائی اور خوبی کا معیار تو ایمان، اخلاص اور اللہ کے ساتھ لگاؤ اور وابستگی ہے، جسموں، صورتوں کی خوبصورتی، مال ودولت، عزت وحشمت ان کی اللہ عزوجل کے یہاں کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں، ارشادِ نبوی ہے: انّ اللّٰہ لا ینظر الیٰ صورکم ولا اموالکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم وأعمالکم "(۱) اللہ عزوجل تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

کیا کوئی انسان کسی انسان کا مذاق اس کے جسمانی نقص وکمی یا اس کے کسی پیدائشی عیب یا اس کے مال کی کمی کی وجہ سے کرسکتا ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ظاہر ہوگئی، وہ نہایت باریک اور دبلی تھی، بعض حاضرین نے اس پر ہنسا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم عبداللہ کی پنڈلی کی باریکی کی وجہ سے ہنس رہے ہو؟ "والّذی نفسی بیدہ لھما اثقل فی المیزان من جبل احد" (۲) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ نامۂ اعمال کے ترازو میں اُحد کے پہاڑ سے زیادہ بھاری اور وزنی ہے۔

ایک آدمی نے ایک حکیم ودانا شخص سے کہا: "یا قبیح الوجہ!" اے بدصورت!، انہوں نے کہا: میرے چہرے کی تخلیق اللہ نے میرے حوالہ نہیں کی کہ اس کو خوبصورت بناتا "ما کان خلق وجھی الیّ فأحسنہ" (۳)

---

(۱) المسلم: باب تحریم ظلم المسلم، حدیث: ۲۵٦٤

(۲) المعجم الکبیر: عبد اللّٰہ بن مسعود الھذلی، حدیث: ۸۵۳٦، علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ: اس کو بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: حدیث: ۱۵۵٦۳

(۳) احیاء العلوم: ۲۰٦/۳، مکتبۃ رشیدیۃ، کوئٹہ، پاکستان

حضور ﷺ کے سنجیدہ مزاح و مذاق کے نمونے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ہم سے مزاح کرتے ہیں؟، آپ ﷺ نے فرمایا: میں مزاح اور مذاق کرتا بھی ہوں تو حق ہی کہتا ہوں "انّی اقول الّا حقًّا" (۱)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہاں ان کے لڑکے کو جن کی کنیت "ابو عمیر" تھی غمزدہ دیکھا، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب ان کو دیکھتے تو ان سے مذاق کرتے، آپ ﷺ نے ان سے کہا: ابو عمیر! میں تمہیں غمزدہ دیکھ رہا ہوں، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جس پرندے (نغیر) سے وہ کھیلتے تھے وہ مرگیا، راوی کہتے ہیں: آپ ﷺ ان سے کہتے: "یا ابا عمیر! ما فعل النغیر" اے ابو عمیر! تمہارے "نغیر" نامی پرندے کا کیا ہوا؟ (۲)

☆ ایک دیہاتی شخص تھے، ان کا نام زاہر رضی اللہ عنہ تھا، وہ نبی کریم ﷺ کو دیہات کا کوئی ہدیہ لاکر دیا کرتے تھے، اور نبی کریم ﷺ ان کے جانے کے وقت ان کو شہر کا ہدیہ دیا کرتے، آپ ﷺ یوں کہا کرتے: "انّ زاهرًا باديتنا، ونحن حاضروه" زاہر ہمارے دیہات ہیں اور ہم ان کے شہر ہیں، رسول اللہ ﷺ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے، وہ نہایت بدصورت تھے حضور ﷺ ان کے پاس آئے، وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، ان کو حضور ﷺ نے پیچھے سے اپنے سینے سے چمٹا لیا، وہ آپ کو دیکھ نہیں پا رہے تھے، انہوں نے کہا: مجھے چھوڑ دو، تم کون ہو؟ وہ پیچھے پلٹے اور حضور ﷺ کو پہچان لیا، تو اپنی پیٹھ کو حضور ﷺ کے سینے سے اور لگانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من يشتري هذا العبد؟" اس غلام کو کون خریدے گا؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! تب تو میں بالکل معمولی قیمت میں

---

(۱) ترمذی: باب المزاح: حدیث: ۱۹۹۰، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) سنن النسائی الکبری: التسلیم علی الصبیان والدعاء، حدیث: ۱۰۱٦٤ محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

چلا جاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: "لکن عند الله لستَ بكاسدٍ، أو قال: لكن عند اللّٰه غالٍ" (۱) یعنی تم اللہ کے یہاں معمولی قیمت کے نہیں ہو، یا کہا: تم اللہ کے یہاں بہت زیادہ قیمتی ہو۔

☆ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ایک بوڑھیا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ سے دعا کیجئے کہ میں جنت میں چلی جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے، فلاں کی ماں! جنت میں تو بوڑھیا نہ جائے گی، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر: وہ روتی ہوئی واپس جانے لگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے کہو وہ بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہ جائے گی " أخبروها أنها لا تدخلها وهي عجوز" اللہ کا ارشاد ہے " اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا " (۲)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سواری طلب کی (یعنی کوئی اونٹ ایسا دیا جائے جو انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں آپ کو اونٹنی کے بچے پر سوار کردوں گا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو اونٹنی کے علاوہ کون جنم دیتا ہے " هل تلد الابل الّا النوق " (۳)

ظاہر ہے اونٹ اونٹنی کے پیٹ سے نکلتا ہے، اس کو اونٹ کا بچہ کہنا صحیح ہے اور اس میں ایک طرح کی تفریح بھی ہے کہ سننے والے کو یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی اونٹنی کا نومولود بچہ ہے اس پر بٹھادیں گے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب المزاح والضحك، حدیث: ۵۷۹۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء فی زاهر بن حزام، حدیث: ۱۵۰۷۹

(۲) الشمائل المحمدیة: باب ما جاء فی صفة مزاح رسول الله، حدیث: ۲۴۱، ابن کثیر کہتے ہیں کہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے: تفسیر ابن کثیر: سورة الواقعة: ۳۵۱/۴ دار الفکر، بیروت

(۳) ترمذی: باب المزاح: حدیث: ۱۹۹۱، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مذاق کرنے میں سامنے والے کی تحقیر نہ ہو، اس کی آبروریزی نہ ہو، اور بے ہودگی اور بے حیائی کا کوئی رنگ نہ ہو، خلافِ واقعہ یا جھوٹی بات نہ کہی جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کیلئے جنت کے درمیان ایک گھر کی ضمانت لیتا ہوں جو مذاق میں بھی جھوٹ کو ترک کردے، '' أنا زعیم ببیت فی وسط الجنّة لمن ترك الكذب ان كان مازحًا ''(۱)

خود نبی کریم ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ لعن طعن کرنے والے تھے اور نہ گالی گلوچ کرنے والے تھے '' لم یکن رسول الله فاحشًا ولا لعّانًا ولا سبّابًا ''(۲)

تجربہ یہ ہے کہ اس آدمی سے دل لگی کی جائے جس سے بے تکلفی کا تعلق بھی ہو، ورنہ مختلف قسم کی تلخیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

مزاح اور دل لگی کی حد کیا ہو؟

مزاح اور مذاق میں حد اعتدال میں رہا جائے، کسی کی عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے، تفریح طبع کیلئے غیر نقصاندہ ظریفانہ جملے کہہ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی سنجیدہ قسم کے مزاح کا تبادلہ آپس میں کیا کرتے تھے۔

حضرت بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب خربوز کی قاشیں ایک دوسرے پر پھینکتے، یہ ایک طرح کا تفریحی کام تھا؛ لیکن جب کوئی مسئلہ تحقیق طلب ہوتا تو یہی لوگ جو آپس میں ہنسی مذاق کرتے مردانِ کار ہوتے تھے '' یتبادحون بالبطّیخ فاذا كانت الحقائق كانوا هم الرجال'' (۳)

---

(۱) شعب الایمان: فصل فی المزاح: حدیث: ۵۲۴۳، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: ریاض الصالحین: ۱/۲۲۲

(۲) بخاری: باب بیان مکارم الاخلاق، حدیث: ۵۶۹۹

(۳) الأدب المفرد: باب المزاح: حدیث: ۲۶۶، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

یعنی ان کی آپس کی تفریحات یا ہنسی مذاق کے جملوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حضرات ہمیشہ غیر سنجیدہ کھیل اور تفریح کی حرکتیں کیا کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے پایہ کے محقق، حق گو، راست گفتار بزرگ تھے، اور ایسا نہیں تھا کہ ہر وقت چہروں پر خشونت، خشکی برستی ہو اور اپنے آپ کو عوام سے بلند دکھانے کیلئے نہ کبھی مسکرا کر بات کرتے ہوں اور نہ کسی تفریح میں حصہ لیتے ہوں۔

حضرت قتادہؒ تابعیؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نعم! والایمان فی قلوبھم اعظم من الجبل ہاں وہ بے شک ہنسنے کے موقع پر ہنستے بھی تھے، لیکن اس وقت بھی ان کے دِلوں میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر (بھاری) ہوتا تھا اور بلال بن سعد کا بیان ہے: أدرکتھم یشتدون بین الاغراض فاذا کان اللیل کانوا رھبانا: میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلے کیا کرتے ہیں) اور ایک دوسرے کو ہنستے ہنساتے بھی تھے پھر جب رات ہوتی تو بس دُرویش ہو جاتے۔

یہ نہیں کہ مذاق میں کسی کو خوف زدہ کر دیں اور اس کو اچانک پریشان کر دیں، یا اس کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیں، اس طرح پر کہ اس کی کوئی چیز چھپا دیں، یا کسی کو غفلت کی حالت میں ڈرا دیں آپ ﷺ نے اس قسم کا مذاق جس میں کسی مومن کو تکلیف ہو سختی سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ اس سے (ایسا) مذاق کرو (جس سے اس کو تکلیف پہنچے) اور نہ ایسا وعدہ کرو جس کو پورا نہ کرسکو " لا تمار أخاك ولا تمازحه وتعده موعدًا فتخلفه " (۱)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: تم میں کا کوئی شخص اپنے بھائی کے سامان کو نہ حقیقت میں لے اور نہ مزاق میں لے، اگر کوئی شخص کسی کی لاٹھی لے تو اسے لوٹا دے

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في المراء: حدیث: ۱۹۹۵، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

” فاذا أخذ أحدکم عصا صاحبه فلیردها الیه “ (۱)

حضرت ابوالحسن انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اٹھ کر چلا گیا اور اپنے جوتے بھول گیا، ان جوتوں کو ایک شخص نے لیا اور اس کو اپنے نیچے چھپالیا، وہ آدمی واپس آیا اور کہنے لگا: میرے جوتے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے تو نہیں دیکھا، چھپانے والے شخص نے کہا: وہ یہ ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مومن کو ڈرانا اور خوف میں مبتلا کرنا کیسا ہے؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے مذاق میں ایسا کیا تھا، آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ یہی کہا: مومن کو خوف زدہ کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ ” فکیف بروعة المؤمن؟ “ (۲)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا: ” لا تروّعوا المسلم فانّ روعة المسلم ظلم عظیم “ مسلمان کو گھبراہٹ میں نہ ڈالو، اس لئے کہ مومن کو گھبراہٹ میں مبتلا کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ (۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ایک شخص کو اس کی سواری پر اونگھ آ گئی، ایک دوسرے شخص نے اس کے ترکش سے تیر نکالا، وہ آدمی اچانک بیدار ہو کر گھبرا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ” لا یحلّ لرجلٍ أن یروّع مسلما “ کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کردے۔ (۴)

---

(۱) ترمذی: باب دمائکم واموالکم علیکم حرام، حدیث: ۲۱۶۰، اس روایت کو ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔

(۲) مجمع الزوائد: باب فیمن اخاف مسلمًا، حدیث: ۱۰۵۲۶ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ الہاشمی ہیں، یہ ضعیف ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب فیمن اخاف مسلمًا، حدیث: ۱۰۵۲۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں عاصم بن عبیداللہ ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۴) مجمع الزوائد: باب فیمن اخاف مسلمًا، حدیث: ۱۰۵۲۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور کبیر کے رجال ثقہ ہیں۔

دوستی اور دشمنی میں حدِّ اعتدال میں رہا جائے

آپ ﷺ نے آپسی تعلقات کے بناؤ، بہترین معاشرت اور اچھے رہن سہن کا ایک اُصول یہ بھی بتلایا ہے کہ: دوستی اور دشمنی میں حد اعتدال میں رہا جائے، دوستی میں افراط اور غلو اس آدمی کے دشمن ہو جانے کے بعد نقصان اور خسارہ کا باعث ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری کمزوریوں کی جانکاری کی وجہ سے تم کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائے گا، اور اسی طرح جب دشمنی ہو تو بھی اس میں بھی حد اعتدال میں رہا جائے کہ اس کے ساتھ دشمنی کے دوران اس قدر بدترین سلوک نہ کرے کہ کبھی اس سے دوستی ہونے پر پچھتاوا اور افسوس کرنا پڑے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: "أحبب حبيبك هونا مّا عسى أن يكون بغيضك يوما مّا وأبغض بغيضك هونا مّا عسى أن يكون حبيبك يوما مّا" (۱)

اپنے دوست سے دوستی میں شدت نہ اپنائی جائے کہ ہو سکتا ہے وہ کسی دن دشمن ہو جائے، اور اپنے دشمن سے دشمنی میں شدت اختیار نہ کرنا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔

دوستی اور دشمنی میں حد اعتدال میں رہا جائے اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری محبت ایسی نہ ہو کہ دل وجان سے فدا ہو جاؤ اور نہ تمہاری دشمنی اور نفرت کسی کو مٹا دینے والی ہو، راوی کہتے ہیں کہ: میں نے پوچھا: کیوں کر؟ فرمایا کہ جب محبت ہو تو ایک بچہ کی طرح چمٹ جاؤ اور دشمنی ہو تو اس کو ہلاک کرنے لگو" اذا احببت كلفت كلف الصبيّ، واذا أبغضت أحببت لصاحبك التلف"(۲)

---

(۱) ترمذی: الاقتصاد فى الحب والبغض، حدیث: ۱۹۹۷، امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے بوصیری نے زوائد میں کہا ہے کہ: یہ حدیث موقوف ہے، اس کی سند حسن درجے کی ہے، ہبیرہ مختلف فیہ ہیں اور اس کی سند کے باقی رجال ثقہ ہیں: اتحاف الخيرة المهرة بزوائد العشرة: باب الترغيب فى الحب فى الله: ۳۵/۶

(۲) الأدب المفرد: باب لا يكون بغضك تلفًا، حدیث: ۱۳۲۲، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

بلکہ دوستی اور دشمنی میں حد اعتدال میں رہا جائے، اعتدال اور میانہ روی بہر صورت ہر چیز میں پسندیدہ ہے، زیادہ دوستی اور دشمنی دونوں نقصان دہ ہوتے ہیں۔

اولاد، اہل وعیال اور دوست واحباب سے تعلقات اور دوستی کو برقرار رکھنا اور ان کے حق قرابت کو ادا کرنا نہایت ضروری ہے؛ لیکن اس دوستی، قرابت داری اور حق قرابت کی ادائیگی میں اس طرح منہمک اور مشغول نہ ہو جائیں کہ حقوق اللہ اور احکام خداوندی کا جنازہ نکل جائے، یہاں بھی تعلق اور حق قرابت کی ادائیگی میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا جائے۔

اس بارے میں حضور ﷺ کا معمول ملاحظہ کیجئے آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے درمیان ضرور ہوتے؛ لیکن جب حکم خداوندی کی ادائیگی کا وقت آتا یا جہاں حکمِ خداوندی ٹوٹتا ہوا نظر آتا فوراً آپ ﷺ کے تیور بدل جاتے اور جب تک اس حکم خداوندی کے دوبارہ بجالانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تو اس وقت تک آپ ﷺ کی ناراضگی برقرار رہتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ ہمارے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوتے تھے جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ کی حالت یہ ہو جاتی کہ گویا آپ ﷺ نہ ہم کو جانتے ہیں اور نہ ہم آپ ﷺ کو جانتے ہیں "یحادثنا ونحادثه فاذا حضرت الصلاة فكأنّه لم يعرفنا ولم نعرفه" (۱)

اور ایک موقع سے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے گھر پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا جس میں تصویریں تھیں، تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر پردہ کو پکڑ کر پھاڑ دیا " ثمّ تناول الستر فهتكه " (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: میں آپ ﷺ کے پاس کل آیا تھا، میں گھر میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ گھر کے دروازہ پر آدمی کا پتلا تھا اور گھر پر ایک باریک پردہ پڑا ہوا تھا

---

(۱) المغني عن حمل الأسفار: في فضائل الصلاة والسجود، حديث: ۱۰۵/۱، مكتبه طبريه رياض

(۲) بخاري: باب ما يجوز من الغضب: حديث: ۵۷۵۸

جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، اور گھر میں ایک کتا تھا، آپ ﷺ گھر کے سامنے موجود پتلے کو توڑ پھوڑ دیں اور اسے درخت کے مانند کردیں، اور پردے کو بھی پھاڑ دینے کا حکم دیں، اور اس سے دو تکیے بنانے کو کہیں جو گھر میں استعمال ہوتے رہیں گے اور کتے کو بھی گھر سے باہر نکالنے کو کہیں " فمر بالکلب فیخرج " (۱)

حضور ﷺ کی اپنے نواسوں کے ساتھ محبت کس قدر شدید تھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، ایک دفعہ حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران حسن وحسین رضی اللہ عنہما سرخ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آئے، آپ ﷺ بے ساختہ منبر سے نیچے اتر آئے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا، یہ تھی حضور ﷺ کی اپنے نواسوں کے ساتھ محبت، لیکن شرعی احکام کی پاسداری کا لحاظ ملاحظہ کیجئے کہ ایک دفعہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کا کھجور اٹھالیا اور اس کو اپنے منہ میں ڈالنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا " کخ، کخ " اس کو تھوک دو، اس کو تھوک دو، پھر فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ ہمارے لئے صدقہ کا مال کھانا جائز نہیں ہے " اما شعرت ان لا نأکل الصدقة " (۲)

معافی چاہنے میں دیر نہ کیجئے

قربان جایئے رسول اللہ ﷺ کی بے نفسی اور خوف الٰہی کے جذبہ پر، جن کو اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں بوجھل نہیں بنایا، جن کے سلام کی آواز بھی گھر میں اس قدر نپی تلی ہوتی تھی کہ سونے والے کی نیند خراب نہیں ہوتی، بیوی گواہی دے رہی ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ نبی رحمت ﷺ کے اخلاق ہیں، آٹھ سال کی عمر سے دس سال تک ساتھ رہنے والے انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے مارنا تو درکنار کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر، کیوں کا سوال بھی آقا نے نہیں فرمایا، غلام بنا کر بیچے جانے والے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے وہ محبت پائی کہ

---

(۱) ترمذی: ان الملائکة لا تدخل بیتا فیه صور، حدیث: ۲۸۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب ما یذکر فی الصدقة: حدیث: ۱۳۲۰

والد اور چچا کے آنے اور والد کے اپنے بیٹے کی محبت میں پڑھے ہوئے اشعار سن کر بھی محبت رسول ﷺ کو نہیں چھوڑا۔ بدر کے میدان میں صفیں بن رہی ہیں، رسول اللہ ﷺ نیزہ سے صفوں کو سیدھا کر رہے ہیں، ایک صحابی ؓ کو چبھنے پر بدلہ کا مطالبہ کیا؛ چونکہ ان کی پیٹھ کھلی تھی؛ اس لئے چادرِ مبارک ہٹانے کی درخواست کی اور شاہِ کونین اس کیلئے بھی تیار ہوجاتے ہیں اور وہ صحابی ؓ بجائے انتقام لینے کے پشتِ مبارک کو بوسہ لے لیتے ہیں، ان سب کے باوجود یہ دعا بھی فرماتے رہے، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی: " اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَا تُخْلِفْنِیْهِ ، فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اٰذَیْتُهٗ اَوْ شَتَمْتُهٗ ، اَوْ لَعَنْتُهٗ اَوْ جَلَدْتُّهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلَاةً وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُ بِهَا اِلَیْكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ " (۱) یا اللہ! میں آپ سے عہد لیتا ہوں، آپ اس کے خلاف نہ کیجئے گا، وہ یہ کہ میں ایک انسان ہوں؛ لہٰذا جس کسی مومن کو میں نے تکلیف دی ہو، اس کو برا بھلا کہا ہو، لعنت کی ہو، مارا ہو تو آپ ان سب چیزوں کو اس مومن کیلئے رحمت اور گناہوں سے پاکی اور اپنی قربت کا ذریعہ بنا دیجئے کہ اس کی وجہ سے آپ اس کو قیامت کے دن قرب عطا فرمادیں۔

ہر حق کی اتنی فکر ہے کہ وصال سے پانچ دن پہلے بخار نہایت تیز ہے اور بے ہوشی بار بار طاری ہو رہی ہے، تھوڑا سا افاقہ ہوا تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: جس کو میں نے (ناحق) کبھی کوڑا مارا ہو، یہ میری پیٹھ ہے وہ بدلہ لے لیں، اور جس کو میں نے برا بھلا کہا ہو تو مجھ سے انتقام لے سکتا ہے، "من كنتُ جلدت له ظهراً فهذا ظهري فليستقد منه ومن كنت شتمت له عرضا فهذا عرضي فليستقد منه " (۲)

---

(۱) مسلم : باب من لعنه النبي او سبّه ، حديث : ۲۶۰۱

(۲) مجمع الزوائد: باب في وداع النبي ﷺ، حديث: ۱۴۲۵۲ ، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو ابویعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے، ابویعلی کی سند میں عطاء بن مسلم ہیں جن کی ابن حبان نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے تضعیف کی ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں، اور طبرانی کی سند میں ایک غیر معروف شخص ہے۔

آج معاشرتی حقوق، زبان کے چند بول سے اور مالی حقوق حقیر دنیا کے مال سے ادا ہو جائیں گے؛ لیکن اگر اسی حال میں دنیا سے چلے گئے، زبان سے دیئے گئے زخم پر مرہم نہ لگایا؛ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو نہ جوڑا، ذمہ میں باقی قرضے، بہن کے میراث کا حق ادا نہیں کیا تو بارگاہِ خداوندی میں اپنے اعمال سے بدلہ دینا ہوگا اور جب وہ ختم ہو جائیں گے تو صاحبِ حق کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لینا پڑے گا۔

آج صحت ہے، آج مال ہے، آج زندگی ہے، آنے والے لمحات کیسے ہوں گے پتہ نہیں "بادروا بالأعمال سبعًا، هل تنتظرون الّا فقرًا مُنسيًا أو غنى مُطغيًا، أو مرضًا مُفندًا أو موتًا مجهزًا (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کے وقت مجھے بلایا اور کہا: جو کچھ سوکنوں کے درمیان ہوتا ہے وہ ہمارے بیچ بھی ہوا اللہ مجھے اور آپ کو معاف فرمائے، میں نے کہا: اللہ آپ کی تمام لغزشوں کو معاف فرمادے، امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، اللہ آپ کو خوش رکھے جیسا آپ نے مجھے خوشی پہنچائی "سررتني سرّك الله" اسی طرح انہوں نے حضرت امّ سلمہ ؓ سے معافی چاہی۔ (۲)

اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے سے عمر میں کم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے مرض الوفات میں انہیں منا کر معافی چاہی " ثمّ ترضّها حتّى رضيت " رسول اللہ ﷺ کے ترکہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ (۳)

---

(۱) ترمذی: المبادرة بالعمل: حديث: ۲۳۰۶، ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۸/۱۰۰، دار صادر، بيروت

(۳) السنن الكبرى للبيهقي: باب بيان مصرف أربعة اخماس، حديث: ۱۲۵۱۵، بیہقی کہتے ہیں کہ: یہ صحیح سند سے مرسل روایت ہے۔

موجودہ زمانے میں اصلاح کے دو طریقے

ہر مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے، فرد کی اصلاح سے ہی معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے، اور معاشرہ میں دین آجانے کے بعد دین پر چلنا آسان ہوجاتا ہے، ماحول کسی مجسمہ یا ناقابل تسخیر بھوت پریت کا نام نہیں؛ بلکہ ہمارے اعمال کا نام ماحول ہے، میرے اور آپ کے اعمال درست ہوجائیں تو ماحول بھی پاکیزہ ہوجائے گا، ہر شخص دوسرے کی اصلاح سے معاشرہ میں سدھار لانا چاہتا ہے، زندگیاں بدلنے کیلئے صرف کتابیں کافی نہیں ہیں، رجال اللہ یعنی اللہ والوں کی صحبتیں اور دینی مزاج بنانے والی تربیت چاہئے، پڑھنے سننے سے تقویٰ، صبر، شکر، قناعت فکر آخرت، ادائیگی حقوق کا جذبہ وغیرہ کے الفاظ معلوم ہوسکتے ہیں، مگر دل کی دنیا کا بدلنا اور طبیعت کا اس رخ پر چلنا آج کل عالمی اور عمومی سطح پر یا تو اہل اللہ کی صحبت ہے یا دعوت وتبلیغ کی محنت ہے، اگر آدمی سچی طلب لے کر حاضر ہو، اور جان مال کو قربان کرے، مردوں اور عورتوں کو ان کی مجالس اور اجتماعات میں لے جائیں تو ضرور دینی زندگی کا لطف میسر ہوگا، کورس تو صرف لفظ سکھاتے ہیں، لیکن انسان ہی انسان بناتے ہیں۔

تربیت کا ایک اہم اُصول...... تدریج!

جب کسی مرد کے نکاح میں کوئی خاتون آجاتی ہے تو، یا ساس کے پاس نئی بہو ہوتی ہے یا بعض لوگ دیندار بننے کے بعد بڑی بے صبری سے گھر کا نقشہ بدلنا چاہتے ہیں، ساس جلد از جلد بہو میں احساسِ ذمہ داری، اُمورِ خانہ داری انجام دینے کے طریقے سکھلانا چاہتی ہے، انہیں یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ دنیا دار الاسباب ہے، بنانے والے اللہ تعالیٰ نے بھی زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا: حالانکہ وہ امرِ کن سے بھی بنا سکتے تھے، درخت بیج ڈالتے ہی کھڑا نہیں ہوتا، بچہ پیدا ہوتے ہی چلنے نہیں لگتا، اسی طرح بچوں کو سنبھالنا، غصہ کا پینا، گفتگو کا انداز،

رشتوں کو نبھانا، زندگی کے اونچ نیچ کو سمجھنا یہ سب ایک دن میں نہیں ہوجاتا ہے، نہ ہی یہ کوئی مشروب ہے جو فوراً کسی کو پلا دیا جائے، اگر اہل اللہ کی صحبت سے سیرابی ہوتی رہے، احادیثِ رسول ﷺ کا نور ملتا رہے، تو سارے اندھیرے ختم ہوجاتے ہیں اور آہستہ آہستہ زندگی گذارنے کا اندازہ ہوتا ہے۔

علماءِ دین اور بزرگوں کے مشورے سے زندگی گذاریں

اجتماعی زندگی میں طبیعتوں اور مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے آپسی ناچاقیاں اور نااتفاقیاں پیدا ہوتی ہیں، کبھی مسائل اس قدر پیچیدہ اور مشکل ہوجاتے ہیں کہ ان مسائل کو سلجھانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، صورتحال اس قدر بھیانک ہوجاتی ہے کہ ”نہ اگلتے بنے اور نہ نگلتے بنے“ ایسے میں بزرگوں، علم وتقویٰ رکھنے والوں سے مشورہ کی بہت زیادہ اہمیت ہوجاتی ہے، ان کے مشورے سے کوئی حل ایسا نکل آتا ہے، وہ اپنے علم وبصیرت کی روشنی میں کوئی راہ ایسی دریافت کرسکتے ہیں، جس سے مسائل آسانی سے حل ہوجاتے ہیں، اس بارے میں خود نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور دیگر بزرگانِ دین کا یہی معمول تھا۔

حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی مشورہ کے بعد ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتا، ”لن يهلك امرؤ بعد مشورة“ (۱)

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام اپنے بیٹے سے کہتے ہیں: اے بیٹے! جب تک تم کسی علم وبصیرت رکھنے والے سے مشورہ نہ کرلو، اس وقت تک کسی کام کا پختہ ارادہ نہ کرلینا ”لا تقطع امرا حتى تؤامر مرشدًا“ چونکہ اگر تم ایسا کروگے تو کبھی غمزدہ نہ ہوگے۔ (۲)

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ: اللہ کی قسم جن لوگوں نے بھی مشورہ کیا تو

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: في المشورة من أمر بها، حديث: ۲۶۲۷۱

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: في المشورة من أمر بها، حديث: ۲۶۲۷۲

اپنے سامنے موجود بہترین چیز کو پا گئے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی " وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ "(۱) اپنے معاملات میں آپ ان سے مشورہ کیجئے۔

حضرت زہریؒ کہتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا "ما رايت احدًا اكثر مشاورة لأصحابه من رسول الله " (۲)

بڑی تعجب کی بات ہے کہ لوگ علماء اور قرآن وسنت کے ماہر تجربہ کار تقویٰ اور فتویٰ رکھنے والے حضرات کی خدمت میں جا کر اپنے مسائل حل نہیں کراتے، " فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ "(۳) (پس قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو منصف نہ بنائیں گے اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان اٹھے) قاضی اگر مخلص، بے لوث اور منصف بھی ہو تو کچھ نہ کچھ کھود کرید کرنے، اور معاملات کی دونوں طرف سے تحقیق کرنے کی وجہ سے دلوں میں دراڑیں پیدا ہو ہی جاتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر رشتہ دار ہو تو فیصلہ واپس کر دیا کرو (تا کہ وہ خود مصالحت کر لیں) قاضی کے فیصلے خلیج بڑھا دیتے ہیں "ردّوا الخصوم اذا كان بينهم قرابة فانّ فصل القضاء يورث بينهم الشّنَآن" (۴)

پھر خود غرض وکیل جوزانی ظالم کی حمایت کرنے بھی تیار ہو، اور خدا نا آشنا جج کا قلم بھی بک چکا ہوا، اور جہاں جیب خالی ہونے کے بعد بھی لوگ مقدمے ہار جاتے ہیں اور وہ مال ودولت کے پجاری جو مسائل پیچیدہ رکھ کر ہی اپنے دھندے چلا رہے ہوں ان سے مسائل کے حل ہونے کی امید کرنا بہت ہی نادانی اور حقائق سے اندھا پن ہے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه: فی المشورة من أمر بهاء، حدیث: ٢٦٢٧٥

(۲) صحیح ابن حبان: باب الموادعة والمهادنة، حدیث: ٤٨٧٢

(۳) النساء: ٦٥

(۴) السنن الکبریٰ للبیهقی: باب ما جاء فی التحلل وما یحتج به، حدیث: ١١١٤٤

شرعی پنچایت کا قیام

اسلام ایک اجتماعی اور آفاقی مذہب ہے، اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں رہیں اپنی شہری زندگی باقی رکھنے کیلئے نظام قضاء قائم کرنا اوّلین فریضہ تصور کیا ہے، اور قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کیلئے اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے قران کریم میں بڑے اہتمام اور حکیمانہ انداز سے اتحادی اور اجتماعی زندگی کا حکم فرمایا ہے

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (۱)

اور عام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اپنے مسائل کے حل کیلئے ذمہ دار علماء سے مراجعت کریں اور ان کے مشورے کے مطابق اپنے معاملات طئے کریں "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (۲)

اور ایک جگہ فرمایا کہ: ایمانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے خدا اور رسول ﷺ اور مسلم سربراہوں کی اطاعت ضروری اور لازمی ہے، نیز آپس کے نزاعی معاملات کو منشاء رسول ﷺ کے مطابق حل کرنے کیلئے قرآن وحدیث کے حاملین اور شریعت کے ذمہ داروں کے پاس پیش کرنے کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے: "یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" (۳)

اور امارت اور خلافت اور ولایت اور قضاءِ اسلام کے اجتماعی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ ایک مسلمان کی بہترین شخصی اور مدنی زندگی شرعی تنظیم کے بغیر ایک طرح کی رہبانیت ہے جو دائرہ اسلام میں نہیں آتی، بلکہ زمانۂ جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے۔

---

(۱) آل عمران: ۱۰۳ (۲) النحل: ۴۳ (۳) النساء: ۵۹

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جو لوگ اپنی مدنی زندگی اور شہری زندگی گذارنے میں امیر وقاضی کی اطاعت نہیں کرتے اور کسی امیر کے ہاتھ پر بیعت کیے بغیر مر جاتے ہیں وہ جاہلیت کی موت مرتے ہیں، اور آخرت میں خدائی عذاب سے بچنے کیلئے ان کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہ ہوگی، اور خالی ہاتھ دربارِ الٰہی میں ان کی پیشی ہوگی ”من خلع يدامن طاعة لقى الله يوم القيٰمة لا حجّة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية (۱)

نظامِ قضاء کو اس حدیث کے عموم سے خارج نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مذکورہ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثِ نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ نظامِ قضاء کے بغیر اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے، اور اسلام میں قضاء کی جس قدر اہمیت ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری بھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: جس کو عہدۂ قضاء کا حامل بنایا گیا ہے گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا ہے ”قال رسول الله ﷺ من ولّى القضاء أو جعل قاضيا بين النّاس فقد ذبح بغير سكّين“. (۲)

دارالکفر میں امارتِ شرعیہ کا قیام یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے؛ بلکہ قرآن وسنت میں اس سلسلے کے واضح شواہد موجود ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اجتماعیت کے ساتھ اقامتِ دین کا حکم دیا (۳) حالاں کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی مظلومیت اور مغلوبیت میں گذری۔

اسی طرح حضرت طالوت علیہ السلام کو اس وقت کا امیر بنایا گیا، جب بنی اسرائیل پر عمالقہ کا غلبہ حاصل ہو چکا تھا؛ بلکہ وہ ان سے جزیہ اور خراج وصول کر رہے تھے قرآنِ پاک میں ہے

---

(۱) بخاری: باب السمع والطاعة للامام، حدیث: ٦٧٢٤

(۲) ترمذی: باب القاضي، حدیث: ۱۳۲۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) الشوریٰ: ۱۳

" اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّھُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ " (۱) (ہمارے لئے ایک امیر بھیج دیجئے جن کے ساتھ مل کر ہم جنگ کریں) میں " مَلِکًا " سے مراد امیر ہی ہے۔ (۲)

اسی طرح حضرت طالوت کی یہ امارت دارالکفر میں تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی میں مکہ دارالحرب تھا اور مدینہ وغیرہ بھی اس وقت تک دارالکفر ہی تھا، اس لئے کہ وہاں مسلمان ہونے والوں کی تعداد بہت ہی معمولی اور تھوڑی تھی، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے جن باشندوں سے بیعت لی وہ امارت کی بیعت تھی کہ ہم آرام وتکلیف میں سمع وطاعت کی راہ اختیار کریں گے اور امیر سے نہ جھگڑیں گے۔ (۳)

ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدار عالی غیر مسلموں کو حاصل ہے کیا مسلمانوں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کیلئے اسلامی نظام قضاء قائم کرنا لازم ہے یا نہیں، جی ہاں! غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ کفار کو حاصل ہے وہاں کے مسلم باشندگان پر لازم ہے کہ اپنے نزاعی اور عائلی مسائل کیلئے حکومت سے اقتدار حاصل کر کے اسلامی نظام قضاء قائم کریں اور اگر حکومت سے اقتدار حاصل نہیں تو اقتدار حاصل ہونے تک کیلئے تراضی مسلمین سے نظام قضاء کا قیام اور آپسی تراضی سے کسی باصلاحیت شخص کو عہدۂ قضاء کیلئے انتخاب کرنا جائز اور درست ہوگا، اور وہ قاضی شرعی قاضی اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ (۴)

نیز کسی والی مسلم کی تلاش وجستجو جاری رکھنا، ایسے ممالک کے تمام مسلمانوں پر ہر ممکن صورت میں واجب ہے تا کہ نظم ونسق سب کچھ اسی کے حکم سے منشا شریعت کے مطابق جاری ہو سکے اور اسی کی ماتحتی میں قضاء کا نظام بھی چلتا رہے " ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على

---

(۱) البقرة : ۲٤٦

(۲) بیضاوی: البقرة : ۱/۱٤۹، دار احیاء التراث العربی ، بیروت

(۳) بخاری: باب کیف یبایع الامام، حدیث

(۴) فیض الباری : ۱/۱۸۸

المسلمین تعیین والٍ وامامٍ للجمعة وتحته فی الشامیة واما بلاد علیها ولایة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیًا بتراضی المسلمین فیجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم“ (۱)

اگر کفار کے غلبہ کی وجہ سے والی نہ ہو تو مسلمانوں کیلئے والی اور جمعہ کے امام کی تعیین ضروری ہے، اور جہاں کافر والی ہے تو مسلمانوں کیلئے جمعہ وعیدین کا قائم کرنا جائز ہوگا اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی کو طئے کیا جائے گا اور ان کیلئے مسلمانوں کے اتفاق سے مسلمان والی کی تعیین ضروری ہوگی۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ”وأمّا بلاد علیها ولاة الکفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیهم طلب والٍ مسلمٍ ه (۲)

اور جن شہروں میں کفار والی ہو تو مسلمانوں کیلئے جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی مقرر کیا جائے اور ان کو مسلمان والی اور حاکم کی جستجو ضروری ہے۔

البتہ مسلمانوں کی یہ جزوی امارت ان ہی قوانین کو نافذ کرے گی جس سے وہ عاجز اور مجبور نہ ہو، گویا ہندوستان کی شرعی امارت حدود وقصاص کے احکام کو نہ چھیڑے گی۔

پھر یہ مسئلہ فتاوی کی کتابوں میں بند نہیں رہا، بلکہ وقت کے بالغ نظر اور نبض شناس علماء نے اسے برتا ہے اور تاریخ کی کتابوں میں اس کے نظائر موجود ہیں، چنانچہ ایک عرب تاجر ”سلیمان“ اسلام کے ابتدائی عہد میں ملک چین میں مسلمانوں کے تنازعات کے حل کے سلسلے میں ”خانقو“ نامی شہر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہاں شاہ چین کی طرف سے مسلمانوں کیلئے خود مسلمانوں میں سے ایک ”حاکم“ (قاضی) متعین تھا، وہی مسلمانوں کیلئے عیدین اور جمعہ قائم کرتا تھا اور قرآن کے حکم کے مطابق ان کے تنازعات کے فیصلے کرتا تھا۔

---

(۱) الدر المختار مع الشامی: مطلب فی الاجتهاد وشروطه: ۳۶۸/۵، دار الفکر، بیروت

(۲) البحر الرائق: طلب القضاء، ۲۹۸/۶

اہل عراق حکومتِ کافرہ کے تحت مقرر ہونے والے ایسے مسلمان والی کو فارسی زبان میں ’’ہنر مند‘‘ کہا کرتے تھے اور ’’ابن شہر یار‘‘ کے سفر نامہ ’’عجائب الہند‘‘ میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے شہر مدراس کے قریب ایک جگہ ’’صیمور‘‘ میں مسلمانوں کیلئے ’’ہنر مند‘‘ مقرر تھے جن کا نام عباس بن ہامان تھا۔

اسی طرح مسعودی جس نے ۳۰۴ھ میں ہندوستان کی سیاحت کی ہے، نقل کرتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کے اس جنوبی علاقہ میں غیر مسلم کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ’’ہنر مند‘‘ جس کا نام ابوسعید بن زکریا تھا، یہ ہنر مند مسلمانوں کے رئیس اور امیر ہوتے تھے اور مسلمان ان کے احکام ماننے کے پابند تھے۔ (۱)

ہندوستان میں جس وقت مسلم حکومت کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا، انگریز اپنی شاطرانہ چال اور عیاری سے تجارت کی منڈیوں سے نکل کر حکومت کے تخت و تاج سے کھیل رہے تھے، خاندان ولی اللّٰہی کا ایک دردمند اور بالغ نظر مرد کا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنی آنکھوں سے ان حالات کو دیکھ رہا تھا، ان کی نظر دور اندیش نے سمجھ لیا کہ اب یہاں سے مسلمان کا سیاسی زوال ہونا ہی چاہتا ہے اور عملی طور پر اب ہندوستان میں مسلمانوں میں مسلمانوں کیلئے جو کام کرنے کا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی دینی اقدار کی حفاظت کیلئے یہ حکومت کے کاموں میں داخل انداز ہوئے بغیر ’’امارت‘‘ اور اس کے تحت قضاء کا شرعی نظام قائم کرلیں۔

انہوں نے ہندوستان دار الحرب قرار دیتے ہوئے جو فتویٰ دیا تھا وہ حسبِ ذیل ہے ’’اگر دار الحرب میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کیلئے کوئی والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے، ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو جو امین اور دیانت دار ہو اپنا سردار قرار دے لیں کہ اسی کی اجازت سے جمعہ اور عیدین کا قیام، ایسے نابالغ بچوں کے نکاح جن کا کوئی ولی نہ ہو، یتیموں کے مال کی حفاظت، نزاعی مقدمات میں شریعت کے

---

(۱) سفرنامہ سلیمان تاجر:۱۳۰، مطبوعہ: پیرس، عجائب الہند:۴۳، مروج الذہب:۸۶/۲،

متعین کردہ حصے کے مطابق وراثت کی تقسیم وغیرہ عمل میں آئے، نیز امور سلطنت میں کوئی مداخلت اور خلل اندازی بھی نہ کی جائے۔ (۱)

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی برطانوی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی علماء نے صرف فتوی ہی دینے پر اکتفا نہ کیا؛ بلکہ اس پر شور اور ہنگامہ خیز دور میں بھی برابر اس شمع رکھنے کیلئے کوشاں رہے، چنانچہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے امارت قائم کی اور اپنے عہد امارت میں مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ کو اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م: ۱۳۱۷ھ) نے امارت کی بنیاد رکھ کر مولانا رشید احمد گنگوہی کو اپنے محدود حلقہ امارت میں قاضی نامزد کیا۔

اس سلسلے کی آخری کڑی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد (۱۲۹۹-۱۳۵۹) ہیں، انہوں نے ملک گیر سطح پر برطانوی عہد میں نظام امارت کے قیام کی مہم چلائی اور بہار میں نظام شرعیہ کا قیام عمل میں لایا، پھر مختلف صوبہ جات میں یہ شکل روز افزوں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر صوبہ اور ہر ضلع کی سطح پر اس قسم کے پنچایت کا قیام عمل میں لایا جائے، تاکہ مسلمان اپنے خاندانی تنازعات اور طلاق، نکاح ومیراث کے عائلی مسائل میں مسلمان قاضی سے استفادہ کرسکیں یا کم از کم مسلمان کمیٹی قرآن وحدیث کی روشنی میں حاصل شدہ کسی مستند ادارہ کا فتویٰ نافذ کرے۔

---

(۱) فتاوی عزیزیہ : ۳۲/۱

زبان کی اہمیت

اللہ عزوجل نے انسان کو جب دنیا میں اپنی خلافت ونیابت کا حقدار بنانا چاہا تھا تو جو امتیازی وصف اللہ عزوجل نے انسان کو دیا تھا وہ مافی ضمیر کی ادائیگی، آپس میں تبادلۂ خیال اور ایک دوسرے کی آپسی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کو قوت گویائی اور زبان ولغت عطا کی، ورنہ اگر خلافت فی الارض اور نائب بنانے کا معیار باطنی کیفیات کا کمال اور عبادتِ ظاہری سے ہوتا تو فرشتے اس انسان سے کئی زیادہ مستحق تھے کہ وہ روئے زمین میں اللہ عزوجل کے خلیفہ اور نائب بنائے جاتے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے مقابلے امتیازی وصف دیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم لغت اور علم اسماء سے سرفراز کیا گیا اور جب علمِ اسماء کے امتحان میں حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے بازی لے گئے تو فرشتوں کو بھی حضرت کے خلافتِ الٰہی کے مستحق ہونے اور اپنے عاجز وبے کس ہونے کا احساس ہوا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ: اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ، قَالَ: يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّا اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (۱) اور آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ: ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اپنے قول میں سچے ہو، فرشتوں نے کہا: ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، ہمیں اس سے زیادہ کچھ علم نہیں جو تو نے ہم کو دیا ہے، بلاشبہ تو

---

(۱) البقرة: ۳۳

جاننے والا اور حکمت والا ہے، پھر آدم سے کہا: اے آدم! تو ان چیزوں کے نام بتا، پس جب آدم نے ان کے نام بتائے، (اللہ نے کہا:) (اے فرشتو) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کا دانا ہوں اور جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو، ان سب کا جاننے والا ہوں۔

بہرحال جب حکومت اور خلافت کا مسئلہ چھڑا تو یہ بات آئی کہ حکومت اپنا منشور اور اپنا دستور کس زبان میں پیش کرے گی، بہر حال خلافت کا اصل معیارِ علم کو قرار دیا گیا جس کی ادائیگی زبان اور لغت ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔

زبان اور قومیت

کسی بھی قوم اور حکومت کی وسعت اور کشادگی، اس کی تہذیب وتمدن کے پھیلاؤ اور ترویج واشاعت میں زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، کیونکہ کوئی بھی زبان اس قوم کی تہذیب وروایات اور اس کے مذہب وتمدن کو اپنے اندر ضم کیے ہوئے ہوتی ہے، اس لئے اقوام اپنے تہذیبی شعار کو باقی اور برقرار رکھنے کیلئے اپنی زبان کی ترویج واشاعت کیلئے کوشش کرتے ہیں، اس کیلئے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

آج کل کسی بھی قوم کے بقا کے میدان میں زبان کا مسئلہ نہایت اہم شمار کیا جاتا ہے، ہندوستان کا ہندی ہندی زبان کی ترویج کیلئے، عیسائی انگلش کیلئے، ایرانی فارسی کیلئے، افغانی پشتو کیلئے، حجازی عربی کیلئے جان توڑ کوشش کر رہا ہے، ان میں سے ہر ایک قوم سمجھ چکی ہے کہ اس کی قومی روایات، اس کا مخصوص تمدن ومعاشرت اور بالفاظِ دیگر قومیت کا تحفظ صرف ان کی زبان کے بقا وتحفظ میں مضمر ہے۔

اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کو اپنے اندر مدغم کرنا یا بالفاظِ دیگر اسے فنا کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی زبان اور لغت کے رائج کرنے پر زور دیتی ہے جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لغت کا اثر متاثر قوم کے اخلاق، عادات،

روایات اور مذہب ومعاشرت پر ضرور پڑتا ہے، پھر یا تو وہ مکمل اس قوم میں مل کر اسی کے اخلاق وعادات قبول کر لیتی ہے یا کم ازکم اپنی مخصوص قومیت اور شعائر سے بیگانہ ہوکر ایک مخلوط (ملی جلی) قومیت پیدا کر لیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ٹمل زبان والا، کنڑ زبان والا اپنی زبان کی حفاظت کیلئے جنگ لڑ رہا ہے، چین اپنے ملک میں انگریزی کو داخل ہونے نہیں دیتا، فرانس اپنی زبان کے لئے کروڑوں روپیئے خرچ کر رہا ہے۔

زبان کی اسی اثر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”من کثر سواد قوم فھو منھم، ومن رضی عمل قوم کان شریك من عمله“ (۱) جو شخص کسی قوم میں گھس کر (مثلاً: بواسطۂ لغت) اس کی جمعیت میں اضافہ کرے وہ اسی قوم سے ہوجائے گا، اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوگیا (مثلاً: اردو میں ہندی کے اختلاط اور غلبہ سے) وہ اسی قوم کے عمل کا شریک سمجھا جائے گا۔

بہرحال ہر ایک قوم کی زبان اور اس کا لٹریچر صرف اسی قوم کی تہذیب وتمدن کی ترجمانی کرتا ہے، ہر قوم اپنی زبان کے ذریعہ اپنی خصوصی مذہبی روایات اور اپنے ہی احوال وکیفیات کا اظہار کرتی ہے۔

موجودہ زمانے کو دیکھ لیجئے چاند اور سورج کے پجاری، یونانی تہذیب نے ہفتہ، اتوار کو سنڈے اور منڈے کا نام دیا، جسن کی دیوتا کا نام ”فرائی“ تھا، اس سے ”فرائڈے“ رکھ لیا، جنوری، فبروری کے ناموں میں بھی مشرکانہ مزاج کے اثرات ہیں، ”تھینک یو“ ”بائے بائے“ کوئی دعا نہیں، انگریزی زبان کے محاورے خود اس قوم کی خودغرضی، بے حیائی، خدا بیزاری کے اثرات کو زبردست طریقے سے اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

دوسری زبان کی اثر انگیزی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انگریزی زبان کے راستہ سے جب اس کا مخصوص تمدن اور اس کی تہذیب ہندوستان آئی تو جس کی وہ ترجمان تھی تو مفتوح قوم نے نہ صرف اس زبان دانی پر ٹھہری، بلکہ اپنی تہذیب وروایات اور اپنے مذہب ومعاشرت کو چھوڑ کر اس جدید زبان اور اسکی تہذیب وتمدن اور اس کے طرز ومعاشرت میں مل گئی۔

---

(۱) الزهد والرقائق: باب استماع اللهو، حدیث: ۱۲/۲

یہی وجہ ہے کہ ایران کے فتح ہونے سے پہلے فارسی زبان جو ایرانی روایات وتہذیب ومعاشرت کی ترجمان تھی، اسلامی روایات اور تمدن سے بالکل متضاد تھی، اس لئے اسلام نے فارسی کی عمومی تعلیم کی اجازت نہیں دی، کیونکہ اس صورت میں فارسی زبان کے راستہ سے ایرانی روایات وطرز معاشرت کے اسلامی معاشرے میں راہ پانے کا اندیشہ تھا، جس کی وجہ سے عرب قوم فارسی سے مانوس ہونے کی بناء پر کچھ تو اپنی عربی تہذیب کی نمائندگی کرتی اور فارسی زبان کے راستہ سے اس کے روایات کو بھی اپنے اندر سموتی، کچھ ادھر کچھ ادھر کے ہوجاتے، اس کو حضور ﷺ نے نفاق سے تعبیر فرمایا: ”من یحسن أن یتکلّم بالعربیة فلا یتکلّم بالعجمیة فانّها یورث النفاق“ (۱) جو عربی اچھی طرح بول سکتا ہے وہ (عجمی) نہ بولے؛ کیونکہ وہ نفاق پیدا کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی تھی ”ایاکم ورطانة الأعاجم“ عجمیوں کی سی بک بک سے بچو، اور فرمایا کہ وہ دھوکہ ہے۔ (۲)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو عجمی یعنی فارسی میں قبل از فتح ایران گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”مابال المجوسیة بعد الحنفیة ؟“ (۳) یہ حنفیت کے بعد مجوسیت کیسی؟

یہاں حضور ﷺ نے اس وقت کی فارسیت کو نفاق اور فاروق اعظم نے دھوکہ بتلا کر یہ اصول بتایا کہ جب تک کسی قوم کی زبان پر اپنا اور اپنے مزاج وذوق کا رنگ چڑھ نہ جائے، اور ہمارے مخصوص اعتقادات واخلاقیات اس کا غالب عنصر نہ بن جائے اس کی عام تعلیم یا اسے عام طور پر قبول کرنا دھوکہ، نفاق اور دورخی پن پیدا کرتا ہے، جس سے انسان نہ پوری طرح اپنا ہی رہتا ہے، نہ غیر ہی کا ہوتا ہے۔

اس سے پتہ یہ چلا کہ ایک لغت ایک مستقل قومیت کی ترجمان ہوتی ہے، فارسی لغت کو

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم: فصل فی الاعیاد: ۱۱/ ۴۹

(۲) اقتضاء الصراط المستقیم: ۱۱/ ۶، دار عالم الکتب، بیروت

(۳) اقتضاء الصراط المستقیم: فصل فی الاعیاد: ۱۱/ ۴۸

مجوسیت کہا گیا جو ایرانی امت کا لقب ہے، عربی زبان کو حنفیت کہا گیا ہے جو اسلامی شریعت کا لقب ہے۔

تبلیغ و دعوت اور دیگر سیاسی تعلقات وضروریات کیلئے غیر زبان کو سیکھنا

اگر کسی زبان کو اس پر مکمل غلبہ حاصل کرنے اور بالکل فتح کرنے سے پہلے کسی اسلامی ضرورت سے مثلاً دعوت وتبلیغ یا غیر ممالک سے سیاسی وغیر سیاسی تعلقات کو قائم کرنے کیلئے سیکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایک تو ہے کسی غیر زبان میں کلام کرنا، یا خصوصی طور یا مخصوص افراد کو اس کی تعلیم دینا ہے، اور دوسرے اسے بطورِ شعار قبول کرنا، پہلی صورت تو جائز ہے، دوسری صورت میں بطورِ شعار کے اس زبان کو اسی وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ زبان بالکل مفتوح ہو کر اس کی روایات کی فارسی زبان کی طرح اسلامی حامل ہو جائے، محض دینی یا سیاسی ضروریات کیلئے غیر عربی زبان کو سیکھنے کی اجازت ان روایات سے معلوم ہوتی ہے۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے بعض اقوام سے عبرانی زبان میں مراسلت کرنے کیلئے یہود کو ترجمان بنایا، لیکن جب لکھنے پڑھنے میں ان سے خیانت ثابت ہوئی تو آپ ﷺ نے مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم کو عبرانی زبان سیکھنے پر مامور فرمایا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سترہ دن میں عبرانی زبان سیکھ کر اس بارے میں حضور ﷺ کو یہود سے مستغنی کر دیا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حبشی زبان کے بعض کلمات کا تکلم فرما کر خصوصاً مخصوص حالات میں غیر زبانوں کے خصوصی تکلم کی اجازت دی، حضرت ام خالد بنت ابن سعید ابن العاص حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں، جبکہ ان کے والد نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، حضور ﷺ نے ان کو قمیص مبارک پہنایا اور فرمایا: "یا أمّ خالد هذا سنا" (۱) اے ام خالد! یہ بہت خوشنما ہے (سنا حبشی زبان میں خوبصورت کو کہتے ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (جب کہ ایک فارسی کے پیٹ میں درد ہوا) "اشکم بدرد" (۲) کیا پیٹ میں درد ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم : فصل فی الأعیاد: ۵۱/۱۱

(۲) اقتضاء الصراط المستقیم : باب الاعیاد : ۵۲/۱۱

خود اپنی زبان کے غیر اسلامی محاورات کے استعمال کی ممانعت

غیر زبان کو بطورِ شعار اپنانے کیلئے سیکھنے کے سلسلے میں شریعت نے منع کیا ہے، خود اپنی عربی زبان کے وہ کلمات اور محاورات جو غیر مسلم اقوام کے خصوصی کلمات یا مخصوص اصطلاحات شمار ہوتے ہیں، مسلمانوں کو ان کے استعمال سے بھی منع کیا ہے، تاکہ خود مسلمانوں کے اپنے اسلامی محاورات محفوظ رہیں اور غیروں کے غیر اسلامی محاورات کی شکل میں ان کے اخلاق وعادات اور خیالات کا ہم پر اثر نہ پڑے۔

قرآنِ مجید نے صاف صاف کہا کہ: مسلمان نبی کریم ﷺ کو اپنی حالت پر توجہ دلانے کیلئے "رَاعِنَا" (ہماری رعایت کیجئے) کا لفظ استعمال نہ کریں کہ یہ یہود کی اصطلاح ہے، بلکہ "انظرنا" (ہم پر نگاہِ کرم کیجئے) کا کلمہ استعمال کریں "وَلَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا" (۱)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ نمازِ عشاء کو "عتمة" مت کہو یہ گنواروں کی اصطلاح ہے بلکہ عشاء کہو، جو اسلامی اصطلاح ہے۔

اور فرمایا: دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی کو "سَبَّابة" مت کہو یہ اہل جاہلیت کی لغت ہے بلکہ "سَبَّاحة" کہو کہ یہ اسلامی لغت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سلام اور ملاقات کے وقت "حُيِّيتُمْ صَبَاحًا" وغیرہ مت کہو کہ یہ اہل جاہلیت کا تحیہ ہے؛ بلکہ السلام علیکم کہو، یہ اسلامی تحیۃ ہے۔

ایک فارسی نوجوان نے غزوۂ احد میں ایک مشرک پر تلوار سے وار کر کے کہا کہ: لے یہ میرا ہاتھ دیکھ "انا الغلام الفارسی" تو حضور ﷺ نے فرمایا: یوں کیوں نہیں کہا: "انا الغلام الأنصاری" (۲)

---

(۱) البقرة: ١٠٤

(۲) اقتضاء الصراط المستقيم: فصل فى ذكر الأدلة: ١٥٣/٤

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ: دکاندار کو "سمسار" نہ کہو یہ اہل جاہلیت کی لغت ہے؛ بلکہ تاجر کہو جو قرآن کی لغت ہے۔ (۱)

اس سے بھی یہ پتہ چلا کہ عربی زبان سے محض عربی الفاظ مقصود نہیں؛ بلکہ ایک مخصوص ذہنیت، کیفیت کے ساتھ ایک مخصوص اور مستقل قوم کے حقائق کی ترجمانی مقصود ہے۔

عربی زبان کی اہمیت

عربی زبان تو یہ مسلمانانِ اسلام کی مشترکہ زبان ہے، اسلامی قانون اسی زبان میں ہے، اسلامی روایات اور اسلامی ذہنیت اس کے لفظوں اور فقروں میں رچی بسی ہے، مسلمانوں کیلئے اسلامی نظام عالم کیلئے اور ان کی پوری اجتماعی زندگی کیلئے عربی زبان سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے، ان کا قانونِ حیات بھی اسی عربی زبان میں نازل ہوا ہے:

"وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ، عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ" (۲) یہ (قرآن) اللہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے، جبرئیل امین اس کو لے کر اس لئے نازل ہوتے ہیں کہ آپ واضح عربی زبان میں (اللہ کے عذاب) سے ڈرانے والے ہیں۔

اس لئے جس کو عربی زبان بولنے کی قدرت ہو، شریعت نے اسے بلاضرورت عجمی بولنے کو پسند نہیں کیا، جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس بارے میں گذر چکی، اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ایک سرکاری فرمان میں ابوموسیٰ اشعریؓ کو تحریر فرمایا تھا:

"أمّا بعد: تفقّهوا في العربية واعربوا القران فانّه عربي" (۳)

امّا بعد! عربی زبان میں سمجھ پیدا کرو، اور قرآن کی عربیت کو باقی رکھو کہ وہ عربی میں ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم

(۲) النحل: ۱۰۳

(۳) اقتضاء الصراط المستقیم: فصل فی العیاد: ۵۳/۱۱

اور ایک روایت میں ہے کہ ” تعلّموا العربية فانّها من دينكم “ عربی سیکھو اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا جز ہے۔ (۱)

اردو زبان کی اہمیت

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر یہی عربیت، اور اسلامی محاورات وتعبیرات کسی دوسری زبان میں اس طرح آجائیں کہ وہ زبان انہیں اسلامی حقائق کی ترجمان کہلانے لگے تو اس زبان کا تحفظ بھی اسلام کا تحفظ شمار ہوگا۔

اردو میں اسلامی ذہنیت کی مکمل چھاپ عربی اور خصوصاً اسلامی طرزِ حیات وزندگی کے مختلف مواقع سے بول چال میں استعمال ہونے والے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً

اچھے کام کی ابتداء پر ”بسم اللہ“

تعجب پر ”سبحن اللہ“

برأت کے اظہار پر ”معاذ اللہ“

ندامت پر ”استغفر اللہ“

توقع پر ”انشاء اللہ“

ندامت پر ”یا اللہ“

اظہارِ عظمت کیلئے ”لا الہ الّا اللہ“

پیغمبر ﷺ کا نام آنے پر ”صلی اللہ“

من چاہے کام کے ہونے پر ”الحمد للہ“

قدر افزائی پر ”ماشاء اللہ“

افسوس پر ”انّا للہ وانّا الیہ راجعون“

قسم کیلئے ”واللہ واللہ“

بچاؤ پر ”اللہ اللہ“

شکریہ پر ”جزاك اللہ“

برے کام دیکھ کر ”لاحول ولا قوّة الّا باللہ“

جوش پر ” اللہ أکبر“

اردو کی بے تکلف زندگی میں روزمرّہ کے استعمال ہونے والے الفاظ ہیں، اس سے اردو زبان کے اسلامی معاشرے کے ساتھ لگاؤ اور اس کی اسلامیت واضح اور ظاہر ہوتی ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/۲۰۷

خلاصہ

کوئی زبان اہل زبان کی تہذیب، ذہنی رجحانات اور اعتقادی اثرات سے خالی نہیں ہوتی، بحیثیت زبان اسلام اس زبان کی مخالفت نہیں کرتا؛ لیکن اس زبان کے ساتھ آنے والے فکری اور تہذیبی اثرات کو بھی قبول کرنا نہیں چاہتا، انگریزی زبان قبول ہے؛ لیکن انگریز بننا اور اپنی زبان سے اور مذہبی بنیادی علم سے محروم رہ جانا تہذیبی و علمی غلامی ہے، پہلے اسلام نے صحابہ کے دینی مزاج کو پختہ بنایا، پھر اس کے بعد دوسری زبانیں سیکھنے کی اجازت دی، اسلامی معاشرے میں سخت ضرورت ہے کہ اسلامی چھاپ کی باہمی گفتگو میں بھی حفاظت کی جائے۔

ماں باپ پر بچوں کے ابتدائی حقوق

نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم اور عظیم مقصد اولاد کا حصول ہے، جس پر نسلِ انسانی کی بقا کا دارومدار ہے، اولاد کا حصول ہر ماں باپ کی خواہش ہوا کرتی ہے؛ حتیٰ کہ انبیاء نے بھی حصولِ اولاد کیلئے دعائیں کی ہیں، اولاد کے حاصل ہونے پر ان کے حوالے سے ماں باپ پر کچھ حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

لڑکی کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا جائے

لڑکی ہو یا لڑکا یہ دونوں اللہ کی نعمت ہوتے ہیں، لڑکے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار اور لڑکی کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار یہ اسلامی تعلیمات کے بالکل مغائر ہے، لڑکی کی پیدائش پر منہ بسورنا ناراضگی کا اظہار کرنا زمانہ جاہلیت کی رسم ہے " وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ، يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (۱) جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس برائی کی خوشخبری کے سبب سے جو اسے دی گئی۔

لڑکی یا لڑکے کی پیدائش میں نہ ماں کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ کسی اور کا، یہ سب صرف عطائے ربانی ہے کہ جس کو چاہے لڑکی دے یا لڑکا دے، ارشادِ خداوندی ہے: " يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ، يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ، اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا، وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا" (۲) جو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ عطا کرتا ہے جس کو وہ چاہے بیٹیاں اور وہ عطا کرتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے بیٹے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے (جوڑے دیتا) بیٹے اور بیٹیاں اور جس کو چاہتا ہے بانجھ (بے اولاد) کر دیتا ہے۔

---

(۱) النحل: ۵۸ (۲) الشوری: ۴۹

لوگوں کے اس رویہ کی وجہ ہی سے نبی کریم ﷺ نے لڑکیوں کی پیدائش اور ان کی تربیت پر بے شمار اجر وثواب کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کی دو بیٹیاں ہوں، پھر جب تک وہ اس کے پاس رہیں یا یہ ان کے پاس رہے اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ دونوں بیٹیاں اس کو ضرور جنت میں داخل کرادیں گی "ما من مسلم ابنتان، فيحسن اليهما ما صحبتاه أو صحبهما، الّا أدخلتاه الجنة" (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی وہ شخص اور میں جنت میں اس طرح اکٹھے داخل ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ فرمایا "من عال جاريتين دخلت أنا وهو الجنّة كهاتين، وأشار باصبعه" (۲)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ان بیٹیوں کے کسی معاملہ کی ذمہ داری لی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کیلئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی "من يلي من هذه البنات شيئا، فأحسن اليهنّ كنّ له سترًا من النّار" (۳)

۱۔ نومولود کے کان میں اذان واقامت

ولادت کے بعد بچے کے تعلق سے پہلا حق والدین پر یہ ہوتا ہے کہ وہ بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہیں یا کہلوائیں، اس کا مقصود یہ ہے کہ

---

(۱) ابن حبان: باب ما جاء في الصبر والثواب، حديث: ٢٩٤٥، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے: الترغيب: حديث: ٣٠٢١

(۲) ترمذی: باب ما جاء في النفقة على البنات والاخوات، حديث: ١٩١٤، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ اس سند سے غریب ہے، اسے البانی نے صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب رحمة الولد، حديث: ٥٩٩٥

بچے کے کان میں سب سے پہلے جو آواز پہنچے وہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی بڑائی و عظمت پر مشتمل کلمات کی ہو، قبل اس کے کہ شیطان اپنی بات کانوں کے واسطے سے اس کے دل و دماغ تک پہنچائے، اس سے پہلے ہی اس کے کانوں کو ایمان و اسلام کی دعوت سے آشنا کرایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اپنے نواسے) حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا، جب (آپ ﷺ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہؓ کے یہاں ان کی ولادت ہوئی "اذّن فی أذن حسن بن علی رضی اللہ عنہ حین ولدته فاطمة بالصلوة " (۱)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے؛ لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی ترغیب و تعلیم دی ہے اور اس کی برکت و تاثیر یہ بتائی ہے کہ اس کی وجہ سے بچہ ام الصّبیان (ایک بیماری جو بچوں کو لاحق ہوتی ہے) کے نقصان سے محفوظ رہتا ہے، جو شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ (۲)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے یہاں لڑکا پیدا ہو تو وہ اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے گا تو وہ ام الصّبیان کے مرض سے محفوظ رہے گا، "من ولد له مولود فأذّن فی أذنه الیمنی وأقام فی أذنه الیسریٰ رفعت عنه أم الصبیان" (۳)

نیز اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے وقت اس کے کان میں اذان دی جائے اور اس کا آخری حق یہ ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھا جائے۔

---

(۱) ترمذی: باب الأذان فی أذن المولود، حدیث: ۱۵۱٤، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مجمع الزوائد: باب الأذان فی أذن المولود، حدیث: ٦٢٠٦، دار الفکر، بیروت، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس میں مروان بن سالم الغفاری ہے اور وہ متروک ہے۔

(۳) مسند ابی یعلی: مسند الحسین بن علی بن أبی طالب، حدیث: ۲۷۸

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے یہاں کسی بچے کی ولادت ہوتی تو وہ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اٹھاتے، اس کے دائیں کان میں اذان دیتے اور بائیں کان میں اقامت کہتے۔ (۱)

حضرت حسن بصریؒ سے بھی اس کا استحباب نقل کیا ہے۔ (۲)

امام نوویؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے بھی اس کو مستحب کہا ہے۔ (۳)

۲- تحنیک ودعائے برکت

جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہو تو چاہئے کہ اللہ کے مقبول اور صالح بندے کے پاس اس کو لے جائیں، اور اس کیلئے خیر برکت کی دعا بھی کرائیں اور **تحنیک** بھی کرائیں، **تحنیک** یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بعد کوئی بزرگ یا صالح آدمی کھجور یا کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کا لعاب بچے کے منہ میں اس طرح لگا دے کہ وہ بچے کے منہ میں چلا جائے، اس کا مقصد خیر برکت کا حاصل کرنا ہوتا ہے، دورِ رسالت میں بھی حضراتِ صحابہ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی بچے کی ولادت ہوتی تو وہ بچہ حضور ﷺ کی خدمت میں لایا جاتا، آپ ﷺ اس کیلئے خیر و برکت کی دعا فرماتے، اور کھجور یا اس جیسی کوئی چیز چبا کر اس کا لعاب اس کے منہ میں ڈال دیتے اور اس کے چبے ہوئے گودے کو اس کے تالو پر مل دیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ ﷺ ان کیلئے خیر و برکت کی دعا فرماتے اور **تحنیک** فرماتے "وكان يؤتى بالصبيان فتبرّك عليهم ويحنّكهم" (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حمل سے تھیں، جب ہجرت کر کے مدینہ آگئیں تو قباء میں ان کے

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة: ٤/۲۵۹

(۲) نيل الأوطار: ۳۱/ ۲۷٤

(۳) المجموع للنووي: ۸/۲۵۸، تحفة المودود: ۳۹

(۴) صحيح مسلم: باب حكم بول الطفل الرضيع، حديث: ۲۸٦۸

بچے کی ولادت ہوئی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، کہتی ہیں کہ: میں بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس کو آپ ﷺ کے گود میں رکھ دیا، آپ ﷺ نے چھوارے منگوائے اور اس کو چبایا، پھر اپنا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈالا، اور اس کے تالو پر ملا، پھر اس کیلئے دعا کی اور برکت سے نوازا " ثمّ حنّكه ثمّ دعا له وبرّك عليه " اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو ہجرت کے بعد ایک مہاجر کے گھر پیدا ہوا۔ (۱)

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ: تحنیک کرنے والا کوئی نیک صالح آدمی ہو، اگر مرد نہ ہو تو کوئی نیک عورت یہ کام انجام دے۔ (۲)

احادیث میں بے شمار تحنیک کے واقعات منقول ہیں:

۳۔ عقیقہ

عربی زبان میں "عق" کے معنی کاٹنے کے آتے ہیں، عقیقہ میں ایک تو جانور ذبح کیا جاتا ہے اور دوسرے اس بچے کے بال کاٹے جاتے ہیں، اسی مناسبت کی وجہ سے عرب اس کو عقیقہ کہتے ہیں، دنیا کی سبھی قوموں اور ملتوں میں بچہ کے پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات تصور کیا جاتا ہے، اور کسی تقریب کے ذریعہ نہایت خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ باپ اس بچہ کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے، اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے، عربوں میں زمانۂ جاہلیت ہی سے عقیقہ کا رواج تھا، دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نومولود کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے اور اس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی، اسلام نے بھی عقیقہ کے اس عمل کو باقی رکھا؛ چونکہ یہ اسلام اور شریعت کے مزاج ومذاق کے موافق تھا اور غالباً ملتِ ابراہیمی کی نشانیوں میں سے تھا، البتہ اسلام نے اس کے جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ

---

(۱) بخاري: باب تسمية المولود غداة، حديث: ۵۱۵۲

(۲) المجموع للنووي: ۸/۵۸

جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہمارا یہ طریقہ ہو گیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور بچے کا سر صاف کرا کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں" فلمّا جاء الاسلام كنّا نذبح شاة يوم السابع وتخلّق رأسه ونلطّخه بزعفران " (۱)

عقیقہ کا حکم

عقیقہ فرائض وواجبات کی طرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے؛ بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہئے، تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے "من ولد له ولد فاحبّ ان ينسك عنه فلينسك عن الغلام شاتأن مكافئتان وعن الجارية شاة " (۲)

اس روایت کے الفاظ "فأحبّ أن ينسك عنه" (اور اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہئے)، اس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

عقیقہ کے جانور

بہتر یہ ہے کہ لڑکے کیلئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک بکرے سے عقیقہ کیا جائے اور اگر وسعت نہ ہو تو لڑکے کیلئے ایک بھی کافی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

مزید اس بارے میں ام کرزؓ کی بھی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ عقیقہ کے بارے میں فرما رہے تھے کہ: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں

---

(۱) ابوداؤد: باب العقيقة: حديث: ۳۸۴۳، ابن الملقن نے کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے اس کو ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے: البدر المنير: ۳۴۲/۹

(۲) ابوداؤد: باب العقيقة، حديث: ۲۸۴۲، حاکم اور ذہبیؒ نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: المستدرك: كتاب النكاح، حديث: ۲۶۵/٤

اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری "یقول عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریة شاة" (۱) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جانور نر ہو یا مادہ۔

آپ ﷺ نے ایک بکرے کے بھی جائز ہونے کو بتلانے کیلئے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقے میں ایک ایک بکرے ہی کی قربانی دی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے نواسوں) حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا "عقّ عن الحسن والحسین کبشًا کبشًا" (۲)

۱۔ بہتر یہ ہے کہ جانوروں میں بکری کے ذریعہ عقیقہ کیا جائے

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی نے بچے کی پیدائش پر اونٹ کی قربانی کی نذر مانی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: سنت پر عمل کرنا افضل ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑکوں کی طرف سے دو، اور لڑکیوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ (۳)

دیگر جانوروں اونٹ اور گائے سے بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من ولد له غلام فلیعقّ عنه من الابل أو البعیر أو الغنم "جس کے یہاں لڑکا پیدا ہو تو وہ اس کی جانب سے اونٹ، گائے یا بکری سے عقیقہ کرے۔ (۴)

---

(۱) ترمذی، الأضاحي: العقيقة، حدیث: ۱۵۱۳

(۲) ابوداؤد: كتاب العقيقة: حديث: ۲۸٤۱، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ: اس کو عبد الحق، ابن دقیق العید نے صحیح کہا ہے: التلخيص الحبير: ٤/٣٦٣

(۳) مستدرك: كتاب الذبائح، حديث: ۷۵۹۵، دار الكتب العلمية، بيروت، حاکم اور علامہ ذہبی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۴) مجمع الزوائد: باب العقيقة، حديث: ٦۱۹۵، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں مسعدہ بن الیسع ہے اور وہ کذاب ہے، عراقی نے کہا ہے کہ: اس کو ابن حبان نے "الاضاحی" میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بہر حال عقیقہ میں بکرا بکری یا مینڈھا ہی افضل ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ: عقیقہ میں اگر کوئی اونٹ ذبح کرے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا: سنت افضل ہے۔ (۱) اور اس بارے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کے جانور میں جو شرائط ہیں، عقیقہ کے جانور کے بھی وہی شرائط ہیں۔

دن کے اول حصہ میں ذبح کرنا مستحب ہے، عقیقہ کا گوشت کھانا، کھلانا، صدقہ کرنا، ہدیہ بھیجنا جائز ہے، مگر بیچنا جائز نہیں، ان احکام میں عقیقے اور قربانی میں کوئی فرق نہیں، اسی طرح کھال اور دوسری چیزوں کا بیچنا بھی جائز نہیں۔ (۲)

عقیقہ کا گوشت

عقیقہ کا گوشت کھا بھی سکتے ہیں، کھلا بھی سکتے ہیں، اور صدقہ بھی کر سکتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے "فیأکل ویطعم ویتصدّق" پس کھائے اور کھلائے اور صدقہ کرے۔ (۳)

۲۔ عقیقہ کب کیا جائے

عقیقہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن کرنا چاہیے، ساتویں دن نہ کر پائے تو چودھویں دن ورنہ اکیسویں دن کرے، ساتویں دن عقیقہ کے بارے میں مذکورہ ذیل روایت دلالت کرتی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے، جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربان کیا جائے اور اس کا سر مونڈھا جائے اور نام رکھا جائے، "کلّ غلام رهينة بعقيقته تُذبح عنه يوم سابعه ويحلّق ويسمّى" (۴)

---

(۱) العيال لابن ابی الدنيا: ۵۵

(۲) المجموع: ۲۵۱/۱۸

(۳) مسند اسحاق بن راهويه: ما يروى عن صفية بنت شيبة، حديث: ۱۲۹۲

(۴) ابوداؤد: باب العقيقة، حديث: ۲۸۳۸، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: البدر المنير: ۳۳۴/۹

دیگر دنوں کا تذکرہ اس روایت میں ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: عقیقہ ساتویں دن یا چودھویں یا اکیسویں دن کیا جائے گا " والعقيقة بسبعٍ أو أربع عشرة أو احدى وعشرين " (۱)

لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ: لڑکے کی جانب سے اس کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کرسکے تو اس کے بعد بھی عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، سات دن کے بعد ہی عقیقہ کرنا کوئی ضروری نہیں ہے " فان لم يتهيّأ لهم العقيقة في سابعٍ فلاباس ان يعقّ عنه بعد ذلك وليس بواجبٍ ان يعقّ عنه بعد سبعة أيّامٍ "

حضرت عطاؒ کہتے ہیں کہ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کرسکے تو اسے دوسرے ہفتہ تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، یہی رائے امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور امام شافعیؒ کی ہے۔

ابن وھبؒ کہتے ہیں کہ: تیسرے ہفتہ میں بھی عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عطاؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کی رائے یہی ہے۔

ان تمام اقوال کے ذکر کرنے کے بعد ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ " والظاهر انّ التقييد للاستحباب والّا ذُبح عنه في الرابع او الثامن او العاشر او ما بعده اجزات " (۲) یعنی سات دن، ایک ہفتہ یا دو ہفتے یا تین ہفتہ کی قید یہ وقت مستحب کو بتلانے کیلئے ہے، ورنہ تیسرے ہفتہ یا دسویں ہفتہ یا اس کے بعد بھی عقیقہ کرے تو کافی ہوجائے گا۔ بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ: تین ہفتوں کے بعد استحبابی وقت ختم ہوجاتا ہے اب جب چاہے کرے۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب زمن العقيقة، حديث ٦٢٠٢، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں اسماعیل بن مسلم المکی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۲) تحفة المودود بأحكام المولود: ٤٦، مكتبة القرآن، القاهرة

(۳) المجموع للنووي: ٨/ ٢٥٠

یہ تو ہوا سنت اور مستحب وقت؛ لیکن عقیقے کا وقت تو پیدائش کے بعد سے بلوغ تک رہتا ہے، پیدائش سے لے کر بلوغ تک کسی بھی وقت عقیقے کی نیت سے ذبح کرے تو عقیقہ کی سنت ادا ہو جائے گی جیسا کہ تمام فقہاء کی صراحت ہے، بلوغ کے بعد والد کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے، اس کے بعد خود وہ سنت کی ادائیگی کیلئے اپنی جانب سے عقیقہ کرے۔

مشہور تابعی ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: اگر مجھے معلوم ہو کہ میرا عقیقہ نہیں ہوا تو میں خود اپنا عقیقہ کرتا، حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اگر تمہارا عقیقہ نہیں ہوا تو تم خود اپنا عقیقہ کرو، اگر چہ تمہاری عمر زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ (۱)

۳۔ بال مونڈھنا

بچے کے متعلق ایک حکم یہ بھی ہے کہ ساتویں دن اس کے سر کے بال مونڈھے جائیں اور بال کے ہم وزن چاندی محتاجوں پر صدقہ کردی جائے، یہ حکم بطورِ استحباب کے ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن ؓ کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ ﷺ نے (اپنی صاحبزادی) فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: اس کا سر صاف کردو، بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو، ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے "یا فاطمة! احلقي راسه وتصدّقي بزنة شعره فضّة" (۲)

بال ادھر ادھر نہ ڈالے جائیں؟ بلکہ زمین میں دفن کئے جائیں، حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم ؓ کا ساتویں دن عقیقہ کرنے کے بعد سر منڈوایا اور بال کے ہم وزن چاندی مسکینوں کو دی اور بال زمین میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ (۳)

لڑکی اور لڑکے دونوں کے بال مونڈھے جائیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے

---

(۱) المحلی لابن حزم: ۳۲۲/۸

(۲) ترمذی: باب العقیة، حدیث: ۱۵۱۹، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن اور غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے۔

(۳) تحفة المودود: ۹۴—۹۵

تمام بچوں حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، زینت رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بال منڈوائے اور اس کے ہم وزن چاندی صدقہ دیا تھا "فتصدّقت بزنة ذلك فضّة" (۱)

جس بچے کے بال منڈوائے جائیں تو اس کے بال کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا بھی مستقل سنت ہے، اگر چاندی کے بجائے اس کے برابر روپیئے صدقہ کرے تو یہ سنت ادا ہو جائے گی؛ بلکہ اس زمانہ میں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے، زمانہ قدیم میں سکے چاندی یا سونے کے ہوتے تھے اس لئے اب اس کے بدل روپیئے دینا مقصود ہے، جیسا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں گذرا۔

۴۔ نام رکھنا

پیدائش کے ساتویں دن بچے کا نام رکھ دینا چاہیے، بعض احادیث میں اس کا ذکر ہے جیسا کہ گذرا، ویسے بہتر یہ ہے کہ ولادت کے دن ہی نام رکھ دیں۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر (بچہ) اپنے عقیقہ کے بدلے گروی ہے (اس کی پیدائش کے) ساتویں دن اس کے عقیقہ کیلئے (جانور) ذبح کیا جائے (ساتویں ہی دن) اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے، "ویسمی ویحلق رأسه" (۲)

قیامت میں اس کا نام باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا "انّکم تدعون یوم القیامة بأسمائكم، وأسماء ابائكم" (۳)

---

(۱) موطا مالك: كتاب العقيقة: باب ما جاء في العقيقة، حديث: ١٨٣٩

(۲) بخاری: باب إماطة الأذى عن الصبی فی العقيقة، حديث: ٥١٥٥

(۳) ابوداود: باب في تغيير الاسماء حديث: ٤٩٤٨، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ: اس کی ابوداود نے تخریج کی ہے، نووی نے اس کو جید الاسناد کہا اور بیہقی نے کہا ہے کہ: یہ مرسل ہے: تخريج احاديث الاحياء: ١/٤٩٤، دار ابن حزم، بيروت

چنانچہ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کی ولادت کے بعد خدمتِ والا میں لائے تو آپ ﷺ نے اسی وقت ان کا نام ''منذر'' رکھا ''ولکن اسمہ المنذر'' (۱)

حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش رات میں ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: رات میرے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے باپ کے نام پر ''ابراہیم'' رکھا ہے۔ (۲)

نام سے چونکہ مذہب، فکر اور عقیدہ کا اظہار ہوتا ہے؛ اس لئے وہ بامعنیٰ اور اچھے رکھے جائیں، اور خصوصاً نام کی تاثیر بچوں پر ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے ''حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمہ ویحسن ادبہ'' (۳)

اور ایک روایت میں ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائیگا فلاں بن فلاں) لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو، ''تدعون یوم القیامۃ باسمائکم واسماء اٰباء کم فاحسنوا اسماء کم'' (۴)

حضور اکرم ﷺ ایسے نام پسند فرماتے تھے جس میں اللہ کی بندگی اور اس کی عبدیت کا اظہار ہوتا ہو، جیسے عبد اللہ، عبد الرحمٰن وغیرہ، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے: حضرت

---

(۱) بخاری: باب تحویل الاسم الی اسم، حدیث: ۵۷۳۸

(۲) الطبقات الکبری: ذکر ابن رسول اللّٰہ: ۱/۱۳۵، دار صادر، بیروت

(۳) کنز العمال: برّ الأب من الکمال، حدیث: ۴۵۵۱۲، بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے کہ: اس کے راوی محمد بن فضیل ضعیف ہیں۔

(۴) ابوداؤد: باب فی تغییر الأسماء، حدیث: ۴۹۴۸، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، ابن حبان نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن ابوزکریا سے روایت کیا ہے اور عبد اللہ بن زکریا سے اور یہ عابد بزرگ تھے، لیکن انہوں نے ابو الدرداء سے سنا نہیں ہے: الترغیب: حدیث: ۳۰۲۸

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ''عبداللہ'' اور ''عبدالرحمٰن'' ہے '' انّ احبّ اسماء کم الی اللّٰہ '' (۱)

اور ایک روایت جو حضرت عبداللہ ؓ ہی سے مروی ہے کہ ''تم انبیاء کے ناموں پر نام رکھا کرو'' ''سمّوا باسماء الانبیاء '' (۲)

چونکہ اس سے بھی انبیاء علیہم السلام کی جانب اپنی نسبت کا اظہار ہوتا ہے، آپ ﷺ نے بھی اپنے لڑکے کا نام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر ''ابراہیم'' رکھا۔

آپ ﷺ نے ایسے ناموں میں تبدیلی فرمائی ہے جن سے غلط عقیدہ و بدشگونی وغیرہ کا اظہار ہوتا تھا...... آپ ﷺ نے حضرت عمر ؓ کی ایک لڑکی کا نام بدل کر ''عاصیہ'' سے ''جمیلہ'' رکھا ''انّ النبی غیّر اسم ''عاصیة '' وقال: انتِ ''جمیلة '' (۳)

اور ایک روایت میں ہے حضرت سعید بن المسیب ؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ تو انہوں نے کہا: ''حزن'' (سخت زمین) آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم ''سھل'' ہو، قال: '' أنت سهل '' (۴)

اسی طرح آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے جس سے اللہ کو موسوم کیا جاتا ہو، ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آئے جن کو لوگ ان کے درمیان صحیح فیصلہ کرنے کی وجہ سے ''ابوالحکم'' کہا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس نام پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ: ''حکم'' تو ذاتِ خداوندی ہے، پھر بیٹے کی طرف نسبت کرکے ان کا نام

---

(۱) مسلم: باب النهى عن التكنى بأبى القاسم، حديث: ۲۱۳۲

(۲) ابوداؤد: باب في تغيير الأسماء، حديث: ۴۹۴۹، بوصیری نے ''زوائد: ۱۳۳/۵'' کہا ہے کہ: اس سند کے روات ثقہ ہیں۔

(۳) ترمذی: باب فی تغییر الأسماء: حدیث: ۲۸۳۸، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غریب کہا ہے

(۴) بخاری: باب اسم الحزن، حدیث: ۵۸۳۶

"ابوشریح" رکھا، "قلتُ لی "شریح" و"مسلم" "عبدالله" قال: من أکبرهم؟ قلتِ: "شريح" قال: فأنت "ابوشريح" میں نے کہا: میرے تین بیٹے "شریح" "مسلم" اور "عبداللہ" ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے بڑا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: "شریح" تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم "ابوشریح" ہو۔ (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے یہاں مبغوض ترین اور بدترین انسان وہ ہوگا جو اپنا نام "ملك الأملاك" (شہنشاہ) رکھے "انّ أخنع اسم عند الله رجل تسمّى ملك الأملاك" (۲)

آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ اگر ان کو پکارا جائے اور وہ غیر موجود ہوں تو اس سے بظاہر بدشگونی معلوم ہوتی ہو جیسے کسی کا نام "یسار" جس کے معنی آسانی کے ہیں اب اس کے بارے میں کہیں ("یسار" نہیں ہے) تو اس کا ظاہری مطلب یہ ہوگا کہ آسانی نہیں ہے، ایسے چار ناموں کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام کے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا ہے "افلح" "یسار" "نافع" اور "رباح" "نهى رسول الله أن نُسمّى رقيقنا أربعة أسماء: "افلح" "يسار" و"نافعًا" "رباحًا" (۳)

اور ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں "ان عشتُ أنهى أمّتى أن يُسمّوا نافعًا وأفلح، وبركة" (۴)

اگر میں بقیدِ حیات رہا تو اپنی امت کو ان ناموں کے رکھنے سے منع کروں گا، "نافع" "افلح" "برکۃ"۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فی تغییر الاسم القبیح، حدیث: ٤٩٥٥، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب استحباب تغیر الاسم القبیح، حدیث: ٢١٤٣

(۳) مسلم: کتاب الأدب، باب کراهة التسمیة بالأسماء: حدیث: ٢١٣٦

(۴) ابوداؤد: فی تغییر اسم القبیح، حدیث: ٩٤٦، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے منع فرمائے ہیں جس سے اپنی پاکیزگی اور برأت کا اظہار ہوتا ہو۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت سے پوچھا: تم نے اپنی لڑکی کا کیا نام رکھا ہے؟ اس نے کہا: "برّۃ" "نیکوکار" تو انہوں نے کہا: حضورِ اکرم ﷺ نے اس نام کے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: "ولا تزکوا أنفسکم والله أعلم وأهل البرّ منکم" (۱) تم اپنے آپ کی پاکیزگی کا اظہار مت کرو، اللہ تعالیٰ تم میں سے نیکوکار کو جانتا ہے؛ بلکہ نام "زینب" رکھو۔

ختنہ کے احکام ومسائل

ختنہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اسی سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ختنہ کیا تھا "اختتن ابراهيم بعد ثمانين سنة" (۲)

اس کے بعد ملتِ ابراہیمی کی دونوں شاخوں یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں کی اولاد میں یہ طریقہ جاری رہا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ نے بڑی تاکید سے اس کا حکم دیا اور اس کو خصالِ فطرت (یعنی فطرت کی عادتوں) میں شمار کیا، ایک مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں، ختنہ کرنا، زیرِ ناف کے بال مونڈھنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا، مونچھیں کاٹنا "الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، ونتف الابط وقص الشارب" (۳)

اسی تاکیدی حکم کی بنا پر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کو واجب کہتے ہیں، مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ اور ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ نے اس کو سنت کہا ہے اور جو حضرات اس کو سنت کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے:

حضرت شداد بن اُوس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "الختان سنة

---

(۱) مسلم: باب استحباب تغيير الاسم: حديث: ٢١٤٢

(۲-۳) بخاری: باب الختان بعد الكبر ونتف الابط، حديث: ٨٩٢٦

للرجال ، ومکرمة للنساء" ختنہ یہ مردوں کیلئے سنت ہے اور عورتوں کیلئے اچھی چیز ہے۔(۱) ان کے یہاں بھی یہ عام سنت نہیں، بلکہ تاکیدی سنت ہے۔(۲)

ختنہ کا وقت

ختنے کا وقت یوں تو پیدائش سے بلوغ تک ہے، بلوغ سے پہلے ختنہ واجب نہیں، البتہ کس عمر میں مستحب ہے؟ بہت سے علماء نے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب قرار دیا ہے۔(۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ساتویں دن حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ کیا "انه سمّى الحسن يوم سابعه" (۴)

مشہور فقیہ امام لیث بن سعد مصری اور متاخرین احناف کہتے ہیں کہ بچے کا ختنہ سات سال کی عمر میں کرنا چاہیئے۔(۵)

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سات سال کی عمر سے پہلے اس سے فارغ ہو جائے، اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ سات سال کی عمر میں بچے کو نماز کا حکم دو، اگر یہ نہ ہو سکے تو دس سال سے پہلے ختنہ ضرور کرنا چاہیئے، البتہ طبی نقطۂ نظر سے ختنے کا بہترین وقت پیدائش کا پہلا ہفتہ ہے، اس لئے کہ عضوِ تناسل کی وہ کھال جو ختنے میں کاٹی جاتی ہے، اس وقت چھوٹی اور نرم ہوتی ہے اور اس کا کاٹنا آسان ہوتا ہے، زیادہ خون نہیں بہتا، اور زخم جلد مندمل ہو جاتا ہے۔

ختنے کی دعوت

ختنے کے موقع پر دعوت کرنا اور اس کا قبول کرنا جائز؛ بلکہ مستحب ہے، امام نوویؒ (۶) اور ابن قدامہؒ (۷) نے اس دعوت کو مستحب لکھا ہے۔

---

(۱) مسند احمد: حديث أسامة الهذلي، حديث: ۲۰۷۳۸

(۲) الدر مع الرد: ۱/ ۴۸۰

(۳) المجموع: ۱/ ۱۶۶

(۴) السنن الكبرى للبيهقي: باب ما جاء في وقت العقيقه: حديث: ۱۹۲۹۵

(۵) التمهيد: ۲۱/ ۶۰

(۶) شرح مسلم: ۹/ ۲۱۶

(۷) المغني: ۱۰/ ۲۷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بچوں کے ختنے کے موقع پر دعوت کیا کرتے تھے، " کان ابن عمر رضی الله عنه يُطعم علی الختان "اور ختنے کی دعوت میں کوئی بلاتا تو اس کو قبول کرتے تھے " یجیب دعوة صاحب الختان الی طعامه " (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے مشہور فقیہ قاسم ابن محمد بن ابی بکر فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سو درھم یہ کہہ کر میرے پاس بھجوائے کہ اپنے بیٹے کے ختنہ کے موقع پر اس سے دعوت کرنا " أرسلت الیّ عائشة بمائة درهم فقالت: اطعم بها علی ختان ابنك " (۲)

حضرت عثمان ابن العاص رضی اللہ عنہ کے ختنہ کی دعوت میں جانے سے انکار کی جو روایت ہے اس کی صحیح صورتحال طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتی ہے، انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ لڑکی کا ختنہ ہے تو انہوں نے کہا: یہ چیز (لڑکے کے ختنے کی دعوت) تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بہت تھی، پھر انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ (۳)

حافظ ابن حجر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ لڑکے کے ختنے کا اظہار اور لڑکی کے ختنے کا اخفاء مسنون ہے۔ (۴)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے ختنہ کی دعوت کے اہتمام کا عدم جواز نقل کیا ہے: فرماتے ہیں:

لوگوں کو آدمی اور خطوط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا جو بالکل خلاف سنت ہے، مسند احمد حسن سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کسی نے ختنہ میں بلایا، آپ نے تشریف لے جانے سے انکار فرمایا، آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی، آپ نے جواب دیا کہ عہد رسول ﷺ میں نہ جاتے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس امر کا اعلان ضروری نہیں،

---

(۱) العیال لابن أبی الدنیا: باب الختان، حدیث: ۵۸۵، دار ابن قیم، بیروت

(۲) العیال لابن ابی الدنیا: باب الختان، حدیث: ۵۸۶، دار ابن قیم، الدمام

(۳) المعجم الکبیر: ۹/ ۵۷، ۱۳۸۲

(۴) فتح الباری: ۱۳/ ۳۹۹

اس کیلئے لوگوں کو جمع کرنا، بلانا خلافِ سنت ہے، اس میں بہت سی رسمیں آ گئیں، جن کیلئے لمبے چوڑے اہتمام ہوتے ہیں۔ (۱)

بچوں کی پرورش کے احکام

حضانت (یعنی بچے کی دیکھ بھال، حفاظت اور پرورش) واجب ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر بچہ زندہ نہیں رہ سکتا، اور بچے کو ضائع ہونے سے بچانا ضروری ہے، حضانت کی سب سے زیادہ حق دار ماں ہے، جب اس کے اندر حضانت کے شرائط پائے جائیں، تو اس سے بچے کو چھیننے کا کسی کو حق نہیں، بلکہ اگر میاں بیوی کے درمیان علاحدگی بھی ہو جائے تب بھی بچے کی حضانت کا حق ماں ہی کا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا یہ بیٹا جس کیلئے میرا پیٹ ظرف میری چھاتی مشک اور میری گود جس کیلئے پناہ تھی، اس کے والد نے مجھے طلاق دی ہے اور چاہتے ہیں کہ اس کو مجھ سے چھین لیں، حضور ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: تجھے اس کو لینے کا زیادہ حق ہے جب کہ تو دوسرا نکاح نہ کرے۔ (۲)

اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ میاں بیوی کی جدائی کے وقت بچہ ہے تو اس کی پرورش ماں کا حق ہے جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرلے۔ (۳)

پرورش کی اُجرت

احناف کے یہاں اگر وہ ماں ہے اور اس کے باپ کے نکاح میں یا اس کی عدت میں ہے تو ماں کو پرورش کی اجرت نہیں ملے گی اور عدت گذرنے کے بعد اجرت کی مستحق ہوگی

---

(۱) اصلاح الرسوم: ۴۸، دارالاشاعت، کراچی

(۲) ابوداؤد، حدیث: ٢٢٧٦

(۳) الاجماع لابن المنذر: ٤٣

اور اگر یہ بچے کی ماں نہیں ہے تو اجرت ملے گی جیسے کسی کام پر اجرت ملتی ہے اور رضاعت کی اجرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ مستقل اجرت ہوگی۔ (۱)

جب بچہ سنِ تمیز کو پہنچے یعنی خود سے کھائے، خود سے پاکی حاصل کرے اور خود کپڑا پہن سکے جس کو عموماً سات سال کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ: پرورش کا زیادہ حق دار باپ ہوگا، بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۲)

نہ اس کی حقیقی خواہش اور مرضی کا پتہ چل سکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ جہاں اس کو کھیل کی آزادی ہو، زیادہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کیا جائے، اس کو وہ اختیار کرے جو اس کے بگاڑ کی وجہ بن جائے اور پھر اس کو جو باتیں سیکھنے ہیں وہ باپ اچھی طرح سکھا سکتا ہے اگر لڑکی ماں یا نانی کی پرورش میں ہے تو بلوغ تک اسی کے پاس رہے گی، اس لئے کہ سن شعور کے بعد اس کو عورتوں کے مسائل سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور باپ کے مقابلے میں ماں یا نانی ہی اس کو بہتر طریقہ پر سکھا سکتی ہے، اور بلوغ کے بعد باپ کے پاس جائے گی، اسلئے کہ اس وقت اس کی حفاظت اور صحیح نگرانی کی ضرورت ہے، اور باپ یہ کام بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہے۔ (۳)

بچے کا نفقہ

بچہ کا نفقہ اس کے کھانے کپڑے وغیرہ کا خرچ باپ کے ذمہ لازم ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جب ہند بنت عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر ابوسفیان کی شکایت کی کہ وہ بخل سے کام لیتے ہیں اور مجھے اتنا نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کیلئے کافی ہو جائے، مگر میں ان کے علم کے بغیر ان سے لے لیتی ہوں؟ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے، قاعدے کے مطابق اتنا لے لو”۔ خذی أنت وبنوك ما يفيك بالمعروف“ (۴)

---

(۱) الدر مع الرد: ۲۵۹/۵ (۲) بدائع: ٦٤/٤ (۳) بدائع: ٦٢/٤-٦٣

(۴) بخاری: باب من أجرى أمر الأنصاء، حديث: ۲۰۹۷

بچوں کی تربیت کے یہ اصول بھی ملحوظ رہیں

☆ ساتویں دن ختنہ بھی کرادیں، لیکن کسی وجہ سے نہ کرائیں تو سات سال کے اندر ضرور کرادیں، ختنہ یہ اسلامی شعار ہے۔

☆ جب بچہ بولنے لگے تو اس کو " لا الہ الّا اللّٰہ " سکھائیں (یا کم ازکم لفظِ اللہ زبان سے نکلوائیں)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اس کو "لا الہ الا اللّٰہ" سکھاؤ، پھر مت پروا کرو کہ کب مرے، اور جب دودھ کے دانت گر جائیں تو نماز کا حکم دو "اذا أفصح أولادکم فعلّموھم لا الہ الّا اللّٰہ ثمّ لا تبالوا متی ماتوا"(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تمہارے بچوں کو پہلا کلمہ " لا الــہ الّا اللّٰــہ " کے ذریعہ (یعنی اپنے بچوں کے بات کرنے کی ابتداء) سے کرو اور موت کے وقت " لا الہ الّا اللّٰہ " کی تلقین کرو، اس لئے کہ جس کا پہلا بول "لا الــہ الّا اللّٰــہ" اور آخری بول بھی "لا الــہ الّا اللّٰہ " ہو، پھر وہ ہزار سال بھی جی کر مرجائے تو ایک گناہ کا بھی اس سے سوال نہ ہوگا " ثمّ عاش الف سنة ما سُئل عن ذنب واحد " (۲)

☆ بچوں کو حرام وحلال کی تعلیم دیں، تاکہ جیسے بچے کو شعور آئے تو اللہ عزوجل کے احکام پر عمل پیرا ہونا شروع کردے اور اللہ عزوجل کے نواہی سے اجتناب کرنے والا بن جائے، اس اسلامی احکام اس کی گھٹی میں پڑجائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "اللہ عزوجل کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، اور اپنی اولاد کو مامورات کا حکم کرو

---

(۱) کنز العمال: الفرع الثانی فی الأمر بالصلاة، حدیث: ٤٥٣٢٨

(۲) شعب الإیمان: باب الستون من شعب الإیمان، حدیث: ٨٦٤٩

اور منہیات سے روکو؛ چونکہ یہ ان کے اور تمہارے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہے " فذلك وقاية لهم ولكم من النار " (۱)

☆ اولاد کو ادب و اخلاق کی تعلیم دے، اور انہیں دین دار بنا کر ان کو جہنم کا ایندھن بنانے سے بچالے: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا " (۲) مومنو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے۔

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا "ما نحل والد ولدًا من نحل افضل من ادب حسن " (۳)

حضرت عثمان حاطبی کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ ایک آدمی سے فرما رہے تھے، اپنے بیٹے کو ادب سکھا، اس لئے کہ قیامت میں تجھ سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اس کو کیا ادب سکھایا اور کیا علم سکھایا؟ اور اس بچے سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے باپ کے ساتھ کتنا حسن سلوک کیا اور اس کی کتنی اطاعت کی " ادب ابنك فإنك مسئول عن ولدك ماذا أدبته وماذا علمته وأنه مسئول عن برك و طواعيته لك" (۴)

☆ بچوں کو غض بصر (نگاہیں نیچی رکھنے) اور شرم گاہ کی حفاظت کی تاکید کریں۔

حضرت فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مزدلفہ سے منیٰ کی طرف واپسی پر نبی ﷺ کا ردیف تھا، ابھی آپ ﷺ چل ہی رہے تھے کہ ایک دیہاتی اپنے پیچھے اپنی ایک خوبصورت بیٹی کو بٹھا کر لے آیا، وہ نبی ﷺ سے باتوں میں مشغول ہو گیا اور میں اس لڑکی کو دیکھنے لگا،

---

(۱) تربية الأولاد في الإسلام: ١/١٥٩، ناصح علوان

(۲) التحريم: ٦

(۳) ترمذي: باب ماجاء في أدب الولد، حديث: ١٩٥٢

(۴) شعب الايمان: الستون من شعب الايمان، حديث: ٨٦٦٢

نبی ﷺ نے مجھے دیکھ لیا اور میرے چہرے کا رخ اس طرف سے موڑ دیا، میں نے دوبارہ اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، نبی ﷺ نے پھر میرے چہرے کا رخ بدل دیا " فقلب وجهي عن وجهها " تین مرتبہ اسی طرح ہوا لیکن میں باز نہ آتا تھا، اور نبی ﷺ جمرہ عقبہ کی رمی تک مسلسل تلبیہ پڑھتے رہے۔(۱)

☆ ان کی غلطیوں اور خطاؤں پر تنبیہ کرتا رہے:

حضرت رافع بن عمر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں میں اپنے یا فرمایا انصار کے کھجور کے درختوں پر پتھر مارتا تھا مجھے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، فرمایا: اے لڑکے (ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا بیٹا) تم درختوں پر سنگباری کیوں کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ پھل کھاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آئندہ سنگباری مت کرنا اور جو خود نیچے گر جائے وہ کھا سکتے ہو" وكل ما يسقط في أسافلها " پھر آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور فرمایا اے اللہ اس کا پیٹ بھر دے۔(۲)

☆ بچوں کو اخلاق کی تعلیم دیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بیٹے! تمہیں اگر اس بات کی قدرت ہو کہ تم صبح وشام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کیلئے کھوٹ نہ ہو تو اس طرح کرو، "إن قدرت أن تصبح وتمسي وليس في قلبك غش لأحد، فافعل" پھر فرمایا: اے بیٹے! یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو زندہ کرے تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔(۳)

---

(۱) مسند احمد، مسند فضل بن عباس، حدیث: ١٧٠٩

(۲) سنن ابن ماجة: باب من مر على ماشية قوم، حديث: ٢٢٩٩

(۳) سنن الترمذي: باب الأخذ بالسنة واجتناب البدع، حديث: ٢٦٧٨، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ بچوں کو رازوں کے پوشیدہ رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنی سواری میں پیچھے سوار کر لیا اور مجھ سے کوئی راز کی بات کہی کہ میں اس کا افشاء کسی کے سامنے نہ کروں" فأسر إلي حديثا لا أحدث به أحدا من الناس" (۱)

اس کے علاوہ مختلف مواقع ہیں جہاں موقع بموقع نبی کریم ﷺ بچوں کو ہر عمل کے اخلاق و آداب کی تعلیم دیتے تھے۔

حضرت عمر بن ابی سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں اپنے لڑکپن میں حضور اکرم ﷺ کے زیر تربیت تھا، میرا ہاتھ کھانے کے دوران برتن میں گردش کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لے اور داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنے قریب سے کھا "يا غلام سم الله وكل بيمينك وكل مما يليك" پھر اس کے بعد میں حضور اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق کھانے لگا۔ (۲)

آل نبی ﷺ کیلئے چونکہ صدقہ کا کھانا جائز نہیں ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے لڑکپن میں صدقہ کا کھجور لے کر منہ میں ڈالا ہی تھا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کخ، کخ" تھوک دو، پھر فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ ہم آل رسول صدقہ نہیں کھاتے۔ (۳)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے لڑکپن میں تہجد کی ترغیب دلاتے ہوئے نہایت ہی مشفقانہ جملہ فرمایا: "نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل" عبد اللہ اگر تہجد کے پابند ہوتے تو کیا ہی اچھے آدمی شمار ہوتے، پھر اس کے بعد حضرت عبد اللہ نے تہجد کی پابندی شروع کر دی۔ (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يؤمر به من القيام على الدواب والبهائم، حديث: ٢٥٥١

(۲) بخاری: التسمية على الطعام، حديث: ٥٠٦١

(۳) بخاری: باب ما يذكر في الصدقة، حديثك١٤٢٠

(۴) بخاری: باب فضل قيام الليل، حديث: ١٠٧٠

نبی کریم ﷺ کھانے کے شروع میں بسم اللہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے تو ہم اپنے ہاتھوں کو (کھانے میں) اس وقت تک نہیں ڈالتے تھے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ شروع نہ فرماتے اور اپنا ہاتھ مبارک نہ ڈالتے کہ ایک مرتبہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے میں موجود تھے کہ اچانک ایک لڑکی آئی گویا کہ اسے کوئی ہانک رہا ہے وہ اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک دیہاتی آدمی دوڑتا ہوا آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس دیہاتی کا بھی ہاتھ پکڑ لیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اپنے لئے ایسے کھانے کو حلال کر لیتا ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے چنانچہ شیطان اس لڑکی کو لایا تا کہ وہ اپنے لئے کھانا حلال کرے تو میں نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا پھر وہ شیطان اس دیہاتی آدمی کو لایا تا کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنا کھانا حلال کرے تو میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے

”وإنه جاء بهذه الجارية لستهل فأخذت بيدها“ (۱)

آپ ﷺ راستے میں گذرتے ہوئے بچوں کو سلام کرتے تھے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور کہا کہ نبی ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ (۲)

اسی طرح نبی کریم ﷺ بچوں کو گھر جانے پر سلام کا طریقہ سکھلاتے ہیں:

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے بیٹے جب تم اپنے گھر والوں سے ملو تو سلام کرو، وہ سلام تم پر اور تمہارے گھر والوں پر خیر و برکت کے نزول کا باعث ہوگا۔ (۳)

---

(۱) مسلم: باب آداب الطعام والشراب، حدیث: ٢٠١٧

(۲) بخاری: باب التسلیم علی الصبیان، حدیث: ٥٨٩٣

(۳) ترمذی: باب التسلیم إذا دخل بیته، حدیث: ٢٦٩٨

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بچوں کو یہ بھی تعلیم دی کہ بڑے موجود ہوں تو ان کو بات کرنے کا موقع دیا جائے، خود اقدام نہ کریں۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن سہل رضی اللہ عنہ (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور مسعود کے دونوں بیٹے حویصہ اور محیصہ (جو مقتول کے چچازاد بھائی تھے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز مقتول کے بارے میں مقدمہ پیش کیا، جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی ابتدا کی (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے اور) تینوں میں سب سے چھوٹے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بڑے کی بڑائی کو ملحوظ رکھو "کبر کبر" یعنی تم تینوں میں جو شخص سب سے بڑا ہے اس کو گفتگو کی ابتدا کرنے دو۔ (۱)

ایسے بچوں کو تعلیم دی کہ وہ بڑوں کو سلام کریں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا چھوٹا بڑے کو "یسلم الصغیر علی الکبیر" گزرنے والا بیٹھنے والے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ (۲)

ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے یہاں اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے کو بلایا اور اس کی نافرمانی پر تنبیہ کی اور باپ کے حق کی عدم ادائیگی پر متنبہ کیا، تو لڑکے نے کہا: امیر المومنین، کیا باپ کے بیٹے پر حق نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، اس نے کہا: امیر المومنین! وہ حقوق کیا ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی ماں بہترین تلاش کرے، اس کا نام بہتر رکھے، اور اس کو قرآن سکھائے، لڑکے نے کہا: امیر المؤمنین میرے باپ نے یہ سب کچھ نہیں کیا، میری ماں بھی مجوسیہ ہے، اس نے مجھے کتاب اللہ کا کوئی حرف نہیں سکھایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: تم اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آئے ہو، اور تمہارے اس کی

---

(۱) بخاری: باب الموادعة والمصالحة مع المشرکین، حدیث: ۳۰۰۲

(۲) بخاری: باب یسلم الصغیر علی الکبیر، حدیث: ۵۸۸۰

نافرمانی کرنے سے پہلے تم نے اس کے حقوق سے چشم پوشی کی، اور اس کے تمہارے ساتھ برے سلوک سے پہلے تم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا۔ (۱)

حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ: ”بچوں کی تعلیم کی ابتداء اللہ کے نام سے کرو، کوئی اور لفظ نہ کہنے پائیں، ایسی باتیں نہ سکھاؤ جو آج کل رائج ہیں کہ بچپنے سے انگریزی ہندی الفاظ سکھائے جاتے ہیں، ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو، بچہ بہت جلد سیکھ لیتا ہے، ان باتوں سے خوش نہ ہو؛ بلکہ افسوس کرو، ان کی زبان پر اللہ کا نام اور رسول اللہ ﷺ کا نام رواں کرو، اس طرح سے کہ اللہ کی وحدانیت وقدرت کا ان کو پورا یقین ہو جائے، جو چیز مانگے کہو: اللہ سے مانگو اور جو چیز دو کہو، اللہ نے دی ہے، ہر طرح سے ان کے دل میں ایمان کی قوت پیدا کرتی رہو، ان کے ہر کام کی ابتداء بسم اللہ کے ساتھ کرو، ان کو وہ کلمہ سکھاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کو پہچانیں، جب ان کو سمجھ میں آجائے تو ان کو کلام مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں، سورہ اخلاص وسورہ کوثر وغیرہ کا ایک ایک لفظ سکھاتی رہو، ساتھ میں ترجمہ بھی سکھاتی رہو، رفتہ رفتہ بڑی سورتیں یونہی آگے چل کر سیکھ جائیں گے“۔ (۲)

☆ جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کی تاکید کریں جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز چھوڑنے پر سزا دیں۔ تاکہ انہیں ابھی سے اللہ عز وجل کے احکامات کی ادائیگی اور اس کی رضا وخوشنودی کے حاصل کرنے کی جستجو ان میں پیدا ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم کرو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر الگ کرو ”مروا اولادکم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين“ (۳)

---

(۱) تربية الأولاد في الإسلام: ۱/۳۱۷، صالح علوان

(۲) حسن معاشرت: ۵۸

(۳) ابوداؤد: باب متى يؤمر الغلام، حديث: ٤٩٥، علامہ نوویؒ نے ریاض الصالحین: ۱/۱۲۰، میں اس روایت کو حسن کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو وتر میں پڑھنے کیلئے قنوتِ نازلہ سکھائی:

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو چند کلمات سکھائے جن کو وتر میں پڑھا کرتا ہوں ابن جواس نے کہا وتر کے قنوت میں وہ کلمات یہ ہیں:
اللهم اهدِنِي فِيمن هديت وعافِنِي فِيمن عافيت وتولنِي فِيمن توليت وبارِك لِي فِيما أعطيت وقِنِي شر ما قضيت إِنك تقضِي ولا يقضى عليك وإِنه لا يذِل من واليت ولا يعِز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت
اے اللہ! مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما جنہیں تو نے رشد و ہدایت سے نوازا ہے اور مجھے عافیت دے کر ان میں شامل فرما دے جنہیں تو نے عافیت دی ہے اور جن کو تو نے اپنا دوست قرار دیا ہے ان میں مجھے بھی شامل کر کے اپنا دوست بنا لے۔ جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جس شر و برائی کا تو نے فیصلہ کر دیا ہے اس سے مجھے محفوظ رکھ اور بچا لے۔ یقیناً فیصلہ تو ہی صادر کرتا ہے تیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا اور جس کا تو والی بنا وہ کبھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتا اور جس سے تو دشمنی رکھے وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ ہمارے آقا! تو ہی برکت والا اور بلند و بالا ہے۔(۱)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف نکلے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلا تو سامنے سے کچھ بچے آئے تو آپ ﷺ نے ان بچوں میں سے ہر ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا ”فجعل يمسح خدى أحدهم واحدا واحدا“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ عطار کے ڈبہ سے ہاتھ باہر نکالا ہو۔(۲)

---

(۱) ابوداؤد: باب في قنوت الوتر، حديث:١٠٨٦

(۲) صحيح مسلم: باب طيب رائحة النبى صلى الله عليه وسلم، حديث:٦١٩٧

☆ بچوں میں اللہ کے رسول، اہل بیت کی محبت اور تلاوت قرآن کا ذوق پیدا کریں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دو، نبی ﷺ کی محبت اور آل بیت کی محبت اور تلاوت قرآن، چونکہ قرآن والے اللہ کے عرش کے سائے میں انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ ہوں گے جب کے اس سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ’’فإن حملة القرآن في ظل عرش الله يوم لا ظل إلا ظله‘‘ (۱)

☆ جب بچے دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر علاحدہ کر دیں اور ہر ایک کو الگ الگ بستر پر سلائیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا۔

☆ بچوں میں اللہ کا خوف اور ڈر پیدا کریں کہ وہ اللہ عزوجل کو اپنے ہر معاملہ میں حاضر وناظر سمجھیں۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ عزوجل کی ذات کا یقین، اسی سے سب کچھ ہونے کا استحضار اور تقدیر کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن وہ نبی ﷺ کے پیچھے سوار تھے نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھا رہا ہوں، اللہ کی حفاظت کرو (اس کے احکام کی)، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کی حفاظت کرو تم اسے اپنے سامنے پا گے، جب مانگو اللہ سے مانگو، جب مدد چاہو اللہ سے چاہو، اور جان رکھو! کہ اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سارے مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے ’’رفعت الأقلام وجفت الصحف‘‘ (۲)

---

(۱) کنز العمال: حدیث: ٤٥٤٠٩

(۲) مسند احمد: حدیث: ٧٩٧

حضرت عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ: میں حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے ساتھ مکہ گیا، راستے میں ہم نے شب گذاری کی، پہاڑ پر سے ایک چرواہا آیا، حضرت عمر ؓ نے اس سے کہا: مجھ سے یہ بکری بیچ دو، غلام نے کہا: میں تو خود غلام ہوں، اس کو امتحان لینے کیلئے کہا: تم اپنے سردار سے کہنا کہ اس کو بھیڑیا نے کھالیا، تو چرواہے نے کہا: " أين الله " ؟ پھر اللہ کہاں جائے گا ؟ ، حضرت عمر ؓ رو پڑے، پھر اس غلام کے ساتھ جا کر اس کے آقا سے خرید کر لیا اور اس سے کہنے لگے: اس کلمہ نے تم کو اس دنیا میں آزاد کر دیا، مجھے یہ امید ہے کہ تجھے اللہ اس کلمہ کے بدولت آزاد کر دے گا " أعتقك في الدنيا هذه الكلمة ، وأرجوا أن تعتقك في الآخرة " (۱)

اس کے علاوہ حضرت عمر ؓ کے دور خلافت کا وہ مشہور واقعہ بچوں کی اللہ کے خوف کے ساتھ تربیت پروان چڑھانے پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے لڑکپن میں بھی اللہ کا خوف کرتے تھے، جب ماں نے بچی سے دودھ میں پانی ملانے کو کہا تو اس لڑکی نے کہا: امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے، تو ماں نے کہا: کیا امیر المومنین ابھی دیکھ رہے ہیں، لڑکی نے کہا: اللہ تو دیکھ رہے ہی ہیں "إن كان امير المومنين لا يرانا فرب أمير المؤمنين يرانا " (۲)

☆ بچوں کے سامنے جھوٹ نہ بولیں، اگر ان کے سامنے جھوٹ بولا جائے تو وہ اسی جھوٹ کی عادت کے ساتھ پروان چڑھیں گے اور جھوٹ ان کی عادت اور خو بن جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری والدہ نے مجھے بلایا اور رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے کہ میری والدہ نے کہا کہ اے ادھر آ میں تجھے چیز دوں گی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تو نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ میں اسے کھجور دوں گی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا

(۱-۲) تربية الأولاد في الإسلام : ۳۵۷

کہ بہرحال اگر تو اسے کچھ نہ دیتی تو تیرے اوپر ایک جھوٹ لکھا جاتا ” إما أنك لو لم تفعلي لكتبت عليك كذبة “ (۱)

☆ بچوں کے حق میں بددعا نہ کریں، کیوں کہ کبھی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور بچے بددعا کے نتیجے میں برباد ہو سکتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا بددعا نہ کرو اپنے اوپر، نہ اپنی اولاد پر، نہ اپنے خادموں پر، اور نہ اپنے مالوں پر کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ (۲)

☆ آپ ﷺ بچوں کو کوئی کام مناسب انداز میں کرتے نہ دیکھتے اس کام میں رہنمائی فرماتے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک لڑکے کے قریب سے گزرے، وہ بکری کی کھال اتار رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا تم ذرا الگ ہو جاؤ؛ تاکہ میں تمہیں دکھاؤں (کہ کھال کیسے اتارتے ہیں) پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک کھال اور گوشت کے درمیان ڈالا۔ یہاں تک کہ بغل تک چھپ گیا اور فرمایا ارے لڑکے! اس طرح کھال اتارا کرو۔ ”هكذا يسلخ“ پھر آپ ﷺ چلے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی اور وضو نہ فرمایا۔ (۳)

بچوں کو جب کوئی چیز کسی کے یہاں پہنچانے کیلئے بھیجیں تو رغبت ہونے پر بسا اوقات وہ راستے میں اس سے کھا لیتے ہیں، انہیں یہ تعلیم دی جائے کہ یہ چیز امانت ہے، ہمارا اس میں حق نہیں، اس لئے اس کے مستحق کو بلا کم و کاست پہنچادو۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کی ماں نے ان کو حضور اکرم ﷺ کے پاس کھجور کی شاخ دے کر بھیجا، انہوں نے آپ ﷺ کے پاس پہنچانے سے پہلے ہی

---

(۱) شعب الإيمان، حديث: ٤٨٢٢

(۲) ابوداؤد: النهى عن أن يدعو الإنسان على أهله وماله: حديث: ١٥٣٤

(۳) ابن ماجة: باب السلخ، حديث: ٣٧١٩

راستے میں ہی اس سے کچھ کھالیا، جب وہ یہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا " یا غدر "کیا ہی یہ دھوکا ہے۔(۱)

☆ چھوٹے بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیجئے، ان کو گود میں لے کر ان سے پیار کیجئے۔

ایک مرتبہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے، حضور ﷺ اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے، اقرع رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر تعجب ہوا اور بولے یا رسول اللہ ﷺ! آپ بھی بچوں کو پیار کرتے ہیں، میرے تو دس بچے ہیں؛ لیکن میں نے تو کبھی کسی ایک کو بھی پیار نہیں کیا "انّ لی عشرة من الولد ما قبّلت منهم أحدًا" نبی ﷺ نے اقرع کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: اگر خدا نے تمہارے دل سے رحمت وشفقت کو نکال دیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں" أو أملك لك ان نزّع الله من قلبك الرحمة " (۲)

حضرت عدی بن ثابت کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے نبی کریم ﷺ کو حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے دیکھا "رأیت النبی والحسن علی عاتقه " اور آپ ﷺ فرمارہے تھے: "اللّٰهمّ انّی أحبّه فاحبه " اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس سے محبت فرما۔(۳)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ حسن وحسین آگئے دونوں نے سرخ کرتے پہن رکھے تھے اور گرتے پڑتے چلے آرہے تھے "یمشیان ویعثران" آپ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور ان دونوں کو گود میں اٹھالیا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں کہ تمہارے مال اور اولادیں فتنہ ہیں، میں نے انہیں گرتے پڑتے ہوئے آتے دیکھا تو صبر نہ کرسکا، یہاں تک کہ منبر سے اتر کر انہیں "(گود میں) اٹھالیا۔(۴)

---

(۱) ابن ماجه : باب أكل الثمار ، حديث: ۳۳۶۸

(۲) بخاری: باب رحمة الولد، حدیث: ۵۶۵۲

(۳) مسلم: باب فضائل الحسن والحسین، حدیث: ۶۴۱۱

(۴) ترمذی : باب مناقب الحسن والحسین ، حدیث: ۳۷۷۴

نبی کریم ﷺ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے کھیلا کرتے، وہ آپ ﷺ کے ہاتھوں اور گھٹنوں پر چلتے اور دونوں طرف سے آپ سے چپک جاتے، وہ ان کو لے کر چلتے، اور فرماتے: ” نعم الجمل جملكما، ونعم العدلان أنتما “تمہارا اونٹ کیا ہی بہتر اونٹ ہے اور تم دونوں کیا ہی بہتر سوار ہو۔(۱)

نبی کریم ﷺ بچوں کے خاطر نماز میں تخفیف فرمایا کرتے تھے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نبی کریم ﷺ سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز نہیں پڑھی اور بے شک آپ بچہ کا گریہ سن کر اس خوف سے کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی نماز کو ہلکا کر دیتے تھے ” فأتجاوز في صلاتي مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه“ (۲)

آپ ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کیلئے محبت اور شفقت میں سجدے کو طول دیتے تھے۔

حضرت شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ظہر یا عصر میں سے کسی نماز کیلئے باہر تشریف لائے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے تھے آگے بڑھ کر انہیں ایک طرف بٹھا دیا اور نماز کے لیے تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دی سجدے میں گئے تو اسے خوب طویل کیا میں نے درمیان میں سر اٹھا کر دیکھا تو بچہ نبی ﷺ کی پشت پر سوار تھا اور نبی ﷺ سجدے میں تھے میں یہ دیکھ کر دوبارہ سجدے میں چلا گیا نبی ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج تو آپ نے اس نماز میں بہت لمبا سجدہ کیا ہم تو سمجھے کہ شاید کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے یا آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا البتہ میرا یہ بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا میں نے اسے اپنی خواہش کی تکمیل سے پہلے جلدی میں مبتلا کرنا اچھا نہ سمجھا ” ولكن ابني ارتحلني فكرهت أن أعجله حتى يقضي حاجته “ (۳)

---

(۱) المعجم الكبير: حسين بن علي بن أبي طالب، حديث: ٢٦٦١

(۲) بخاري: من أخف الصلاة عند بكاء الطفل، حديث: ٦٧٦

(۳) نسائي: باب هل يجوز أن تكون سجدة أطول من سجدة، حديث: ١١٤١

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نماز پڑھتے تھے اور آپ ﷺ اسی حالت میں زینب بنت رسول ﷺ اور ابو العاص رضی اللہ عنہ بن ربیعہ بن عبد الشمس کی بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے تھے، جب سجدہ کرتے تو ان کو اتار دیتے (یہ حضور ﷺ کی نواسی تھیں اور حضور ﷺ کی نماز کے دوران یہ خود ہی چڑھ جاتی تھیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے" فإذا سجد وضعها وإذا قام حملها " (۱)

آپ ﷺ کا بچوں کے ساتھ رحم وکرم کا عجیب معاملہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو ہدیہ، تحفے تحائف دیا کرتے، ان کے سروں پر شفقت ہاتھ پھیرتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موسم کا پہلا پھل لایا جاتا تھا تو آپ ﷺ فرماتے اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں اور ہمارے مد میں اور ہمارے صاع میں برکت در برکت عطا فرما پھر آپ ﷺ وہ پھل جو آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتا لڑکوں میں سے سب سے چھوٹے کو عطا فرماتے " ثم يدعو أصغر ولد يراه فيعطيه ذلك الثمر " (۲)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، میں اور میرے ساتھ ایک اور لڑکا آپ ﷺ کے یہاں داخل ہوئے تو آپ ﷺ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایک برتن میں کھجور تناول فرما رہے تھے آپ ﷺ نے ہمیں اس میں سے ایک ایک مٹھی کھجور دیا اور ہمارے سروں پر ہاتھ پھیرا " فقبض لنا من ذلك التمر قبضة قبضة ومسح على رؤوسنا " (۳)

حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو پیٹھ پر سوار کر کے آپ ﷺ گھٹنوں کے بل چلتے۔

---

(۱) بخاري: باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، حديث: ٤٩٤

(۲) مسلم: فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ، حديث: ۱۳۷۳

(۳) المعجم الاوسط، من اسمه مسعدة، حديث: ۹۱۰۹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں حضور ﷺ کے پاس گیا، حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار تھے اور آپ ﷺ فرمارہے تھے: "نعم الجمل جملكما، ونعم العدلان أنتما" "تمہارا اونٹ کیا ہی بہتر ہے اور تم کیا ہی بہتر بوجھ اور سواری ہو۔(۱)

☆ بچوں کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ شفقت میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کو ایسے لفظ سے مخاطب کیا جائے جس سے لڑکپن اور ان سے پیار و محبت جھلکتی ہو۔

آپ ﷺ بچوں کے درمیان دوڑ میں مسابقہ کراتے، آپ ﷺ ان کی سرپرستی فرماتے:

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر، جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان تھے، ان کو ایک صف میں کھڑا کرتے اور فرماتے کہ جو میرے پاس پہلے آئے گا، اسے یہ یہ ملے گا، چنانچہ یہ سب دوڑ کر نبی ﷺ کے پاس آتے، کوئی پشت پر گرتا اور کوئی سینہ مبارک پر آ کر گرتا، نبی ﷺ انہیں پیار کرتے اور اپنے جسم کے ساتھ لگاتے "فيستبقون على ظهره وصدره فيقبلهم ويلزمهم"(۲)

آپ ﷺ بچوں کو اس قسم کے الفاظ سے مخاطب فرماتے تھے "يا غلام إني أعلمك كلمات" (بیٹے میں تم کو چند باتیں سکھانا چاہتا ہوں) اور ایک روایت میں یوں مخاطب فرمایا: "يا غلام سم الله وكل بيمينك" (اے لڑکے! اللہ کا نام لو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ) اور ایک روایت میں بچے کو مخاطب کر کے فرمایا "يا غلام أتأذن لي ااعطي الأشياخ" (اے لڑکے! کیا تم بڑوں کو دینے کی اجازت دیتے ہو؟) اور کبھی بچوں کو یوں مخاطب فرماتے "يا بني" (اے میرے عزیز) کبھی آپ ﷺ کنیت سے مخاطب فرماتے جیسا حضرت عمیر سے فرمایا "يا عمير ما فعل النغير" (اے عمیر! تمہارے نغیر نامی پرندے کا کیا ہوا) اور کبھی یوں فرماتے "ادعوا لي بني أخي" (میرے بھتیجوں کو بلاؤ) اور فرمایا: میرے بھتیجے اتنے ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں۔(۳)

---

(۱) معجم الكبير: عن علي ابن ابي طالب، حديث: ۲٦٦۱

(۲) مسند احمد بن حنبل، حديث: ۱۸۳٦

(۳) سنن أبي داود: باب في حلق الرأس، حديث: ٤۱۹٤

اور آپ ﷺ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو بارہ سال کی بھی نہ تھیں یوں مخاطب فرماتے ”یا عائش“ (اے چھوٹی عائشہ)۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عامر رضی اللہ عنہ کسی اہم عہدے پر تھے، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے ان کے گھر پہنچے، کیا دیکھتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے ہیں اور بچے سینے پر چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو یہ بات گراں گذری، امیر المؤمنین ؓ نے پیشانی کے اتار چڑھاؤ کو پہچان لیا اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کا اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ اور سلوک ہوتا ہے، عامر رضی اللہ عنہ کو موقع مل گیا، بولے امیر المؤمنین! میں گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے، سب اپنی اپنی جگہ چپ سادھے بیٹھ جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے درد بھرے انداز میں کہا: تم امتِ محمدیہ کے فرزند ہوتے ہوئے یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کس طرح نرمی اور محبت کا سلوک کرنا چاہیے۔

☆ لڑکیوں کی پیدائش کو بوجھ نہ سمجھیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو پھر وہ اسے نہ تو زندہ دفن کرے (جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا) اور نہ اس سے ذلت آمیز سلوک کرے اور نہ (برتاؤ) میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کے ساتھ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے بدلہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے ”من ولد له أنثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يؤثر ولده“ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ان بیٹیوں کے کسی معاملہ کی ذمہ داری لی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو

---

(۱) ابوداؤد: باب في فضل من عال يتامى، حديث: ۵۱۴۵، حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے

یہ بیٹیاں اس کیلئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی " کن لہ ستراً من النّار " (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کی دو بیٹیاں ہوں، پھر جب تک وہ اس کے پاس رہیں یہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ بیٹیاں اس کو ضرور جنت میں داخل کردیں گی "ما من مسلم له ابنتان فيحسن إليهما ما صحبتاه أو صحبهما إلاّ أدخلتاه الجنة " (۲)

☆ خوش دلی کے ساتھ ان پر خرچ کرے اور ان پر خرچ کرنے میں بوجھ نہ سمجھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا، ایک دینار تو وہ ہے جسے تم اللہ کی راہ میں (یعنی حج یا جہاد، یا طالب علم) میں خرچ کرو ایک دینار تو وہ ہے جسے تم غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کرو، تو ان تمام دیناروں میں از روئے ثواب سب سے بڑا دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے "ودينا أنفقته على أهلك أعظمها أجرا الذى أنفقته على أهلك " (۳)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اہل وعیال واولاد پر خرچ کرنا بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

☆ سب بچوں کے ساتھ عطا اور بخشش میں برابری کرے۔

☆ بچوں کے سامنے اپنے اخلاق وعادات اور اپنے اطوار وکردار سے اچھا عملی نمونہ پیش کرے، بچے نقل باز ہوتے ہیں، وہ فوراً اچھے یا برے کردار کو اپنا ئیں گے، اس لئے بچوں کے سامنے مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولیں:

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنا ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف رکھتے تھے، میری والدہ نے مجھے بلایا اور کہا: یہاں آ، میں تجھے ایک چیز

---

(۱) بخاری: باب رحمة الولد وتقبيله، حديث: ٥٦٤٩

(۲) ابن حبان: باب ما جاء فى الصبر، حديث: ٢٩٤٥، محقق شعیب الارنؤوط کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے اور شواہد کی وجہ سے یہ روایت حسن درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

(۳) مسلم: باب فضل النفقة على العيال، حديث: ٢٣٥٨

دوں گی، حضور ﷺ نے دیکھ لیا، اور پوچھا: تم بچے کو کیا دینا چاہتی ہو؟ والدہ بولیں: میں اس کو کھجور دینا چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے والدہ سے فرمایا: اگر تم دینے کا بہانہ کر کے بلاتیں اور بچے کے آنے پر کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامہ میں یہ جھوٹ لکھ دیا جاتا ”أما أنك لو لم تعطيه شيئا كتبت علی كذبة“ (۱)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے، پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جانے کے بعد بھی (اپنی غفلت اور لاپرواہی سے) ان کا نکاح نہیں کیا اور وہ گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا ”فان بلغ ولم يزوّجه فأصاب اثمًا فانّما اثمه علی أبيه“ (۲)

والدہ محترم حضرت مولانا ابوالحسن ندوی بچوں کی نگہداشت کے تعلق سے فرماتی ہیں کہ: ”بچوں کو بری صحبتوں سے دور رکھو، ہر وقت خیال کرتی رہو کہ ان کی طبیعت کسی اور طرف مائل نہ ہو، ان کی ضد پوری نہ کرو، مانگنے سے پہلے ان کی خواہش پوری کر دو؛ تا کہ ضد نہ پیدا ہو، ان کے ساتھ ایسا انداز رکھو کہ وہ تم سے بے خوف نہ ہوں، تمہارا اشارہ ان کے لئے کافی ہو، بہت مارنے اور بار بار کہنے سے بھی بے حیا ہو جاتے ہیں، بس اشارہ سے کام لو، ہر وقت ٹیڑھی باتیں نہ کرو، تھوڑی خطا پر سمجھا دو، غصہ میں کوئی لفظ بے جا نہ نکالو کہ پچھتانا پڑے، ان کی طرف سے کسی کو برا نہ کہو، بلکہ ان کا ہی قصور سمجھو، ہر بات کی جانچ کرتی رہو، دوسرا شخص جو کہے اس کا یقین کرو، مگر تھوڑی دیر کے لئے جب تک تحقیق نہ کر لو، اگر تم ان کی بے جا پاسداری کرو گی تو ان کو پھر موقع ملے گا، اگر کوئی پڑی چیز اٹھا لیں تو فوراً اسی جگہ رکھوا دو، اگر چہ دور ہی

---

(۱) ابوداؤد: باب في التشديد في الكذب، حديث: ٤٩٩١، حاکم نے کہا ہے کہ: عبداللہ بن عامر دور رسالت میں پیدا ہوئے تھے، لیکن حضور ﷺ سے ان کا سماع ثابت نہیں، عراقی کہتے ہیں اس کا ایک شاہد موجود ہے۔ مغني عن حمل الأسفار، حديث عبد الله بن عامر: ٩٠٨/٢

(۲) شعب الإيمان، الستون من شعب الإيمان، حديث: ٨٦٦٦

کیوں نہ ہو، اگر تم اس جگہ تک جا سکتی ہو تو جا کر سامنے رکھواؤ کہ آئندہ احتیاط رہے، جھوٹ اور چغلی سے روکتی رہو، مار کر ہنسو نہیں، ورنہ وہ بے حجاب ہو جائیں گے، سب بچوں کو ایک نظر سے دیکھو، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو کہ ایک دوسرے کو ذلیل سمجھیں گے، کبھی بچوں کے ہاتھ میں پیسہ نہ دو، خود مناسب سمجھ کر چیز منگا کر سب کو برابر تقسیم کر دو۔"

بچیوں کی تربیت کے تعلق سے فرماتی ہیں:

"لڑکیوں کے پردہ کا بہت لحاظ رکھو، جس وقت سے ان کو سمجھ آئے، ہم عمر لڑکوں سے علاحدہ رکھو، ان سے بات کرنے کا موقع نہ دو؛ بلکہ لڑکیوں کے پاس بھی تنہا نہ رہنے دو، ہنسی مذاق سے روکتی رہو، ان کو بے موقع کہیں آنے جانے نہ دو، اپنے ساتھ بھی ہر روز ہر جگہ لے جانا مناسب نہیں، اگر چہ چچا اور ماموں کا گھر ہی کیوں نہ ہو، بچیوں کے پردہ کا خاص خیال رکھو، ہر بری بات میں روک ٹوک کرتی رہو، ان میں کسی قسم کی آزادی پیدا نہ ہو سکے، کپڑے اور زیور اپنی خوشی کے مطابق پہناؤ، ان کی رائے پر نہ چھوڑو، گذشتہ زمانے کی حالت پر نظر رکھو، اس کے خلاف نہ کرو، بے جا کتابیں دیکھنے نہ دو، نماز پڑھنے اور قرآن وحدیث پڑھنے کی تاکید کرتی رہو، ادب ولحاظ سکھاؤ، زیادہ باتیں کرنے سے روکو، زیادہ باتیں کرنا بیوقوفی کی دلیل ہے، بچیاں کم سخن اور شرمیلی ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔(۱)

اور فرماتی ہیں کہ:

بچیوں کو کاہل نہ بناؤ، ان سے کام لیتی رہو، کپڑے سلواؤ، کھانے پکانے میں شریک رکھو، کوئی ہانڈی خاص انہیں سے پکواؤ، خانہ داری میں شریک کرتی رہو؛ تا کہ ان کو مہارت حاصل ہو، اور بخوبی اس سے واقف ہو جائیں، حساب خانہ داری انہیں کے ہاتھ میں رکھو، مگر تم ان سے حساب لیتی رہو، کپڑے وغیرہ کے لینے دینے اور ان کی بدن کی صفائی کا خاص خیال رکھو، ہر کام کو الٹتی پلٹتی رہو کہ کام کرنے کی عادت رہے، دست کاری میں ایسی مشاق رہیں کہ دوسروں کو ان سے مدد ملتی رہے، سلیقہ شعار عورتوں کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے،

---

(۱) حسن معاشرت: ۶۰

اگر یہ باتیں ہوئیں تو قلیل آمدنی میں بھی آرام پا سکتی ہیں، جہاں تک ممکن ہو اور معیوب نہ ہو بچیوں کو ہر کام کا عادی بنانا چاہئے۔ (۱)

بڑوں کا بچپن

☆ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما بھی چھوٹے ہی تھے، ان دونوں نے مسجد میں ایک بڑے میاں کو دیکھا کہ وہ اچھی طرح وضو نہیں کر رہے، ان کو بڑے میاں کی غلطی پر نشاندہی کرنے میں شرمندگی محسوس ہوئی، لیکن بڑے میاں کو غلطی پر مطلع کرنا بھی ضروری تھا، اس لئے انہوں نے آپس میں مشورہ کے بعد طے کیا کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ بڑے میاں کو شرمندگی بھی نہ ہو، اور ان کو صحیح صورتحال بھی معلوم ہو جائے، چنانچہ وہ دونوں ان بڑے میاں کے پاس گئے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان بڑے میاں سے کہا: میرے اور میرے بھائی حسین میں وضو کے تعلق سے اختلاف ہو گیا ہے، میں کہتا ہے ہوں کہ میرا وضو ٹھیک ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں ٹھیک طریقے سے وضو نہیں کرتا، چنانچہ آپ ہمارے وضو کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے کہ ٹھیک طریقے سے وضو کون کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وضو کیا، اچھے طریقے سے وضو کیا، فرائض، سنن، ترتیب، ہیئت تمام چیزوں کی رعایت کی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی تمام چیزوں کی مکمل رعایت کے ساتھ وضو کیا، ان دونوں کے وضو کو دیکھا تو بڑے میاں کو اپنی غلطی کا علم ہوا، انہوں نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا: اللہ ہی کیلئے تمہاری نیکی ہے اے بچو، تم دونوں نے اچھی طرح وضو کیا، غلطی پر تو میں تھا" وإنما على خطأ هو أنا " (۲)

☆ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گذر ہوا تو سب بچے بھاگ گئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے رہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "یا عبد اللہ! لماذا لم تفر

---

(۱) حسن معاشرت: ۶۱

(۲) فن تربية الأولاد في الإسلام: ۲/۱۱۰

کما فرزملائك " اے عبداللہ! تم دوسرے بچوں کی طرح کیوں بھاگ نہیں گئے تو انہوں نے فرمایا: امیر المومنین! میں نے ایسا کوئی گناہ ہی نہیں کیا کہ مجھے آپ سے ڈرنا پڑتا اور نہ ہی راستہ تنگ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو جگہ دیتا۔(۱)

☆ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ابھی چھوٹے ہی تھے تقریبا دس سال کے، حضور اکرم ﷺ لشکر تیار فرما رہے تھے، انہوں نے اپنے آپ کو جہاد اور قتال کیلئے پیش کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے لوٹا دیا، اور فرمایا کہ: تم پر قتال فرض نہیں، تو وہ غمزدہ لوٹ گئے، پھر دوسری، تیسری دفعہ آئے، اس دفعہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو قبول فرمالیا اور کہا کہ وہ زخمیوں کا علاج ومعالجہ کریں گے، چنانچہ وہ اسی نسبت پر غزوہ میں شریک ہوئے، پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے حین حیات اکابر صحابہ کی موجودگی میں ان کے نوجوانی میں امیر لشکر بنایا تھا، جس لشکر کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وفات کے بعد انہیں کی قیادت میں روانہ کیا تھا۔(۲)

☆ حضرت صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بدر کے دن ایک لائن میں تھے اور میرے دائیں بائیں دو کمسن انصاری لڑکے دکھائی دیئے میرے جی میں اس وقت یہ آیا کہ کاش! میں دو طاقتور آدمیوں کے بیچ میں ہوتا اسی اثنا میں ان دونوں میں سے ایک نے مجھ سے آہستہ سے پوچھا کہ اے چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! لیکن اے میرے بھتیجے تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کمسن انصاری لڑکے نے کہا مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے اور قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو پھر میرا جسم اس کے جسم سے الگ نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے کسی کی موت ہی جلدی کرے میں یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا پھر اِس دوسرے نے بھی مجھے دَبا کر پہلے والے کی طرح کہا پھر تھوڑی ہی دیر میں ابوجہل دوڑتا ہوا

(۱-۲) فن تربية الأولاد فی الإسلام : ۲/ ۱۱۰، محمد سعید المرسی

دکھائی دیا تو میں نے ان لوگوں سے کہا یہی وہ شخص ہے جس کی بابت تم دریافت کر رہے تھے تو وہ دونوں اپنی تلواریں لئے ہوئے اس کی طرف جھپٹے اور اس کو مار مار کے تہ تیغ کر دیا پھر ان دونوں نے لوٹ کر ابوجہل کے قتل کی اطلاع رسالت مآب ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کس نے اس کو مارا ہے؟ تو ان میں سے ہر ایک نے کہا: میں نے مارا ہے! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنی خون بھری تلواریں صاف کر لی ہیں؟ ان دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا جی نہیں تو سرورِ عالم ﷺ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا: تم دونوں نے اس کو تہ تیغ کیا ہے لیکن اس کا ساز و سامان اور مال و اسباب معاذ بن عمر بن جموح کو ملے گا اور وہ دونوں لڑکے حقیقت میں معاذ بن عفرا اور معاذ بن جموح نکلے۔ (۱)

☆ حضرت عمیر بن سعد ایک ہونہار اور سعید لڑکے تھے، ان کے والد کا جب انتقال ہوا تو یہ بالکل چھوٹے تھے، ان کی والدہ نے جلاس نامی ایک شخص سے شادی کر لی، ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سامانِ جنگ اکٹھا کر رہے تھے تو عمیر بن سعد نے دیکھا غزوہ تبوک کیلئے ہر شخص چندہ دے رہا ہے اور جلاس اس کیلئے کچھ انتظام نہیں کر رہے تو وہ جلاس کے پاس گئے اور کہنے لگے، تم امداد اور چندہ کیوں نہیں دیتے؟ حالانکہ تم مالدار اور صاحب ثروت ہو، پھر تم اس غزوہ کیلئے کچھ خرچ نہیں کرتے؟ جلاس نے کہا: اگر محمد سچے ہوتے تو جیسا کہ تمہارا کہنا ہے تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں" إن كان محمد صادقا فيما يدعيه من النبوة فنحن شر من الحمير" تو عمیر نے کہا: اللہ کی قسم اے جلاس! میرے لئے روئے زمین پر محمد بن عبد اللہ کے بعد تم سے محبوب کوئی نہیں ہے، تم میری نگاہوں میں سب سے محبوب اور میرے لئے عظیم نعمت ہو، لیکن تم نے ایک بات ایسی کہی ہے کہ اگر میں اس بات کو بتا دیتا ہوں تو اس میں تمہاری رسوائی ہے اور اگر چھپاتا ہوں تو امانت میں خیانت اور اپنی جان اور اپنے دین کو برباد کرنا ہے، میں رسول اللہ ﷺ کو جا کر تمہاری بات بتا دیتا ہوں، عمیر نے رسول اللہ ﷺ کو جلاس کی بات کی اطلاع، جلاس نے جھوٹی قسم کھا کر

---

(۱) بخاری: من لم یخمس الأسلاب، حدیث: ۲۹۷۲

کہا کہ اس نے ایسے نہیں کہا، عمیر نے دعا کی ان کی موافقت میں وحی نازل ہوا اسی درمیان وحی کا نزول ہوا، ”یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا ، وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِہِمْ“ جلاس کی جسم پر کپکپی طاری ہوگئی، اس کی زبان مارے خوف اور ڈر کے گنگ ہوگئی، پھر فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں توبہ کرتا ہوں ..... عمیر نے سچ کہا اور میں ہی جھوٹا تھا۔ (۱)

☆ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے چچازاد بھائی سلیمان بن عبدالملک کی تدفین سے فارغ ہوئے، تو ایک نوجوان عبدالملک بن عمر دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے ان کے پاس آئے، کہنے لگے: امیرالمؤمنین آپ کیا چاہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں اس نوجوان نے کہا: سوئیے مت، مظلوموں کی مدد کیجئے، تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: بیٹے میں کل تمہارے چچا سلیمان کی موت کی وجہ سے سو نہیں پایا تھا، میں ظہر کے بعد لوگوں کے فیصلے کروں گا، تو لڑکے نے کہا: آپ کو یہ پتہ ہے کہ آپ ظہر تک حیات رہیں گے؟ امیرالمومنین کھڑے ہوجائیے اور لوگوں کے مظالم کو فیصل کیجئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: بیٹے میرے قریب ہوجائیے، تو وہ لڑکا ان کے قریب ہوگیا، پھر کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری نسل میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو امور دین میں میری مدد کرتے ہیں” الحمد لله الذي جعل من صلبي من يعينني علي أمور ديني “ (۲)

☆ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ: میری ماں نے مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ لیا تھا، میں ایک دفعہ بغداد سے مکۃ المکرمۃ طلبِ علم کی غرض سے جارہا تھا، میری ماں نے مجھے چالیس دینار دیئے کہ میں اس سے نان ونفقہ کا نظم کروں، اور مجھ سے جھوٹ نہ بولنے کا بھی عہد لیا۔ جب ہم سرزمین ہمدان پہنچے تو ہم پر ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے ہلہ بول دیا اور سارے قافلہ کو لوٹ لیا، ان میں کے ایک شخص نے مجھ سے کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟

(۱-۲) فن تربية الأولاد في الإسلام: ۲/۱۱۶، محمد سعيد المرسي

میں نے کہا: میرے ساتھ چالیس دینار ہیں، اس نے سوچا کہ میں اس سے مذاق کر رہا ہوں، چنانچہ اس نے مجھے چھوڑ دیا، مجھے ایک دوسرے آدمی نے دیکھا تو کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟ تو میں نے اسے اپنے پاس موجود چیز کے تعلق سے بتایا تو اس نے مجھے ڈاکوؤں کے سردار کے پاس لے گیا، اس نے مجھ سے یہی پوچھا تو میں نے وہی جواب دیا، اس نے کہا: تم نے سچ کیوں کہا؟ میں نے کہا: میری ماں نے مجھ سے سچ کہنے کا عہد لیا تھا، مجھے جھوٹ کہنے میں اس حکم وعدہ خلافی نظر آتی ہے، ڈاکوؤں کے سردار نے سارا لوٹا ہوا مال واپس لوٹانے کو کہا اور یہ کہا کہ: اے بیٹے میں تمہارے ہاتھ پر تائب ہوتا ہوں، اس کے ساتھیوں نے کہا " أنت كبيرنا في قطع الطريق وأنت اليوم كبيرنا في التوبة " تم ہمارے چوری اور لوٹ مار کے حوالے سے بڑے تھے، تم آج ہمارے بڑے ہو توبہ کے سلسلے میں۔ (۱)

بچوں کی احتیاط کا بیان

(۱) ہر روز بچے کا ہاتھ منہ گلا کان چڈھے وغیرہ گیلے کپڑے سے خوب صاف کر دیا کریں، میل جمنے سے گوشت گل کر زخم پڑ جاتے ہیں۔

(۲) جب پیشاب یا پاخانہ کرے فوراً پانی سے طہارت کر دیا کریں، خالی چیتھڑے سے پوچھنے پر بس نہ کیا کریں اس سے بچے کے بدن میں خارش اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے اگر موسم سرد ہو تو پانی نیم گرم کر لیں۔

(۳) بچے کو الگ سلا دیں اور حفاظت کے واسطے دونوں طرف کی پٹیوں سے دو چار پائیاں ملا کر بچھا دیں یا اس کی دونوں کروٹ پر دو تکیے رکھ دیں تا کہ گر نہ پڑے۔ پاس سلانے میں یہ ڈر ہے کہ شاید سوتے میں کہیں کروٹ کے تلے دب جائے ہاتھ پاؤں نازک تو ہوتے ہی ہیں اگر صدمہ پہنچ جائے تعجب نہیں ایک جگہ اس طرح ایک بچہ رات کو دب گیا صبح کو مرا ہوا ملا۔

---

(۱) فن تربية الأولاد في الإسلام: ۱۱۶/۲، محمد سعيد المرسي

(۴) جھولے کی زیادہ عادت بچے کو نہ ڈالیں؛ کیونکہ جھولا ہر جگہ نہیں ملتا اور بہت گود میں بھی نہ رکھیں اس سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے۔

(۵) چھوٹے بچے کو عادت ڈالیں کہ سب کے پاس جایا کرے ایک آدمی کے پاس زیادہ ہل جانے سے اگر وہ آدمی مر جائے یا نوکری سے چھڑا دیا جائے تو بچہ کو مصیبت ہو جاتی ہے۔

(۶) اگر بچہ کو دایا کا دودھ پلانا ہو تو ایسی دایا تجویز کرنا چاہیے جس کا دودھ اچھا ہے، اور دودھ اس کا تازہ یعنی اس کا بچہ چھ سات مہینے سے زیادہ کا نہ ہو، اور وہ خصلت کی اچھی ہو، اور دیندار ہو، احمق، بے شرم، بدچلن، کنجوس اور لالچی نہ ہو۔

(۷) جب بچہ کھانا کھانے لگے تو دایا پر بچے کا کھانا نہ چھوڑیں بلکہ خود اپنے یا اپنے کسی سلیقہ دار معتبر آدمی کے سامنے کھانا کھلایا کریں تاکہ بے اندازہ کھا کر بیمار نہ ہو جائے اور بیماری میں دوا بھی اپنے سامنے بنوادیں اپنے سامنے پلائیں۔

(۸) جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو اس کو اپنے ہاتھ سے کھانے کی عادت ڈالیں اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھلوا دیا کریں اور داہنے ہاتھ سے کھانا سکھلا دیں اور اس کو کم کھانے کی عادت ڈالیں تاکہ بیماری اور حرص سے بچا رہے۔

(۹) ماں باپ خود بھی خیال رکھیں اور جو مرد یا عورت بچے پر مقرر ہو وہ بھی خیال رکھے کہ بچہ ہر وقت صاف ستھرا رہے جب ہاتھ منہ میلا ہو جائے فوراً دُھلا دے۔

(۱۰) اگر ممکن ہو تو ہر وقت کوئی بچے کے ساتھ رہے کھیل کود کے وقت اس کا دھیان رکھے بہت دوڑنے کودنے نہ دے، بلند مکان پر لے جا کر نہ کھلاوے، بھلے مانسوں کے بچوں کے ساتھ کھلاوے۔ کمینوں کے بچوں کے ساتھ نہ کھیلنے دے، زیادہ بچوں میں نہ کھیلنے دے، گلیوں سڑکوں میں نہ کھیلنے دے، بازار وغیرہ میں اس کو لیے نہ پھرے، اس کی ہر بات کو دیکھ کر ہر موقع کے مناسب اس کو آداب قاعدے سکھلا دے بے جا باتوں سے اس کو روکے۔

(۱۱) کھلانے والی کو تاکید کر دیں کہ اس کو غیر جگہ کچھ نہ کھلا دے اگر کوئی اس کو کھانے پینے کی چیز دیدے تو گھر لا کر ماں باپ کے روبرو رکھ دے آپ ہی آپ نہ کھلا دے۔

(۱۲) بچہ کو عادت ڈالیں کہ سوائے اپنے بزرگوں کے اور کس سے کوئی چیز نہ مانگے اور بغیر اجازت کے کس کی دی ہوئی چیز نہ لے۔

(۱۳) بچہ کو بہت لاڈ پیار نہ کرے، ورنہ ابتر ہو جائے گا۔

(۱۴) بچہ کو بہت تنگ کپڑے نہ پہنا دیں اور بہت گوٹا کنار بھی نہ لگائیں، البتہ عید بقر عید میں مضائقہ نہیں۔

(۱۵) بچہ کو منجن مسواک کی عادت ڈالیں۔

(۱۶) اس کتاب کے ساتویں حصہ میں جو آداب اور قاعدے کھانے پینے کے بولنے چالنے ملنے جلنے کے اٹھنے بیٹھنے کے لکھے گئے ہیں ان سب کی عادت بچے کو ڈالیں اس بھروسہ میں نہ رہیں کہ بڑا ہو کر خود اپنے سے سیکھ جائے گا یا اس کو اس وقت پڑھا دیں گے۔ یاد رکھئے! آپ سے کوئی نہیں سیکھا کرتا، پڑھنے سے جان تو جاتا ہے؛ مگر عادت نہیں پڑتی اور جب تک نیک باتوں کی عادت نہ ہو، کتنا ہی کوئی لکھا پڑھا ہو، ہمیشہ اس سے بے تمیز نالائق اور دل دکھانے کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱۷) پڑھنے میں بچے پر بہت محنت نہ ڈالے شروع میں ایک گھنٹہ پڑھنے کا مقرر کرے پھر دو گھنٹے پھر تین گھنٹے اس طرح اس کی طاقت کے موافق اس سے محنت لیتا رہے ایسا نہ کرے کہ سارا دن پڑھاتا رہے، ایک تو تھکن کی وجہ سے بچہ جی چرانے لگے گا پھر زیادہ محنت سے دل اور دماغ خراب ہو کر ذہن اور حافظہ میں فتور آ جائے گا اور بیماروں کی طرح سست رہنے لگے گا پھر پڑھنے میں جی نہیں لگائے گا۔

(۱۸) سوائے معمول کی چھٹیوں کے بدون سخت ضرورت کے بار بار چھٹی نہ دلوائیں کہ اس سے طبیعت اُچاٹ ہو جاتی ہے۔

(۱۹) جہاں تک میسر ہو جو علم و فن سکھلاویں ایسے آدمی سے سکھلاویں جو اس میں پورا عالم اور کامل ہو، بعضے آدمی سستا معلم رکھ کر اس سے تعلیم دلواتے ہیں شروع ہی سے طریقہ بگڑ جاتا ہے پھر درستی مشکل ہو جاتی ہے۔

(۲۰) آسان سبق تیسرے پہر کے وقت مقرر کریں اور مشکل سبق صبح کو کیونکہ اخیر وقت میں طبیعت تھکی ہوئی ہوتی ہے مشکل سبق سے گھبرائے گی۔

(۲۱) بچوں کو خصوصاً لڑکی کو پکانا اور سینا ضرور سکھائیے۔

(۲۲) شادی میں دولہا دلہن کی عمر میں زیادہ فرق ہونا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے اور بہت کم عمر میں شادی نہ کریں اس میں بھی بڑے نقصان ہیں لڑکوں کی تعلیم کریں کہ سب کے سامنے خاص کر لڑکیوں یا عورتوں کے سامنے ڈھیلے سے استنجا نہ سکھلایا کریں۔ (۱)

---

(۱) اختری بہشتی زیور عکسی، دسواں حصہ: ۱۴-۱۵

قیامِ مکاتب : آداب واحکام

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے بچوں کو سب سے پہلے "لا الـٰه الّا اللّٰه" سکھاؤ اور موت کے وقت کلمۂ طیبہ کی تلقین کرو، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کا پسندیدہ معمول تھا کہ جب بچہ بولنے لگتا تھا تو اس کو "لَا اله الّا اللّٰه" سات بار پڑھاتے تھے، "كانوا يستحبون ان يلقّنوا الصبی حين يعرب ان يقول : لا اله الاّ اللّٰه سبع مرات" (۱)

اور سات سے دس سال کے بچے کو قرآن اور دعا کی اتنی تعلیم دیا کرتے تھے کہ وہ اس عمر میں باقاعدہ نماز ادا کریں، یہ اُس حدیث کی عملی شکل تھی جس میں نبیٔ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سات سال کے بچوں کو نماز سکھاؤ، اور دس سال کے بچوں کو نماز نہ پڑھنے پر مارو "علموا الصبی الصلاة ابن سنين واضربواه عليها ابن عشر" (۲)

☆ بڑے بڑے جامعات اور مدارس کی اہمیت کا کسی کو انکار نہیں، یقیناً وہ ازحد ضروری ہیں مگر اربابِ علم ودانش اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ایک بچے کے معصوم ذہن پر مکتب کی تعلیم کا کتنا گہرا اثر ہوتے ہیں، یہ مکاتب دینیہ ان چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کیلئے ماں کی گود کی طرح ایک دینی گہوارہ ہوتا ہے، یہاں اس کے ذہن پر جو اثرات پڑتے ہیں وہ پتھر کی لکیر کی طرح مرتے دم تک اس کے دل ودماغ پر چھائے رہتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "التعلم فی الصغر كالنقش فی الحجر" (۳)

---

(۱) غريب الحديث لابن عبيد بن سلام: ۱/۱۶۳، دائرة المعارف العثمانية بحيدراباد سنة ۱۳۸٤ھ/۱۹٦٤ء

(۲) ترمذی: باب متی يؤمر الصبی بالصلاة، حديث: ٤۰۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) فتح الباری: باب التعليم للصبيان: ۹/ ۸۳/ دار الفكر، بيروت

یعنی بچپن میں علم حاصل کرنا پتھر کی لکیر کی طرح ہوتا ہے، اگر اس دور میں بچوں کا دینی مزاج بن گیا تو زندگی کے ہر موڑ پر وہ دین کا دامن تھامے رکھے گا کسی بھی موقع پر دین سے کٹا ہوا نہیں رہے گا، اس کے برخلاف بچہ جب مکتب کی ابتدائی تعلیم ہی سے دور ہتا ہے تو اس کا کیا نتیجہ اور انجام ہوتا ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، جسے امام سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے صاحبزادے ولید کیلئے لاڈ پیار کی وجہ سے بچپن میں مکتب کی تعلیم کیلئے کوئی معلم ومؤدب مقرر نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم سے بہت دور رہا، ایک دن عبدالملک غمگین بیٹھا سوچ رہا تھا کہ میں عربوں پر کس کو حکمراں بناؤں؟، روح بن نباع موجود تھے، انہوں نے کہا کہ: اے امیر المؤمنین! صاحبزادہ ولید تو موجود ہے ہی، عبدالملک نے کہا کہ: وہ ادب سے اچھی طرح واقف نہیں ہے، جب اس کی خبر ولید کو ہوئی تو فوراً عربی کے اساتذہ کو جمع کیا اور ایک کمرہ میں ان سے چھ ماہ تک تعلیم حاصل کرتا رہا، اور جب فارغ ہوکر نکلا تو پہلے سے زیادہ جاہل تھا "ثمّ خرج وهو أجهل مما كان"، یہ دیکھ کر عبدالملک نے کہا کہ: وہ معذور ہے، مکتبی تعلیم حاصل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولید بن عبدالملک خلیفہ ہونے کے بعد بھی عربی میں فاش غلطیاں کرتا تھا۔ (۱)

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں خالد بن عبداللہ بن عمرو نے بچپن میں قرآن کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، بچپن میں قرآن نہ سیکھنے پر خلیفہ یزید بن عبدالملک نے حکم دیا کہ ان کو مکتب میں داخل کیا جائے تا کہ بچوں کے ساتھ قرآن پڑھیں، اس پر ان کو اتنا رنج ہوا کہ مکتب میں جانے کے بعد انتقال کر گئے۔ (۲)

☆ احادیث وتاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں طلبہ کی تعلیم وتربیت کیلئے کوئی مخصوص شکل نہیں تھی؛ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود ہی اپنی اولاد کو ضروریاتِ دین

---

(۱) تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱۷۸، مکتبة السعادة، مصر

(۲) جمهرة انساب العرب: ۸۳

سکھلایا کرتے تھے، عرب کے مختلف قبائل سے آنے والے وفود کے ساتھ بچے بھی ہوتے، جو خدمتِ نبوی ﷺ میں قیام کر کے علمِ دین حاصل کرتے تھے، اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست خود مقامی انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے، جس میں انہوں نے بے مثال ایثار و بے لوثی کا ثبوت دیا۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سب سے پہلے بچوں کی تعلیم کیلئے مکتب قائم کئے، اور معلّمین کیلئے بقدر کفایت ایک رقم بطور وظیفہ کے مقرر کر دی۔ (۲)

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا تو خلیفہ ثانی نے مزید اجراءِ مکاتب کا حکم دیا اور اپنے ماتحت عمال وامراء کو یہ حکم دیا کہ تم لوگوں کو قرآن کی تعلیم پر وظیفہ دو، اس پر ایک فرماں رواں نے لکھا کہ: آپ نے مجھے تعلیمِ قرآن پر لوگوں کو وظیفہ دینے کیلئے لکھا ہے، ایسی صورت میں وہ لوگ بھی قرآن کی تعلیم حاصل کریں گے جن کو کلامِ الٰہی کے بجائے وظیفہ میں رغبت ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم ان کو شرافت اور مروّت اور صحابیت کے نام پر وظیفہ دو۔ (۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اپنے بچوں کیلئے قرآن اور ضروریاتِ دین کی تعلیم کا بہت اہتمام کرتے تھے، جیسا کہ ذیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نماز کیلئے ایسے ہی تشہد سکھاتے تھے جیسے مکتب کا معلم بچوں کو سکھاتا ہے "یعلمنا التشهد في الصلاة كما يعلم المكتب الصبيان " (۴)

---

(۱) حیاۃ الصحابہ : ۱/۳۹۵، باب النصرۃ

(۲) محلی ابن حزم : ۷/۱۹۵

(۳) کتاب الأحوال: ۲۶۱

(۴) مصنف ابن ابی شیبۃ: من کان یعلم التشهد، حدیث: ۲۹۹۹، علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری: ۲/۳۱۵ میں اس روایت کو مرسلاً ذکر کیا ہے اور اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ ہی فرماتے ہیں کہ ”انّ أ بابکر کان یعلمهم التشهد علی المنبر کما یعلم الصبیان فی الکتاب “(۱)

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ممبر پر بیٹھ کر ایسے ہی تشہد سکھاتے تھے جیسے مکتب کے بچے سیکھا کرتے ہیں۔

حضرت مصعبؒ بن سعد اور حضرت عمروؒ بن میمون الاودی فرماتے ہیں کہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو یہ کلمات ”اللّٰھمّ انی اعوذ بك من البخل واعوذ بك من الجبن واعوذبك من ان ارد الی ارذل العمر واعوذ بك من فتنة الدنیا وعذاب الاٰخرة “ ایسے ہی سکھایا کرتے تھے جیسے اساتذہ مکتب کے بچوں کو سکھایا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ پناہ مانگا کرتے تھے۔(۲)

ان روایات میں ”کما یعلم المکتب “ کی تعبیر اس بات کی طرف بالکل واضح طور پر اشارہ کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بچوں کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا تھا اور تعلیم دینے والوں کو ”مکتِب“ کہا جاتا تھا۔

☆ بچے جب قرآن پڑھنے میں ماہر ہو جاتے اور قابل لحاظ حصہ صحیح تلفظ اور ادائے مخارج کے ساتھ پڑھ لیتے تو اس وقت حذاقت ومہارت پر خوشی منائی جاتی تھی، اہل ثروت اس موقع پر بچوں کی ہمت افزائی کرتے تھے، اور ان کے معلّموں اور مؤدبوں کو انعام واکرام سے نوازتے تھے، امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے حماد جب سورۃ الحمد پڑھنے لگے تو امام صاحبؒ نے ان کے معلم کو پانچ سو درہم بطورِ انعام دیا۔(۳)

دنیا پرست خلفاء اور امراء بھی اس موقع سے خوب اہتمام کرتے تھے، خلیفہ مہدی کے بچے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: فی التشهد فی الصلاۃ کیف هو، حدیث: ۲۹۹۰، علامہ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوبکر بن مردویہ نے کتاب التشھد میں ابوبکر سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۲) ترمذی: باب فی دعاء النبی صلی اللہ علیه وسلم، حدیث: ۳۵۶۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) أخبار ابی حنیفة وأصحابه: صمیری: ۴۷

ابراہیم نے پانچ سال کی عمر میں " لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ " پڑھنا شروع کیا، تو اس کی طرف سے خلیفہ مہدی نے ایک لاکھ درھم صدقہ کیا اور پانچ سو غلام آزاد کیے۔ (۱)

اس ہمت افزاء ماحول نے بچوں میں تنافس وتقابل کا جذبہ پیدا کر دیا تھا، مکتب کے طلبہ حم سے شروع ہونے والی تمام سورتوں کو پڑھ لینے کے بعد بہت خوش ہوتے تھے اور فخر ومسرت کے ساتھ کہتے تھے " تعلمنا الحوامیم " یعنی ہم نے حم والی تمام سورتیں پڑھ لیں چنانچہ اس سلسلے میں بچوں کی عمر اور جسمانیت کی رعایت کے ساتھ تعلیم وتربیت کیلئے ہونے والی سرزنش کو بخوشی قبول بھی کیا جاتا تھا۔

☆ پہلے زمانے میں معلّمین اور مکتبین کا بے حد ادب واحترام کیا جاتا تھا۔

ابو محمد یزیدی کا بیان ہے کہ میں مامون کا مؤدب اور معلّم تھا، ایک دن میں پہنچا تو وہ گھر کے اندر تھا، میں نے ایک خادم کو بلانے کیلئے بھیجا، جب وہ نہیں آیا تو دوسرے خادم کو بھیجا، پھر بھی نہیں آیا، تو میں نے کہا کہ: یہ لڑکا لغو کاموں میں رہا کرتا ہے،، درباریوں نے بھی کہا کہ: ہاں، آپ کے جانے کے بعد خادموں کو بہت پریشان کرتا ہے، آپ اس کو سزا دے کر سیدھا کریں، جب مامون آیا تو میں نے اس کو سات کوڑے رسید کیے، وہ روتا ہوا آنکھوں کو ملتا رہا، اتنے میں جعفر بن یحی آگئے، اور انہوں نے اپنے رومال سے اس کے آنسو پونچھے، کپڑے درست کیے، اور اپنی مجلس میں بلا کر بٹھایا اور بہلا پھسلا کر ہنسایا، میں ڈرا کہ میری شکایت کرے گا، مگر جعفر بن یحی نے مجھ سے کہا: ابو محمد! میں اس واقعہ کو جاننا نہیں چاہتا تھا، چہ جائیکہ ہارون رشید کو اس کی خبر دوں میں خود ادب کا محتاج ہوں۔ (۲)

خود سرپرست حضرات وہ خواہ کسی بھی طبقہ سے وابستہ رہے ہوں، مگر وہ مؤدبین اور مکتِبوں (مکتب میں پڑھانے والوں) کا تہہ دل سے اکرام واحترام کرتے تھے، تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ محفوظ ہے کہ ہارون رشید نے دیکھا کہ اس کے شہزادے استاذ محترم کے

---

(۱) الذخائر والتحف: ۱۱۲

(۲) تاریخ الخلفاء: المامون عبد اللہ بن عباس ۲۳۱/۱، مکتبہ نزار مصطفی ابن الباز

وضو کیلئے پانی ڈال رہے ہیں، تو برہم ہو گیا اور اپنے اتالیق سے کہنے لگا: تم نے میرے بچوں کو کیا ادب سکھایا ہے؟! معلم دین کی قدر دانی وعزت افزائی کا یہ حق ہے کہ وہ اُن کو حکم دیں کہ ایک ہاتھ سے وضو کیلئے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے اعضاءِ وضو کو ملے۔ (۱)

☆ نو عمر بچے ہی مستقبل کے رجالِ کار ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ذہنی واخلاقی نشوونما اسلامی خطوط پر ہونا ضروری ہے، اور ایسے ماحول وفضاء کا فراہم کیا جانا ان کیلئے لابدی ہے جس میں خالص اسلامی تہذیب کی چھاپ ہو اور اجنبی ثقافت کے تمام ایمان سوز اثرات سے پاک ہو، اسی مکتبی تعلیم کی اہمیت وضرورت کے پیشِ نظر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے: تین چیزیں لوگوں کیلئے ضروری ہیں، ایک حاکم وامیر، ورنہ لوگ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جائیں گے، دوسری مصحف یعنی قرآن کی خرید وفروخت، ورنہ کتاب اللہ کا پڑھنا پڑھانا بند ہو جائے گا، اور تیسری بات یہ ہے کہ عوام الناس کی اولاد کو تعلیم دینے کیلئے معلّم ضروری ہے، جو اجرت لے، ورنہ لوگ جاہل رہ جائیں گے۔ (۲)

☆ اکابرِ تابعینؒ کے دلوں میں مکاتب کے بچوں کی بڑی اہمیت تھی، چنانچہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ جب مکتب کے پاس سے گذرتے تو فرماتے یہ ہی بچے ہماری قوم کے رہنما ہیں۔ (۳)

حضرت سفیان ابن عیینہؒ ایک مرتبہ کسی مکتب کے پاس سے گذر رہے تھے، بچوں کے قرآن پڑھنے کی آواز سن کر دھوپ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: بچوں کی آواز سے قرآن سن کر کیف وسرور حاصل ہو رہا ہے۔

حضرت سمنون نے محبتِ الٰہی سے مغلوب ہو کر کہا تھا: "فَلَيْسَ فِيْ سِوَاكَ حَظٌّ، فَكَيْفَ مَا شِئْتَ فَامْتَحِنْ" اے اللہ! تیرے سوا میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں، تو جیسے چاہے میرا امتحان لے، چنانچہ اللہ کی طرف سے اس کے بعد احتباسِ بول (پیشاب کے رکنے)

---

(۱) تربية الأولاد في الاسلام : ۲۹۰/۱

(۲) تربيت الأولاد في الاسلام : ۲۹۱/۱

(۳) طبقات ابن سعد : ۱٤۱/٥

کی آزمائش میں ڈالے گئے، خواب میں ایک بزرگ سے شکایت کی تو انہوں نے کہا: "عَلَيْكَ بِدُعَاءِ الْكَتَاتِيبِ" یعنی تم مکتب کے بچوں سے دعا کراؤ، اس کے بعد وہ پیشاب کا قارورہ ہاتھ میں لے کر جس میں ان کے پیشاب کے قطرے گرتے تھے مکتبوں کا چکر لگاتے تھے" فكان بعد ذلك يطوف الكتاتيب وبيده قارورة يقطر فيها بوله " اور نونہالوں سے کہتے تھے کہ: زبان کی وجہ سے اپنے بیمار چچا کیلئے دعا کرو۔ (۱)

☆ ان مکاتب کے قیام کا مقصد مسلمان بچوں کو پڑھنے لکھنے اور حفظِ قرآن کی تعلیم دینا ہوتا تھا، خود حضور ﷺ نے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے بدر کے مشرک قیدیوں کی رہائی دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھانے پر موقوف رکھی تھی انہیں دنوں میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انصاری بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنا سیکھا تھا "فيومئذ تعلم زيد بن ثابت رضي الله عنه في جماعة من غلمة الانصار" (۲)

☆ بچوں کو ان مکاتب میں عربی زبان کے احترام کی تعلیم دی جاتی تھی، خصوصاً جب ان کی تختیوں پر قرآن کریم کی آیات یا احادیث نبویہ لکھ کر دی جاتی تھیں، صحابیِ جلیل حضرت انس بن مالکؓ (ت ۹۳ھ) سے پوچھا گیا کہ: حضراتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں مؤدبین اور مکاتب کے معلمین کی کیا حالت ہوتی تھی؟ جواب دیا کہ معلم کے یہاں ایک مٹی کا برتن ہوا کرتا تھا، ہر لڑکا اپنی باری سے اس میں پاک پانی لا کر ڈالتا، جس سے تمام لڑکے اپنی تختیوں پر لکھی ہوئی تحریر کو مٹاتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر وہ ایک گڑھا کھودتے اور اس میں اس پانی کو ڈال دیتے اور پانی اس میں جذب ہو جاتا۔ (۳)

اس سے اس دور کے مکاتب کے مؤدبین اور طلباء کی عربی زبان کے احترام اور قرآن و حدیث کی عقیدت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

---

(۱) تاریخ بغداد بشار: ٣٢٤/١٠، دار الغرب الاسلامی، بیروت

(۲) الروض الأنف :نزول سورة الأنفال: ١٦٧/٥

(۳) آداب المعلمين لابن سحنون : ٤٠-٤١

☆ اس دور کے مشہورِ زمانہ مؤدبین اور مکاتب کے معلمین میں سے حجاج بن یوسف الثقفی بھی ہیں، یہ ایک مکتب میں تعلیم دیتے اور اجرت میں روٹی پاتے "یعلّم الصبیان ویاجرون الخبز" (۱) ابن مزاحم سے یہ پتہ چلا ہے کہ وہ کوفہ کے کسی مکتب کے معلم تھے ان کے یہاں تین ہزار طلباء تعلیم پاتے تھے۔

بہت سارے فقہاء اور علماءؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم انھیں مکاتب میں پائی ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اپنے لڑکپن میں مکتب کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''میں اپنی ماں کے گود میں یتیم تھا، مجھے میری ماں نے ایک مکتب کے حوالہ کردیا، جب میں نے قرآن مجید ختم کیا تو میں مسجد میں جاکر علماء کی مجالس اور حلقوں میں بیٹھنے لگا" فلما ختمت القران دخلت المسجد، فکنت أجالس العلماء"(۲)

☆ عورتوں نے بھی شروع ہی سے مکاتب میں تعلیم دی ہے اور اس پہلو سے بھی انہوں نے اپنے کردار کو بخوبی نبھایا ہے، چنانچہ تابعی عبدربہ بن سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ: ام درداء رضی اللہ عنہا نے مجھے اپنی تختی میں جو کچھ سکھایا تھا اس میں سے یہ بھی لکھ کردیا تھا "تعلّموا الحکمة صغارًا تعلمّوا بها کبارًا" حکمت بچپن سے سیکھو، اور بڑے ہونے کے بعد عمل کرو۔ اور کہا تھا: "انّ لکلّ حاصد زرع من خیر أو شر" ہر کاٹنے والا بوئے ہوئے شر یا خیر کو کاٹتا ہے۔ (۳)

☆ معلّمین کیلئے حق الخدمت کا دینا بھی ضروری ہے۔

ابتداء میں بیشتر تابعین تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کو ناپسند کرتے تھے، لیکن جب مسلم حکومت پر زوال آگیا اور اہل زمانہ علمِ دین کے تئیں ناقدری کا ثبوت دینے لگے اور

---

(۱) ماذا قدم المسلمون إلي العالم: ۱۹۲/۱، مؤسسة الإقراء للنشر والتوزیع، القاهرة

(۲) جامع بیان العلم وفضله: باب الحض علی استدامة الطلب: ۴۱۳/۱، دار ابن الجوزی، سعودیة

(۳) تاریخ دمشق: هجیمة، ۱۵۸،۷۰، دار الفکر للطباعة والنشر

علومِ قرآنیہ کے حاملین اپنی معاشی ضروریات کی وجہ سے تدریسی یکسوئی چھوڑنے لگے تو اکابرِ امت نے اپنی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ اگر یہ ہی بے اعتنائی اور لاپروائی کا تسلسل رہا تو ڈر ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے والے اشخاص کا ہی قحط ہو جائے، نتیجہ نئی نسل علومِ دینیہ سے بے بہرہ رہ جائیگی، اور مدارس وجامعات ویران ہو جائیں گے، اور مادہ پرست اغیار کی تہذیب وثقافت کا غلبہ ہو جائیگا، اس لئے تعلیم دین پر اجرت کو جائز قرار دیا گیا، ابن وھب کا بیان ہے کہ میں امام مالکؒ کی مجلس میں موجود تھا، ان کے پاس مکتب کے ایک معلم نے آکر کہا کہ: ابو عبداللہ! میں بچوں کا معلم ومؤدب ہوں، میں تعلیم وتادیب پر اجرت کی شرط لگانا پسند نہیں کرتا، اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ مجھے کچھ دیتے نہیں، تعلیم کے علاوہ میرا کوئی مشغلہ نہیں، اس لئے بال بچوں کی ضروریات پوری کرنے میں سخت پریشانی ہوتی ہے، اس کی باتیں سن کر امامِ مالکؒ نے کہا کہ: جاؤ تعلیم پر اجرت کی شرط لگاؤ اور پہلے سے معاملہ طئے کرو، معلم کے جانے کے بعد بعض لوگوں نے امام مالکؒ سے کہا کہ: ابو عبداللہ! آپ اس شخص کو حکم دیتے ہیں کہ تعلیم پر اجرت کی شرط لگائے، امامِ مالکؒ نے کہا کہ: ہاں، اگر ایسا نہ ہو تو کون ہمارے بچوں کی اصلاح کرے گا اور کون ان کو اخلاق اور ادب سکھائے گا، "لولا المعلّمون، أيّ شيئ كنّا نكون نحن" اگر معلّمین نہ ہوں گے تو ہم کس کام کے ہوں گے؟ (۱)

تاریخِ مکاتب کا جائزہ لینے کے بعد قاضی اطہر مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ: بعد میں جب مکاتب کا عام رواج ہو گیا، تو شہروں، دیہاتوں، صحراؤں اور قبیلوں میں شخصی اور انفرادی مکاتب کھل گئے، اور ہر طبقہ نے اپنے ذوق وضرورت کے مطابق بچوں کی تعلیم اور معلموں کے رزق واجرت کا انتظام کیا۔ (۲)

لیکن یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا تنخواہ ملنے کی جگہ ہے (یعنی تن جتنا چاہتا ہے)

---

(۱) جامع بيان العلم وفضله: ذكر الرخصة في العلم: ۱/ ۷۵، دار الكتب العلمية بيروت

(۲) خیر القرون کی درسگاہیں: ۳۵۶

من خواہ ملنے کی جگہ نہیں ہے، پیسے کے ترازو میں علم کو تولنے والا استاذ اپنے علم کی تذلیل کررہا ہے۔

☆ مکاتب کے مدرسین ومعلّمین کو حقیر اور کمتر نہ سمجھا جائے، بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ مکتب میں پڑھانے والا استاذ اپنے کو چھوٹا سمجھتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ دین کے اصل خدمت گذار تو وہ حضرات ہیں جو بڑے بڑے جامعات اور اداروں میں بخاری اور مسلم پڑھاتے ہیں، انہیں یہ تصور ہرگز نہیں کرنا چاہیے؛ اس لئے کہ دین کی کوئی خدمت حقیر اور کمتر نہیں ہوتی، اکابر کی نظر میں مکتب کی خدمت کا کیا مقام تھا۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ جن سے حضرت کا گہرا تعلق تھا اور حضرت کے دل میں ان کا بڑا مقام تھا، ان سے منسلک ایک صاحب نے کسی کے مکاشفہ کا تذکرہ کیا کہ یہ بزرگ اس وقت فلاں مقام پر فائز ہیں تو حضرت نے ہنس کر فرمایا: لوگ ان سب چکروں میں پڑے رہتے ہیں، علماءِ شریعت کا جو مقام ہے وہ کسی کا نہیں، اس کے بعد فرمایا: الف لام زبر اَلْ، حامیم زبر حَم کا جو مقام ہے وہ کسی کا نہیں ہے، یعنی الف ب پڑھانے والے کا جو مقام ہے وہ کسی کا نہیں ہے۔ (۱)

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا کہ: "بہت سے قاعدہ پڑھانے والے کل قیامت کے روز امام بنے ہوں گے اور آگے آگے چل رہے ہوں گے اور بخاری شریف، حدیث شریف پڑھانے والے کل پریشان ہوں گے اور ناظرہ پڑھانے والوں کا دامن پکڑ رہے ہوں گے، اصل چیز تو اخلاص ہے، سچ کہتا ہوں کہ اخلاص کی بنا پر قاعدہ بغدادی پڑھانے والا بخاری پڑھانے والوں سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ (۲)

☆ مکاتب کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسلاف نے نہایت پردرد اور پراثر الفاظ میں اس کے قیام اور رواج پر زور دیا ہے۔

---

(۱) تذکرۃ الصدیق: ۱۸

(۲) تذکرۃ الصدیق: ۲۹/۲

حضرت مولانا منظور نعمانی ؒ نے دینی تعلیم کونسل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: دو باتوں میں سے کسی ایک کیلئے تیار ہو جائیں، یا اپنے بچوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہو جائیں یا اس راستے میں ہمیں جو محنت کرنی ہے اس کیلئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ (۱)

حضرت علی میاں ؒ نے فرمایا: آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے، وہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور بغیر اس ضروری تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو، اپنے پیغمبر کو، اپنے عقیدے اور اپنے فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں، اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ترغیب، کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کرسکتی اور اگر ہمارا یہ فیصلہ نہیں ہے تو حکومت کی کوئی رعایت، کوئی استثناء، کوئی تحفظ، کوئی انتظام ہم کو اس فساد والحاد اور اس انحراف وارتداد سے بچا نہیں سکتا، جس کی طرف دنیا تیزی سے بڑھ رہی ہے، جو قومیں اپنے بارے میں فیصلہ نہ کرسکیں، اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ (۲)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: بالکل صاف کہتا ہوں کہ بچوں کے عید کے کپڑے بنانے سے ہزار بار زیادہ اور بچہ بیمار ہو جائے تو اس کا بہتر سے بہتر علاج کرنے سے سیکڑوں بار زیادہ اور اپنے بچوں کو نوکری کے قابل بنانے سے لاکھ بار زیادہ، یہ ضرورت ہے کہ اس کو سچا پکا مسلمان بنایا جائے۔ (۳)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: اگر کسی ماں کی گود سے بچہ چھین لیا جائے تو

---

(۱) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۱

(۲) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۵

(۳) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۶

کہرام مچ جاتا ہے، لوگ دوڑ پڑتے ہیں، پوری بستی میں ہنگامہ ہوجاتا ہے اور یہ ڈر ہوجاتا ہے کہ کہیں فساد نہ ہوجائے، اس وقت ایماندار ماؤں کی گود سے نہایت اطمینان سے بچے چھینے جارہے ہیں، لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں۔ (یعنی ایمانی ماؤں کے گود سے ان کے بچے ان کی غیر ایمانی ذہن سازی کرکے چھینے جارہے ہیں)۔ (۱)

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ نے فرمایا: ہمیں یہ طئے کرنا ہے کہ ہم ان مکاتب کو سرکاری مداخلت سے بالکل آزاد رکھیں گے، اور ان کا سارا بوجھ ہم خود اٹھائیں گے، ہمیں عیش کوشی، آرام طلبی کی زندگی کو چھوڑ کر جفاکشی کی زندگی گذارنا ہے، اور اس ملک میں اپنی عزت وآبرو کا تحفظ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم پیٹ کاٹ کر کے یہ مکاتب قائم کریں گے اور ان کا بوجھ اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو خود بھی اس کی راہ میں قربانی دیں ”اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ“ اپنے یہ مکاتب قائم کرنے کے ساتھ ہمیں ایک مہم بناکر اس کیلئے بھی بہت بڑی جدوجہد کرنی ہوگی کہ مسلمان بچے ہمارے ان مکاتب ہی میں تعلیم حاصل کریں۔ (۲)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: جو مکتب ایک دفعہ قائم ہوجائے اس کے ٹوٹنے کو گناہ سمجھئے اور یہ سمجھئے کہ خدا کے یہاں آپ سے سوال کیا جائے گا، مسجد اگر شہید ہوجائے تو آپ ڈر جاتے ہیں، اگر قرآن مجید خدانخواستہ گر جائے تو مسلمان کانپ جاتا ہے، وہ کیسا ہی مسلمان کیوں نہ ہو؟ بے شک، مسجد کا شہید ہوجانا بڑا گناہ ہے، لیکن اگر مسجدیں بنی ہوئی ہیں تو ان کو آباد بھی تو ہونا چاہئے؟ ان کو آباد کرنے والے بھی تو بنائے؟ (۳)

☆ موجودہ زمانے میں ٹیوشن یعنی معلم کو گھر بلاکر خاص طور پر اپنے بچوں کو پڑھانے کا رواج ہوتا جارہا ہے، اس کے بارے میں پہلی بات تو یہ کہی جائے گی جو حضرت امام مالکؒ نے

---

(۱) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۱۰

(۲) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۱۱

(۳) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۱۲، مطبوعہ، اہم چیریٹیبل ٹرسٹ، ممبئی

ہارون رشید سے اس وقت کہا تھا، جب ہارون رشید نے حضرت امام مالک ؒ کو گھر آکر بچوں کو پڑھانے کی درخواست کی تھی ” العلم لا يأتي ولكن يؤتى إليه “ (۱) علم خود نہیں آتا اس کیلئے سفر کیا جاتا ہے۔

تجربہ یہ ہے کہ بچہ ماحول کے بغیر نہیں سیکھتا، اور ماحول میں سنتے سنتے دوسروں کا سبق بھی دوہرانے لگتا ہے، اور ٹیوشن میں اخراجات زیادہ ہوجاتے ہیں اور نفع کم ہوجاتا ہے، اس کے بجائے اجتماعی طور پر عرب وعجم میں، مشرق ومغرب میں مکاتب کے نظام کو رواج دینے کی ضرورت ہے اور یہ سب عوامی چندہ سے ہو، نہ کہ حکومتِ وقت کے رحم وکرم سے، ان شاء اللہ خاطر خواہ نتائج ضرور برآمد ہوں گے۔

مکاتب میں اجتماعی تعلیم کے فوائد:

۱- ہر بچے کا ایک ایک منٹ سیکھنے میں صرف ہوگا، اگر ایک گھنٹے میں ۲۰ رطلبہ انفرادی پڑھتے ہیں تو ہر بچے کو استاذ کے سامنے صرف ۳ رمنٹ ملیں گے اور اجتماعی تعلیم میں ہر بچے کو ۶۰ رمنٹ پورے ملیں گے یعنی ۲۰ رگنا زیادہ فائدہ ہوگا۔

۲- ہر مدرسہ واسکول اور کالج میں اجتماعی تعلیم ہوتی ہے؛ اس لئے مکتب میں بھی اجتماعی تعلیم ہونا چاہئے۔

۳- دنیا میں بے شمار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں کو سیکھنے کے لئے اجتماعی تعلیم کا نظم ہے؛ لہٰذا عربی زبان سکھانے کیلئے بھی اجتماعی تعلیم کا طریقہ کار ہونا چاہئے۔

۴- اجتماعی تعلیم کے ذریعے استاذ بچوں پر یکساں توجہ دے سکتا ہے جس کی وجہ سے بچوں کو شرارت کرنے کا موقع نہیں مل پاتا۔

۵- اجتماعی تعلیم کی وجہ سے کم توجہ دینے والے طلبہ یا جن بچوں کو سبق جلد یاد نہیں ہوتا وہ بھی غیر محسوس طریقے سے سبق یاد کر لیتے ہیں۔

۶- اجتماعی تعلیم سے بچوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) دروس الشيخ ابو اسحاق الحويني، باب تواضع النبي، مكتبة الشاملة

۷- اجتماعی تعلیم سے بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور بچوں کی جھجک دور ہوتی ہے۔

۸- اجتماعی تعلیم کے ذریعہ بچوں کو تعلیمی ماحول ملتا ہے اور سبق درسگاہ میں یاد ہو جاتا ہے۔

۹- اجتماعی تعلیم میں وقت کی بچت ہونے کی وجہ سے نورانی قاعدہ اور قرآن کریم کے علاوہ دین کی ضروری اور بنیادی باتیں بچوں کو پڑھائی جاسکتی ہیں۔(۱)

بچوں کی نفسیات سے واقفیت:

طالب علموں کی نفسیات کے مطالعہ تعلیم وتربیت میں آسانی پیدا ہوتی ہے :

نفسیات کے مطالعہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ طلباء اس کے حکم کو بصد خوشی ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔

نفسیات سے واقف استاذ بچوں میں مدرسہ آنے اور علم سیکھنے کی رغبت پیدا کرتا ہے۔

علم نفسیات سے واقف استاذ خشک مضمون کو دلچسپ بنا کر طلبہ کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔

مقولہ مشہور ہے کہ ”جبل گردد جبلت نہ گردد“ نفسیات کا ماہر شخص انسانی بری جبلت کا ازالہ نہیں کرتا؛ بلکہ وہ اس کا امالہ اچھے کام کی طرف کر دیتا ہے، چنانچہ نفسیات سے واقف استاذ شریر بچوں کی اصلاح اچھی طرح کرسکتا ہے۔

نفسیات کا ماہر استاذ مار پیٹ کے بغیر طلبہ پر اپنا وقار قائم کرسکتا ہے۔

نفسیات کا ماہر استاذ بچوں کو نظم ونسق کا عادی بنا سکتا ہے اور ان کی تنظیمی صلاحیت پیدا کرسکتا ہے۔

علم نفسیات سے ناواقفیت کے نقصانات :

علم نفسیات سے ناواقف استاذ طلبہ میں تعلیم حاصل کرنے کی رغبت کو ختم کر دیتا ہے جیسے سبق یاد نہ کرنے پر اتنی پٹائی کرے کہ بچہ کا دل پڑھنے سے ہٹ جائے۔

---

(۱) طریقۂ تعلیم:۳۰

علم نفسیات سے ناواقف استاذ بچوں میں مجرمانہ ذہنیت پیدا کردیتا ہے جیسے کوئی استاذ کسی بچے کو برے القاب (غنڈا، ڈاکو وغیرہ) سے پکارے تو چند دنوں کے بعد اس بچے میں اسی طرح کی ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے۔

علم نفسیات سے ناواقف استاذ سے بچے پریشان رہتے ہیں اور اس کی پیٹھ پیچھے غیبت کرتے ہیں۔

علم نفسیات سے ناواقف استاذ کا ادب واحترام بچے دل سے نہیں کرتے، اس لئے مکتب ومدرسہ سے نکلنے کے بعد وہ استاذ کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے، کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے۔

علم نفسیات سے ناواقف استاذ سے بچوں میں احساس کمتری اور احساس کہتری جیسے نفسیاتی مرض پیدا ہوتے ہیں، ذہین بچہ بھی اپنے آپ کو کند سمجھنے لگتا ہے۔(۱)

جس طرح بچوں کی صلاحیت کی تعمیر کی جاتی ہے، اسی طرح اس کی نفسیات کی تعمیر بھی کم عمری میں ہوتی ہے، یہاں نفسیات کی تعمیر کے چند اصول پیش کئے گئے ہیں جو ایک شخصیت کے کردار کو بنانے کے زریں اصول ہیں:

جس بچے کی ہر وقت حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اس میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔
جس بچے سے شفقت کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ فرماں بردار بن جاتا ہے۔
جس بچے سے سچائی کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ انصاف پسند ہوجاتا ہے۔
جس بچے کو تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرایا جاتا ہے وہ متقی بن جاتا ہے۔
جس بچے کی ہمیشہ مار پیٹ کی جاتی ہے وہ باغی بن جاتا ہے۔
جس بچے کی مانگ اصرار کرنے اور رونے کے بعد پوری کی جاتی ہے وہ ضدی بن جاتا ہے۔
جس بچے پر بھروسہ نہیں کیا جاتا وہ دھوکے باز بن جاتا ہے۔
جس بچے کا ہر وقت مذاق اڑایا جاتا ہے وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

---

(۱) طریقۂ تعلیم: ۵۳

جس بچے پر ہر وقت تنقید کی جاتی ہے وہ نافرمان ہوجاتا ہے۔

جس بچے کو موہوم چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے وہ بزدل بن جاتا ہے۔

جس بچے پر ہر وقت غصہ اور ڈانٹ پھٹکار کی جاتی ہے وہ لڑاکو بن جاتا ہے۔

جس بچے پر ہر وقت غصہ اور ڈانٹ پھٹکار کی جاتی ہے اس کے ذہن میں تشنج (ٹینشن) پیدا ہوتا ہے جو اس کو ذرا ذرا سی بات پر غصہ کا عادی بنا دیتا ہے۔

بچے کو مار پیٹ کرنے والے مربی سے انسیت کے بجائے بعد پیدا ہوتا ہے۔ (۱)

مدارس اسلامیہ اور عصری علوم

اسلامی معاشرت کا ضروری علم جس کا سیکھنا مسلمان پر فرض عین ہے، وہ مکاتب سے بالعموم مل جاتا چاہئے؛ لیکن عالم دین بننا، انجینیر اور ڈاکٹر بننا فرض کفایہ ہے، علمائے دین سے ہی مساجد کا نظام، حلال وحرام سے آگہی، طلاق ونکاح کے مسائل، عقیقے وجنازے سے واقفیت، معاشرے میں پھیلنے والی برائیوں کا علاج ہو پاتا ہے، پوری بستی میں کوئی عالم دین نہ ہوتو وہ بستی بے لگام اور تباہ ہوجاتی ہے۔

کسان زراعت اور عشر وخراج کے مسائل جاننے میں، تاجر سود کی نزاکتوں کو پہچاننے میں، مضاربت اور شرکت کو صحیح رخ دینے میں اور ہر مسلمان اپنی آمدنی وخرچ کا صحیح انتظام کرنے میں علماء کا محتاج ہے، اہل سنت والجماعت کے مشرب کے صحیح ترجمانی کرنے والے علماء کی موجودگی ہر وقت نہایت ضروری ہے، تاکہ ہر گمراہ فکر کا مقابلہ کیا جاسکے اور امت مسلمہ کی رہبری کا فریضہ انجام دیا جائے، انجینیر، ڈاکٹر نماز کی طرح انہیں ہر شعبہ میں اپنا امام بنالیں تو دنیا وآخرت کی کامیابی ضرور ملے گی، ان علماء کو پیدا کرنے کا کارخانہ مدرسہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے نہج پر مدرسہ کا قائم ہونا اسلامی معاشرے کی بجلی وپانی سے بڑی ضرورت ہے۔

---

(۱) طریقۂ تعلیم: ۶۹

عصری علوم ڈاکٹری اور انجینئرنگ حاصل کرنا ضروری ہے؛ تاکہ انسان ضرورتیں پورا کرنے میں خود کفیل ہے اور اسباب کے درجہ میں سائنس وٹکنالوجی کے ذریعہ ملک وقوم کی حفاظت ہوسکے اور ذریعہ معاش کا بھی ایک سامان ہو جائے، اس کیلئے مغربی نصاب ونظام کے جراثیم سے پاک عصری اسکولوں کا قائم کرنا اسلامی معاشرہ کیلئے ضروری ہے، اس سلسلہ میں بڑی تفصیلات ہیں، مختصر یہ ہے کہ دشمن عصری تعلیم کے راستہ سے پوری قوم کو فکری غلامی میں جکڑ رہا ہے، کالجس اور اسکول بچوں کے دینی احیاء، انسانی اقدار، بلند کردار کے اجتماعی خودکشی کے اڈے بن چکے ہیں۔

مسلمان مستقل ماہر علماء ربانی کی نگرانی میں عصری ادارے، کالجس اور یونیورسیٹیاں قائم کریں، یا کم ازکم دعوت وتبلیغ کی عالمگیر، نفع بخش محنت کو اپنے اداروں میں فروغ دیں۔

اپنی جان کے حقوق

اللہ عزوجل نے انسان کو جو جان دی ہے وہ بطورِ امانت اس کے حوالے کی ہے، اس لئے اس کی حفاظت اور نگہداشت ہماری ذمہ داری اور ہمارا فریضہ ہے، اس کی حفاظت میں یہ شامل ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کی جائے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کی جائے، تیسرے اس کی یکسوئی کا سامان کیا جائے، اس کو ہر طرح کے ہموم وغموم اور مصائب و پریشانیوں سے محفوظ رکھا جائے، (اس کیلئے بقدرِ کفاف مال کے حاصل کرنے کی سعی کرے) کیوں کہ ان چیزوں میں خلل آنے سے دین کے کاموں میں ہمت نہیں رہتی، نیز دوسروں کی خدمت اور امداد نہیں ہو پاتی، کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان بھی کھو بیٹھتا ہے۔

☆ صحت جسمانی کی نگہداشت کے ضروری اور لازم ہونے پر یہ آیات و روایات دلالت کرتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کو شمار کرتے ہوئے فرمایا: جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے "وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ" (۱) اس سے صحت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ: تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے "فان لجسدك عليك حقا، وان لعينك علي حقا، وان لزوجك عليك حقا" (۲)

---

(۱) الشعراء: ۸۰

(۲) بخاری: باب حق الأهل في الصوم، حديث: ۱۹۷۷

اس سے پتہ چلا کہ زیادہ جاگنے اور بالکل بھوکے رہنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے اور اس کا اثر انسان کے قوی پر پڑے گا اور وہ مضمحل ہو کر پھر دوسرے فرائض کی ادائیگی کے قابل نہ رہیں گے۔

۳- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں کثرت سے لوگ نقصان اور خسارے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے جس سے دینی نفع ہو)، ایک صحت اور دوسرے بے فکری " الصحة والفراغ " (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحت اور فراغتِ نفس بھی مطلوب ہے، چونکہ جب آدمی صحت مند اور بے فکر ہوتا ہے تو اس کو متوجہ الی اللہ ہونے میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔

۴- ایک روایت میں ہے، حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان سے دین کے کاموں میں مدد لو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو اور صحت کو بیماری سے پہلے، اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بے فکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے " شبابك قبل هرمك ، وصحتك قبل سقمك ، وغناك قبل فقرك ، وفراغك قبل شغلك ، وحياتك قبل موتك " (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت وقوت ہوتی ہے وہ اور فراغت اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کیلئے دوا بھی بنائی، سو تم دوا کیا کرو

---

(۱) بخاری: ما جاء في الصحة والفراغ ، حديث : ٤١٤

(۲) المستدرك: كتاب الرقاق: حديث: ٧٨٤٦، حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اور حرام چیز سے دوا مت کرو"ان اللّٰہ انزل الداء والدواء، وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام" (۱)

اس حدیث سے بھی صحت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: یہ (کھجور) مت کھاؤ، تم کو نقاہت ہے، پھر میں نے چقندر اور جو تیار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! اس میں سے لے لو، یہ تمہارے موافق ہے "یا علی رضی اللہ عنہ، من هذا فأصب، فإنه أوفق لك" (۲)

☆ انسان کی قوت اور طاقت برقرار رہے وہ مضبوط و توانا رہے، اس کیلئے کوشش کرنا اور اسباب اختیار کرنا بھی شرعاً مطلوب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے کہ: اور ان دشمنوں کیلئے جس قدر تم سے ہوسکے قوت تیار رکھو" وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ " (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے "المؤمن القوی، خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف" اور یوں سب میں خوبی ہے۔ (۴)

جب قوت اللہ کے نزدیک پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کو کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط کرنا یہ سب مطلوب ہوگا، اس میں غذا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کرنا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے یا بد پرہیزی کرنا، جس سے بیماری بڑھ جائے اور قوت کمزور پڑ جائے، قوت کو باقی

---

(۱) ابوداؤد: باب في الأدوية المكروهة، حديث: ۳۸۷۴

(۲) ترمذی: باب ما جاء في الحمية، حديث: ۲۰۳۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے

(۳) الانفال: ۶۰

(۴) مسلم: الأمر بالقوة وترك العجز، حديث: ۲۶۶۴

رکھنے کیلئے دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت ڈالنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے، ان کی مشق کرنا، یہ سب داخل ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تیراندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو "ارموا وارکبوا" (۱)

گھوڑ سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے، اس سے قوت بڑھتی ہے۔

انہیں سے روایت ہے کہ جس نے تیراندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا وہ ہم سے نہیں یا یوں فرمایا: وہ ہم سے نہیں "من علِم الرمی، ثم ترکه، فلیس مِنا، و قد عصی" (۲)

☆ انسان کے پاس بقدر کفاف مال ہو اور فکروں سے آزاد ہو اور اسے فراغت قلب نصیب ہو یہ بھی شرعاً مطلوب و مقصود ہے۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اور مال کو بے موقع مت اڑانا "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا" (۳)

اس میں مال میں تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

۱۔ حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم میں سے اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کیلئے ساری دنیا سمیٹ کر دے دی گئی "من أصبح منکم آمنا فی سربه، معافی فی جسده، عنده قوت یومه، فأنما حیزت له الدنیا" (۴)

اس سے صحت اور امن و عافیت اور بقدر کفاف مال کے حصول کا مطلوب ہونا معلوم ہوا

---

(۱) ترمذی: باب فی فضل الرمی فی سبیل الله، حدیث: ۱۶۳۷، ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: فضل الرمی والحث علیه، حدیث: ۱۹۱۹

(۳) بنی اسرائیل: ۲۶

(۴) ترمذی: باب التوکل علی الله، حدیث: ۳۳۴۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص حلال دنیا کو اس لئے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل وعیال کے (ادائے حقوق) کیلئے کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا " من طلب الدنيا حلالا استعفافا عن مسلة ، سعيا عل أهله ، وتعطفا علي جاره ، جاء يوم القيامة، ووجهه القمر ليلة البدر" (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کسب مال بقدر ضرورت دین بچانے کیلئے اور ادائے حقوق کیلئے بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

۳۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی بے رغبتی (جس کا حکم ہے) نہ حلال کو حرام کرنے سے ہے، اور نہ مال کے ضائع کرنے سے۔ "الزهادة فی الدنيا ليست بتحريم الحلال ولا إضاعة المال" (۲)

---

(۱) شعب الإيمان : الزهد وقصر الأمل ، حديث: ۱۰۳۷۵

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الزهادةفی الدنياء حديث: ۲۳۴۰ ، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

استاذ کے حقوق

☆ استاذ کی قدر و تعظیم کرے اور ان کا احترام اور ادب بجالائے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ " (۱) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ جو کسی کو تعلیم دے تو اس پر اس کا انعام ہے؛ لہٰذا اس کی قدر و تعظیم بجالانا چاہیے۔

☆ علم کا ادب یہ ہے کہ شاگرد پڑھنے کیلئے خود استاذ کے پاس جائے، استاذ جس بات کے پوچھنے سے منع کریں رک جائے، اگر غلطی سے استاذ کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو معذرت کرے۔

یہ تمام آداب واحکام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتے ہیں: " قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا " (۲)

☆ استاذ کے یہاں بلا اجازت نہ جائے۔

چونکہ ارشادِ خداوندی ہے " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ" (۳) مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ہوتے ہیں رسول ﷺ کے ساتھ کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جب تک کہ آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لیں۔

---

(۱) ال عمران: ١٦٤ (۲) الكهف: ٦ (۳) النور: ٦٢

☆ استاذ (علم دین پڑھانے والا) سب سے زیادہ سخی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ انہوں نے (ازراہِ ادب) عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہیں، پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں، اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے جس نے علم دین سیکھا اور اس کو پھیلایا، یہ شخص قیامت میں تنہا بمنزلہ ایک امیر کے آوے گا۔ (۱)

☆ استاذ، شاگرد کو کسی کتاب کے پڑھنے سے منع کرے تو شاگرد کو اس کے مطالعہ سے رک جانا چاہئے۔

چونکہ حضور اکرم ﷺ نے ایک امیرِ لشکر کو حکم نامہ لکھ کر دیا اور (ایک مصلحت کے سبب) یہ فرمایا کہ جب تک فلاں مقام پر نہ جاؤ اس کو مت پڑھنا، چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا، "فلمّا بلغ ذلك المكان قرأهٗ على النّاس وأخبرهم بأمر النبی ﷺ" (۲)

☆ شاگرد کے بے جا اور بے ڈھنگے اور بے جوڑ سوالات پر استاذ کو غصہ آجائے تو شاگرد اس کا تحمل کرے۔

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز کے پانے) کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سر بند اور ظرف (تھیلی وغیرہ) پہچان لے اور سال بھر تک اس کی تعریف کر (اعلان کیا کر) اگر کوئی مالک نہ ملے (اور تو محتاج ہو تو اس سے نفع اٹھا ورنہ صدقہ کر دے) پھر اگر اس کا مالک آوے تو اس کو دیدے، اس سائل نے کہا: گمشدہ اونٹ کا حکم کیا ہے؟ اس سوال سے آپ ﷺ پر غصہ کے آثار نمایاں ہوئے؛ یہاں تک کہ رخسارِ مبارک سرخ ہو گئے، "فغضب حتّٰی احمرّت وجنتاه" آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس سے کیا کام ہے؟ اس کیلئے اس کا مشک ہے اور

---

(۱) بیہقی

(۲) بخاری: باب ما یذکر فی المناولة، حدیث: ٦٤

اس کے موزے، پانی پر جا کر پانی پیتا ہے اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کا مالک اسے حاصل کر لے گا " ترد الماء، وتأكل الشجر، دعها حتى يجدها ربها " (۱)

☆ جس قدر ممکن ہو سکے استاذ کے ساتھ رہنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے، اس قدر اور لوگ حاضر نہ رہ سکتے تھے اور احادیث اس قدر یاد کرتے تھے اور لوگ یاد نہ کر سکتے تھے " ويحفظ ما لا يحفظون " (۲)

☆ استاذ کی تقریر کے وقت شاگردوں کو بالکل خاموش رہنا چاہیئے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لوگوں کو چپ کرو "استنصت الناس " (۳)

☆ اگر استاذ کسی بات پر ناراض ہوں تو ان کو خوش کرنا چاہیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نسخہ توراۃ کا جنابِ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ نسخہ توراۃ کا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوا "وجعل يقرأ ووجه رسول الله يتغيّر" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! روئیں تجھ پر رونے والیاں، رسول اللہ ﷺ کے رُخِ انور کو دیکھنا چاہیے۔ (۴)

---

(۱) بخاری: باب من عرف اللقطة ولم يدفعها، حديث: ۲۴۳۸

(۲) بخاری: باب حفظ العلم، حديث: ۱۱۸

(۳) بخاری: باب الانصات للعلماء، حديث: ۱۲۱

(۴) سنن الدارمي: مسند عبد الله بن عمر، حديث: ۴۴۹

☆ اہل علم اور استاذ کے ساتھ ادب وتواضع کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں سکھانے والے عالم کا یہ حق ہے کہ تم اس سے سوال زیادہ نہ کرو اور جواب دینے کی مشقت میں نہ ڈالو یعنی اسے مجبور نہ کرو کہ اور جب وہ تم سے منہ دوسری طرف پھیرے تو پھر اس پر اصرار نہ کرو اور جب وہ تھک جائے تو اس کے کپڑے نہ پکڑو اور نہ ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرو اور نہ آنکھوں سے اور اس کی مجلس کا کچھ نہ پوچھو اور اس کی لغزشیں تلاش نہ کرو اور اگر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو رجوع کرنے کا انتظار کرو، اور جب وہ رجوع کر لے تو تم اسے قبول کرو اور یہ بھی نہ کہو کہ فلاں نے آپ کی بات کے خلاف بات کہی ہے اور اس کے کسی راز کا افشاء نہ کرو اور اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو، اس کے سامنے اور اس کے پیٹھ پیچھے دونوں حالتوں میں اس کے حق کا خیال کرو اور تمام لوگوں کو سلام کرو؛ لیکن اسے خاص طور پر سلام کرو، اور اس کے سامنے بیٹھو اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو دوسروں سے آگے بڑھ کر اس کی خدمت کرو "وان كانت له حاجة سبقت القوم الى خدمته" اور اس کے پاس جتنا بھی وقت گذرے تنگ دل نہ ہو؛ کیونکہ یہ عالم کھجور کے درخت کی طرح ہے جس سے ہر وقت کسی نہ کسی فائدے کے حاصل ہونے کا انتظار رہتا ہے اور یہ عالم اس روزہ دار کے درجہ میں ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو، جب ایسا عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جو قیامت تک پر نہیں ہو سکتا اور آسمان کے ستر ہزار مقرب فرشتے طالب علم کے ساتھ (اکرام کیلئے) چلتے ہیں (۱)

☆ اسلاف اپنے اساتذہ کے ساتھ عزت واحترام کا اور تواضع کا معاملہ کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ام ولد باندی حضرت جمیلہ کہتی ہیں کہ: جب حضرت ثابت بنانیؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اے لونڈیا! ذرا خوشبو لا تا کہ میں اپنے ہاتھوں کو لگا لوں، یہ ثابتؒ کی ماں اور بیٹا یعنی خود

---

(۱) کنز العمال: أداب العلم متفرقة، حدیث: ۲۹۵۲۰

حضرت ثابتؒ، جب تک میرے دونوں ہاتھوں کو چوم نہیں لے گا، اس وقت تک راضی نہیں ہوگا " فانّ ابن امّ ثابت لا یرضی حتی یقبل یدی" (۱) یہ ثابت بنانی بصریؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، استاذ کے احترام میں ان کے ہاتھوں کو چوم لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا؛ لیکن ان کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے ان سے دو سال تک نہ پوچھ سکا، یہاں تک کہ کسی سفر یا حج یا سفرِ عمرہ کسی ضرورت کیلئے مرالظہر ان کی وادی میں اراک مقام پر اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اور مجھے تنہائی کا موقع مل گیا تو میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ سے دو سال سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں؛ لیکن صرف آپ کی ہیبت کی وجہ سے نہ پوچھ سکا، "انی أرید أن أسئلك عن حدیث منك منذ سنتین ما استطیع هیبة لك" انہوں نے فرمایا: جس بات کا مجھ سے پوچھنے کا ارادہ ہو تو فوراً پوچھ لیا کرو، اگر مجھے وہ بات معلوم ہوئی تو میں تمہیں بتادوں گا، ورنہ کہوں گا، مجھے معلوم نہیں ، پھر تم اس آدمی سے پوچھ لینا جو اسے جانتا ہو، میں نے کہا: وہ دو عورتیں کون ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے (سورۃ تحریم میں) فرمایا ہے کہ: وہ دونوں حضور ﷺ کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مددگار رہی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنے استاذ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کے دریافت میں ان کی تعظیم واحترام اوران کا اجلال کرنا۔

☆ حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؛ لیکن آپ سے ڈر بھی لگتا ہے "انی أرید أن أسئلك

---

(۱) مجمع الزوائد: باب أدب الطالب: حدیث: ٥٤٥ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ان کے احوال لکھے ہوں۔

(۲) بخاری: سورۃ الطلاق، حدیث: ٤٦٢٩

شيئًا وانّى أهابك " حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! مجھ سے نہ ڈرو، جب تمہیں معلوم ہو کہ وہ چیز مجھے معلوم ہے تو تم مجھ سے ضرور پوچھو، میں نے عرض کیا جب غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ اپنے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے تو ان سے کیا فرمایا تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور ﷺ نے فرمایا تھا: اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جاؤ جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تھے " اما ترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسى " (۱)

☆ ہارون رشید ایک دفعہ کسائی ؒ کے پاس گئے، کسائی ؒ ان کو دیکھ نہیں رہے تھے، یہ ہارون رشید کے دونوں لڑکوں امین اور مامون کے استاذ تھے، کسائی ؒ اپنے کسی کام سے جوتے پہننے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، تو دونوں شہزادے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اور ان دونوں نے کسائی کے جوتوں کو ان کے پیروں کے سامنے لا رکھا، کچھ دیر بعد ہارون رشید اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے کسائی! سب سے زیادہ باعزت خادم کس کے ہیں؟ تو کسائی نے کہا: امیر المؤمنین کے ہیں، ہارون رشید نے کہا: نہیں بلکہ کسائی کے ہیں، کیوں کہ ان کی خدمت امین اور مامون شہزادے کرتے ہیں " بل الكسائى يخدمه الأمين والمأمون " (۲)

---

(۱) جامع بيان العلم وفضله، باب في هيبة المتعلم للعالم: ۱۱۲/۱

(۲) قصص العرب: ۸۵/۱

شاگرد کے حقوق

☆ استاذ شاگرد کے ساتھ نرمی، اس کی استعداد اور صلاحیت کی رعایت کرے۔

ارشادِ باری عزوجل ہے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" (۱) بلاؤ خدا کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کرو اچھے اور نرم طریقہ سے۔

☆ لوگوں کو نفع پہنچانا (جن میں شاگرد بھی داخل ہیں) علماء پر واجب ہے، جس کو اس آیت میں صیغۂ امر کے ذریعہ تعبیر کیا گیا ہے۔

اور چونکہ لوگ (شاگرد) استاذ کے ان ذمہ داری کی ادائیگی میں معاون ہوتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا معاملہ کیا جائے، ارشادِ خداوندی ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (۲) تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

☆ شاگرد کے ساتھ گھٹیا اور نچلے درجہ کا سلوک کرنا مناسب نہیں اور نہ اپنے تعلیمی نفع کے ذریعہ اس پر احسان جتانا چاہئے، جو کہ ان کی تحقیر اور اذیت کا سبب ہوتا ہے، چونکہ طالب علم اور شاگرد کی حیثیت سائل (سوال کرنے والے) کی ہوتی ہے، اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ" (۳) سائل کو مت جھڑکئے۔

---

(۱) النحل: ١٥٢
(۲) ال عمران: ١١٠
(۳) الضحی: ١٠

اور ارشادِ باری عز وجل ہے ”ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَلَا اَذًى وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ “(وممّا رزقنهم ينفقون من أنواع المعرفة يفيضون كما نقله البيضوى) (۱) صدقہ دے کر احسان نہیں جتاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دیتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (یعنی ہم نے جو انوارِ معرفت ان کو عطا کئے ہیں لوگوں پر ان کا فیضان کرتے ہیں)۔

☆ استاذ طالبِ علم کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اور لوگ تمہارے تابع ہیں اور تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ علمِ دین سیکھنے اور سمجھنے کو آئیں گے اور ان کے بارے میں میری وصیت کے موافق بھلائی سے پیش آؤ ”وان رجالاً يأتونكم من أقطار الأرض يتفقّهون فى الدين فاذا اتوكم فاستوصوا بهم خيرًا “(۲)

☆ استاذ چونکہ باپ کا درجہ رکھتا ہے؛ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شاگروں کو وہی پیار ومحبت دے جو ایک باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے طلبہ کی نسبت فرماتے تھے کہ اگر ان پر ایک مکھی بھی بیٹھ جاتی ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ (۳)

سلف صالحینؒ کو اپنے شاگردوں سے ایسی محبت تھی کہ ان کی نجی دشواریوں کو بھی حل کرتے، امام شافعیؒ بڑے اعلیٰ درجہ کے فقیہ ومحدث ہیں، یہ حصولِ علم کیلئے مدینہ پہنچے، غریب آدمی تھے، امام مالکؒ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو خود اپنا مہمان بنایا اور جب تک مدینہ میں رہے

---

(۱) البقرة: ٢٦٢

(۲) ترمذی: باب ماجاء في الاستيصاء بمن، حديث: ٢٦٥٠ ، امام ترمذیؒ اس روایت کے ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ: شعبہ ابو ہارون العبدی کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور یحییٰ بن سعید نے کہا کہ کہ: ابن عون نے ابو ہارون العبدی سے ان کی موت تک روایتیں نقل کی ہیں اور ابو ہارون ان کا نام: عمارۃ بن جوین ہے۔

(۳) تذکرۃ السامع: ۴۹

ان کی کفالت کرتے رہے، پھر جب امام شافعیؒ نے مزید کسبِ علم کیلئے کوفہ کا سفر کیا تو سواری کا بھی نظم کیا، اور اخراجاتِ سفر بھی، اور شہر سے باہر آ کر نہایت محبت سے آپ کو رخصت کیا، امام شافعیؒ کوفہ آئے تو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کی کفالت فرمائی، اور بھرپور تعاون فرمایا، امام شافعیؒ اس حال میں کوفہ پہنچے کہ نہایت ہی معمولی کپڑا آپ کے جسم پر تھا، امام محمدؒ نے اسی وقت ایک جوڑے کا انتظام فرمایا، جو ایک ہزار درہم قیمت کا تھا، پھر امامِ شافعیؒ کو رخصت کیا تو اپنی پوری نقدی جمع کے تین ہزار انہیں حوالہ کئے۔ (۱)

☆ استاذ کسی مقام پر غلط تقریر یا کسی بات پر عدم واقفیت کے باوجود غلط مسئلہ نہ بتائے، بلکہ اپنی لاعلمی یا اس مقام کے مطالعہ کے بعد حل بتانے کو کہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی بات بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹا ہے، ”من حدّث عنّي بحديث يرى أنّه كذب فهو أحد الكاذبين“ (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی سائل کو کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتادیا تو اس کا وبال اس بتانے والے پر ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی کو مشورہ دیا اور وہ جانتا ہے کہ وہ مشورہ ٹھیک نہیں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی ”من افتی بغير علم كان اثمه على من أفتاه“ (۳)

☆ اگر کوئی بات نہ معلوم ہو تو کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں، اپنی طرف سے کچھ نہ کہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اے لوگو! جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بتادے اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہئے کہ کہہ دے: اللہ جاننے والا ہے؛ کیونکہ یہ کہہ دینا بھی علم کی بات ہے ”يا أيها الناس ! من علم منكم شيئًا فليقل به

---

(۱) جامع بيان العلم لابن عبد البر : ۲٦۸

(۲) مسلم: باب وجوب الرواية عن الثقات، حديث: ۱

(۳) ابوداؤد: باب التوقي في الفتيا، حديث: ۳٦۵۷، حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

ومن لم يعلم فليقل الله أعلم فانّ من العلم أن يقول لما لا يعلم " الله أعلم " اللہ عزوجل کا ارشاد ہے " قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ " (اے نبی ﷺ کہہ دو کہ میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کہہ دوں۔ (۱)

حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ لوگ یہ سمجھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سوال ہی نہیں سنا، اسلئے اس آدمی نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ نے میرا سوال نہیں سنا، انہوں نے فرمایا: سنا ہے، لیکن شاید آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ لوگ ہم سے جو کچھ پوچھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سے اس کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا، اللہ تم پر رحم کرے، ہمیں ذرا مہلت دو؛ تا کہ ہم تمہارے سوال کے بارے میں سوچ لیں، اگر ہمیں اس کا جواب سمجھ میں آئے تو بتا دیں گے اور اگر نہ آیا تو تمہیں بتا دیں گے کہ ہمیں نہیں معلوم " اتركنا ـ يرحمك الله ـ حتى نتفهّم في مسألتك، فان كان لها جواب عندنا والّا أعلمناك أنّه لا علم لنا بها " (۲)

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ: جب کوئی عالم "میں نہیں جانتا" کہنا چھوڑ دیتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ گیا "اذا ترك العالم "لا أعلم" فقد اصيبت مقالته " (۳)

☆ درس وتقریر میں طلباء کے نشاط وشوق کی بھی رعایت کی جائے۔

حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ: حضرت روزانہ وعظ کیجئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے روزانہ وعظ کہنے سے یہ چیز مانع بن رہی ہے کہ میں تم کو اکتاہٹ میں ڈالنا نہیں چاہتا " أنّه

---

(۱) بخاري: سورة ص، حديث: ٤٥٣١

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: عبد الله بن عمر بن الخطاب: ٩١٦٨/٤

(۳) حلية الأولياء: سفيان بن عيينة: ٢٧٤/٧

يمنعى من ذلك أنّى أكره أن أملّكم" اور میں تمہاری خبر گیری اور نگہداشت ایسی ہی کرتا ہوں جیسی رسول اللہ ﷺ ہماری خبر گیری فرمایا کرتے تھے کہ ہم ملول نہ ہوں۔ (۱)

☆ جو اساتذہ طلبہ کو حد سے زیادہ پڑھاتے ہیں یا زیادہ کتابیں پڑھاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم طلبہ پر خوب محنت کر رہے ہیں، ان کی محنت رائیگاں جانے کی مثال یوں ہے "اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" (۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کرائی محنت سب کی سب گئی گذری ہوئی اور (وہ بوجہِ جہل) اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اس لئے ہفتہ میں کم از کم ایک روز کی تعطیل ہونی چاہئے۔

☆ نااہلوں کو دینی خدمات اور درس وتدریس کی ذمہ داری سونپنا قیامت کی علامت ہے (جس میں متعلقہ مضمون کے بارے میں استاذ کی استعداد اور صلاحیت کا لحاظ کرنا بھی داخل ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دینی خدمات نالائق اور نااہلوں کے سپرد ہو جائیں تو قیامت کا انتظار کرو "اذا وسّد الأمر الى غير أهله فانتظروا الساعة" (۳)

☆ شاگرد کے اخلاق احوال کی خبر گیری بھی استاذ کی ذمہ داری ہے، صرف علم کا پہنچانا ہی کافی نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، آپ ﷺ ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے، جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں جلدی کی، جس کی وجہ سے کچھ سوکھا رہ گیا، آپ ﷺ نے دیکھ کر دو تین بار بآوازِ بلند فرمایا: خبر دار ہو جاؤ،

---

(۱) بخاری: باب من جعل لأهل العلم، حديث: ٧٠

(۲) الكهف: ١٠٤

(۳) بخاری: باب من سئل علما وهو مشتغل فی حديثه، فاتم الحديث ثمّ أجاب السائل، حديث: ٥٩

عذابِ دوزخ ان ایڑیوں کیلئے ہے جو سوکھی رہ جاویں " ویل للاعقاب من النار" آپ ﷺ نے یہ بات دو یا تین بار کہی۔ (۱)

☆ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر یہ امکان ہو کہ اگر بآواز بلند تقریر نہ کی جائے تو استاذ کی آواز شاگردوں کے پاس نہ پہنچے گی تو بلند آواز میں تقریر کرنا بھی شاگرد کا حق ہے۔

☆ اور یہ بھی پتہ چلا کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلباء نے نہ سمجھا ہو تو دوسری، تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے، جس طرح حضور ﷺ نے دو تین بار فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کوئی مہتم بالشان بات فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے؛ تا کہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ (۲)

☆ استاذ کبھی کبھی شاگردوں کا امتحان لے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: ایک ایسا درخت ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا اور مثل مسلم کے ہے، بتاؤ وہ کیا ہے؟، سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کون سا درخت اس شان کا ہے، میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، مگر چونکہ میں چھوٹا تھا؛ اس لئے میں نے حیاء کی اور چپ رہا، پھر لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد فرمائیے کہ کون سا درخت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھجور کا درخت " فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم هی النخلة " (۳)

☆ کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالبِ علم کیلئے مضر اور نقصان دہ ہو تو اس سے روکنا چاہئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جو شخص میرے خدا سے اس حال میں ملے، اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ!

---

(۱) بخاري: باب من رفع صوته بالعلم، حديث: ٦٠

(۲) بخاري: باب من أعاد الحديث: حديث: ٩٥

(۳) بخاري: باب الفهم في العلم، حديث: ٧٢

کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں؟ فرمایا کہ: مت سناؤ، کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس پر تکیہ کرلیں گے "لا، انّي أخاف أن يتّكلوا" (۱)

☆ شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہئے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دینی امور میں لوگوں پر آسانی کرو، تکلیف میں مت ڈالو، خوش خبری سناؤ، دین سے نفرت مت دلاؤ، "يسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا" (۲)

آپریشن تھیٹر میں جانے والا ڈاکٹر اگر غصہ میں ہو تو اس کا آپریشن ناکام ہوتا ہے، اسی طریقہ سے درسگاہ میں جانے والا استاذ اگر غصہ میں ہو تو وہ ناکام استاذ ہوتا ہے۔

☆ شاگرد کیلئے اللہ عزوجل سے علمِ نافع کی دعا بھی کرنا چاہئے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ کو سینہ سے لگایا اور یوں فرمایا کہ: یا اللہ! اس کو قرآن کا علم عطا فرمادے "اللهمّ علّمه الكتاب"۔ (۳)

☆ اگر کوئی بات شاگرد کیلئے غصہ کی صورت میں کہنا بہتر ہو تو اس طرح کہے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! فلاں شخص کے نماز کو طویل کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پاسکوں (یعنی بددل ہوکر جماعت چھوڑ دوں) تو رسول اکرم ﷺ اس قدر غصہ ہوگئے کہ ایسا کبھی غصہ ہوتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، پھر آپ ﷺ نے امام سے فرمایا کہ: تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو، جو آدمی نماز میں امامت کرے اس کو چاہئے کہ (قرآت) میں تخفیف کرے؛ کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں "فمن صلّى بالنّاس فليُخفّف فانّ فيهم المريض والضعيف وذو الحاجة" (۴)

---

(۱) بخاري : باب من خص بالعلم قوما ،حديث : ١٢٩

(۲) بخاري باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "يسروا ولا تعسروا" حديث: ٥٧٧٤

(۳) بخاري : باب الاعتصام بالكتاب ،حديث: ٦٨٤٢

(۴) بخاري : باب تخفيف الامام في القيام واتمام الركوع والسجود،حديث: ٦٧٠

☆ اگر مناسب سمجھے تو تقسیمِ اوقات اور جماعت بندی کی جاسکتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم پر مرد غالب آگئے کہ آپ ﷺ کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا، ہمارا بھی ایک دن مقرر کردیجئے، آپ ﷺ نے ان کیلئے وعظ ونصیحت اور احکامِ الٰہی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا:

"فوعدهنّ يومًا ولقيهنّ فيه فوعظهنّ وأمرهنّ" (۱)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کسی طالب علم پر کسی بے جا سوال پر غصہ آجائے اور اس کے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصہ کا اثر نہ آنا چاہئے۔

☆ اگر طالب علم کو واقعتاً کوئی بات سمجھ میں نہ آئے یا استاذ کی تقریر میں کوئی شبہ رہ جائے تو اس کے دوبارہ پوچھنے پر ناراض نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ ﷺ سے ایسی باتیں سنتی تھیں کہ جو ان کو معلوم نہ ہوں تو برابر جنابِ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھیں، ایک مرتبہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص حساب میں گرفتار ہوا وہ عذاب میں مبتلا ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ: حساب آسان کیا جائے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ پیشی ہے، ورنہ جس سے مناقشہ کیا گیا حساب میں وہ ہلاک ہوگیا "ولكن من نُوقش الحساب يهلك" (۲)

☆ اگر طالبِ علم تواضع کے ساتھ واقعۃً استاذ کی تقریر کا باحوالہ رد کرے تو اسے قبول کرلینا چاہئے:

حضرت عبداللہ بن مصعبؒ کہتے ہیں کہ: ایک دفعہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) سے زیادہ مقرر نہ کرو، چاہے ذی الغصہ قیس بن حسین حارثی (جیسے سردار) کی بیٹی کیوں نہ ہو جو اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا

---

(۱) بخاری: باب هل يجعل للنساء يوم على حده في العلم، حديث: ۱۰۱

(۲) بخاری: باب من سمع شيئا راجعه، حديث: ۱۰۳

میں وہ زائد رقم لے کر بیت المال میں جمع کردوں گا، اس پر عورتوں کی صف میں سے ایک عورت کھڑی ہوئی جس کا قد لمبا تھا اور ناک چپکی ہوئی تھی اور اس نے کہا: آپ کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں؟ عورت نے کہا: کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاِنْ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا" (۱) اور تم اس کو انبار کا انبار دے چکے ہو تو تب بھی تم اس میں سے کچھ بھی مت لو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: عورت نے ٹھیک کہا، مرد نے غلطی کی "امرأة اصابت ورجل اخطا" (۲)

☆ استاد کو چاہئے کہ جس چیز کی عملی تعلیم دینا چاہتا ہو بذاتِ خود اس پر عمل پیرا ہو کر اور عملی انداز میں تعلیم دے، جب حضور ﷺ کسی چیز کا حکم فرماتے تو پہلے خود آپ ﷺ اس پر عمل پیرا ہوتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو عملی شکل میں وہ عمل اس طرح سمجھاتے کہ ان کے ذہن نشین ہو جاتا۔

یہ حضرت شعیب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمرو رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! وضو کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، پہلے آپ ﷺ نے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر تین مرتبہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، اس کے بعد سر کا مسح کیا اور دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں ڈالا اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کانوں کے اوپر حصہ پر مسح کیا اور شہادت والی انگلیوں سے کان کے اندرونی حصہ پر مسح کیا، پھر تین مرتبہ دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا یہ مکمل وضو ہے "ثم قال هكذا الوضوء" پس جو کوئی اس پر زیادتی کرے گا تو یقیناً اس نے برا کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا یا (یہ فرمایا کہ) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور برا کیا۔ (۳)

حضرت عبادہ بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے

---

(۱) النساء: ٢٠

(۲) کنز العمال: الصداق، حدیث: ٤٥٨٠٠

(۳) ابوداؤد: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، حدیث: ١٣٥، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن درجہ کی ہیں: خلاصۃ الاحکام: فصل فی ضعیفہ، حدیث: ٢٠٩، موسسۃ الرسالۃ، لبنان

پاس آئے، وہ اپنی مسجد میں تھے، انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ ہماری اس مسجد میں تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ابن طاب نامی کھجور کی ایک شاخ تھی آپ ﷺ نے مسجد میں قبلہ کی طرف بلغم لگا ہوا دیکھا، آپ ﷺ ادھر گئے اور اس کو کھجور کی شاخ سے کھرچ دیا "فحکھا بالعرجون" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کون یہ بات پسند کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لے؟ پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اس کے سامنے ہوتا ہے؛ اس لیے سامنے کی طرف نہ تھوکے اور نہ داہنی طرف تھوکے؛ بلکہ بائیں جانب بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے، اگر جلدی ہو تو اپنے کپڑے میں لے کر یوں مسل دے، پھر آپ ﷺ نے کپڑے کو منہ پر رکھا اور اس کو مل دیا، اس کے بعد فرمایا: عبیر قبیلہ کا ایک جوان اٹھا اور دوڑتا ہوا اپنے گھر گیا اور اپنی ہتھیلی میں خوشبو لے کر آیا، آپ ﷺ نے وہ خوشبو اس سے لے کر کھجور کی لکڑی کے سرے پر لگائی اور جہاں بلغم لگا تھا وہاں مل دیا، حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ: اسی بنا پر تم اپنی مسجدوں میں خوشبو لگایا کرتے ہو۔ (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ تعلیم دینے میں تدریجی نہج اختیار کرے، ترتیب قائم رکھے، تھوڑا تھوڑا سبق آگے بڑھائے، حضور اکرم ﷺ کا معمول بھی اس حوالے سے یہی تھا۔

ایک صحابی ؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام ؓ نبی کریم ﷺ سے دس دس آیات پڑھتے تھے اور اگلی دس آیات اس وقت تک نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ پہلی دس آیات میں علم و عمل سے متعلق چیزیں اچھی طرح سیکھ نہ لیتے یوں ہم نے علم و عمل کو حاصل کیا ہے، "ما فی هذه من العلم والعمل" (۲)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل ؓ سے جب انہیں یمن کی طرف بھیجنے لگے، ان سے فرمایا کہ: تم ایسی

---

(۱) مسلم : باب حدیث جابر الطویل وقصة أبی الیسیر ، حدیث: ۷۷۰۵

(۲) مسند احمد: حدیث رجل من أصحاب النبی ﷺ، حدیث: ۲۳۵۲۹، محقق شعیب الارناؤط کہتے ہیں کہ: اس کی سند عطا کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے

قوم کے پاس چلے جاتے ہو، جو اہل کتاب ہیں جب ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو کہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ مان لیں تو انہیں یہ بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور وہ ان کے فقرا میں تقسیم کی جائے گی، اگر وہ اس کو بھی منظور کر لیں تو ان کے اچھے مال لینے سے بچو اور مظلوموں کی بددعا سے بچو؛ اس لیے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے "اتق دعوة المظلوم، فإنه ليس بينه وبين الله حجاب" (۱)

☆ متعلمین اور شاگردوں کی انفرادی خصوصیات کی رعایت کرے، یعنی ہر شخص کو اس کے مطابق اور اس کے مقتضاء حال اس کی تربیت کرے، حضور ﷺ کا بھی اس حوالے سے یہی معمول تھا۔

حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ ؓ (ایک مرتبہ) آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے معاذ (بن جبل) انہوں نے عرض کیا لبيك يا رسول الله ﷺ وسعديك آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ انہوں نے عرض کیا: لبيك يا رسول الله ﷺ وسعديك تین مرتبہ (ایسا ہی ہوا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کوئی اپنے سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ سوا اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے، حضرت معاذ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں؟ تا کہ وہ خوش ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس وقت جب کہ تم خبر کر دو گے لوگ (اسی پر) بھروسہ کر لیں گے اور عمل سے باز رہیں گے، حضرت معاذ ؓ نے یہ حدیث اپنی موت کے وقت اس خوف سے بیان کر دی کہ کہیں (حدیث کے چھپانے پر ان سے) مواخذہ نہ ہو جائے "وأخبر بها معاذ عند موته تأثما" (۲)

---

(۱) بخاری: باب الإتقاء والحذر من دعوة المظلوم، حدیث: ۲۳۱۶

(۲) بخاری: باب من خص بالعلم قوما، حدیث: ۱۲۸

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! روزے کی حالت میں میں اپنی بیوی کو بوسہ دے سکتا ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں تھوڑی دیر بعد ایک بڑی عمر کا آدمی آیا اور اس نے بھی وہی سوال پوچھا، نبی کریم ﷺ نے اسے اجازت دے دی، اس پر ہم لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم ایک دوسرے کو کیوں دیکھ رہے ہو؟ دراصل عمر رسیدہ آدمی اپنے اوپر قابو رکھ سکتا ہے، "إن الشيخ يملك نفسه" (۱)

☆ استاذ کو چاہیے کہ گفتگو اور سوالات کے ذریعہ مسئلہ کی حقیقت کو سمجھائے، یہ طریقہ کار نفس مسئلہ کے سمجھنے میں معین ومددگار رہتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور ابوبکر کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو، اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کوئی میل کچیل باقی رہے گا "هل يبقى من درنه شيئ" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: اس پر سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ "هل تدرون من المفلس" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہمارے درمیان تو مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی روپیہ پیسہ اور ساز وسامان نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ آدمی ہوگا جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا؛ لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، اسے بٹھالیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کی نیکیاں دے کر ان کا بدلہ دلوایا جائے گا، اگر اس کے

---

(۱) مجمع الزوائد: باب القبلة والمباشرة للصائم، حديث: ٤٩٦٢، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہے اور ان کی حدیث حسن درجہ کی ہے اور اس میں کلام ہے۔

(۲) بخاری: باب الصلوات الخمس كفارة، حديث: ٥٢٨

گناہوں کا فیصلہ مکمل ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں، تو حقداروں کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے پھر اسے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ (۱)

طریقہ تعلیم میں گفتگو کے انداز کی سب سے بہترین اور مشہور مثال ”حدیثِ جبرئیل“ ہے۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ہم لوگ ایک روز رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس دوران ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید تھے، اس کے بال بہت سیاہ رنگ کے تھے، معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے، اور ہم میں سے کوئی شخص ان کو نہیں پہچانتا تھا، وہ رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھا، اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے لگا کر اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے (یعنی ادب سے بیٹھا جس طریقہ سے کہ کسی استاد کے سامنے کوئی شاگرد بیٹھتا ہے) پھر وہ کہنے لگا: اے محمد ﷺ! بتلایئے کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ عبادت کے کوئی لائق نہیں ہے علاوہ خداوندِ قدوس کے اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور نماز پڑھنا زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا خانہ کعبہ کا حج کرنا اگر طاقت ہو (یعنی حج کیلئے آنے جانے اور دیگر شرائط شرعی حج کی پائی جائیں) اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، ہم کو حیرت ہوئی کہ خود ہی سوال کرتا ہے، پھر کہتا ہے کہ آپ نے سچ فرمایا، پھر کہا بتلایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یقین کرنا خداوندِ قدوس پر یعنی اس کی ذات اور صفات میں اور اس کے فرشتوں پر کہ وہ اس کے پاک بندے ہیں، جیسا خداوندِ قدوس کا حکم ہوتا ہے بجالاتے ہیں ان میں بڑی طاقت اللہ نے دی ہے اور اس کی کتابوں پر (جیسے قرآنِ کریم تورات انجیل زبور پر اور اس کے صحیفہ پر) جو کہ خداوندِ قدوس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائے، وہ سب حق ہیں، خداوند قدوس کی طرف سے ہیں، خداوندِ قدوس کے کلام میں اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر (کہ خیر اور شر سب کچھ خداوندِ قدوس کی جانب سے ہے یعنی اچھے اور برے سب کام پیدا کرنے والا خداوندِ قدوس ہے اس کو خوب معلوم تھا کہ یہ شخص برا ہو گا

---

(۱) مسلم: باب تحریم الظلم: باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۷۴۴

یہ اچھا ہوگا) اس کے حکم کے بغیر اور اس کے ارادے کے بغیر انجام نہیں پاتے؛ لیکن وہ اچھے لوگوں سے خوش نصیب ہوتا ہے اور برے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے اور اس نے ہم کو اختیار عطا فرمایا ہے اور وہ برے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے یہ سن کر اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، پھر اس نے کہا کہ: بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خداوندِ قدوس کی عبادت اس طریقہ سے کرنا کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو (کم از کم یہ مقام حاصل ہو کہ) خداوندِ قدوس تم کو دیکھ رہا ہے، پھر اس شخص نے کہا مجھ کو بتلایئے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس سے تم دریافت کر رہے ہو، وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا (یعنی خداوندِ قدوس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہے) اس شخص نے کہا کہ: آپ اس کی علامات بتلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی ایک علامت تو یہ ہے کہ باندی اپنے مالک کو جنے گی، دوسرے یہ کہ ننگے پاؤں اور ننگے جسم والے لوگ جو (ادھر ادھر) پھرتے ہیں، مفلس بکریاں چرانے والے وہ بڑے بڑے محل تعمیر کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں تین روز تک ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تم واقف ہو کہ وہ سوال کرنے والا اور دریافت کرنے والا کون شخص تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حضرت جبرائیل تھے جو کہ تم کو دین سکھلانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ (۱)

اس حدیثِ پاک میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور سوالات کر کے آپ ﷺ سے گفتگو کرنا یہ سب کچھ تعلیمی مقصد کے تحت ہوا تھا۔

☆ استاذ کو چاہیئے کہ بسا اوقات طلبہ کو سوال و جواب کی شکل میں عقلی و منطقی دلائل کے ذریعہ ان کے نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے اخلاقیات کی درستگی کرے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان، ذکر البیان بأن الإیمان والإسلام شعب، حدیث: ۱۷۳، محقق شعیب الارناؤط کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوکر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی ﷺ نے اس سے فرمایا میرے قریب آ جا، وہ نبی ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماں کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر میری جان قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بہن کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا: تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ: اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی خالہ کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر نبی ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما "اللّٰھم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصن فرجه" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ طلبہ کے علم وذہانت کو جاننے کیلئے کبھی کبھی سوال کیا کرے، اس طرح ذہین طلبہ غبی طلبہ سے ممتاز ہو جائیں گے۔

---

(۱) مجمع الزوائد : باب في أدب العلم ، حديث: ۵۴۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے نہ گرتے ہوں اور اس میں پھل بھی ہمیشہ آتا ہو؟ مسلمان کی مثال اس درخت کی طرح ہے کہ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں اور یہ بھی نہیں ہوتا ہے، یعنی ہمیشہ پھلتا رہتا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے چاہا کہ: کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے، مگر میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سب خاموش ہیں، کوئی نہیں بولتا تو میں کس طرح بولوں، آخر حضور ﷺ نے خود ہی فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، پھر جب مجلس ختم ہوئی اور سب اٹھے تو میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: میرے دل میں آیا تھا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے؛ مگر میں آپ سب کو خاموش دیکھ کر خاموش ہو رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: تم نے کہہ دیا ہوتا، واللہ مجھے زیادہ سے زیادہ مال ملنے پر بھی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی تمہارا جواب سن کر ہوتی۔ (۱)

☆ استاذ شاگردوں کو بات مثالوں کے ذریعے ان کے ذہن نشین کروائے، حضور ﷺ کا طریقہ کار بھی یہی تھا آپ ﷺ مثالوں کے ذریعہ مخاطب کو بات سمجھاتے جس سے اس کو وہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جہینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکی اور مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں !اس کی طرف سے حج کر اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا اسے ادا نہ کرتی؟ "لو كان على أمك دين أكنت قاضية" اللہ تعالیٰ کا حق تو اور بھی پورا کئے جانے کا مستحق ہے۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ مومن جو قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی پاکیزہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی

---

(۱) بخاری: باب قول المحدث، حدثنا وأخبرنا، وأبنانا، حديث: ٦١

(۲) بخاری: باب الحج والنذور عن الميت، حديث: ١٨٥٢

عمدہ ہوتا ہے اور وہ مومن جو قرآنِ کریم پڑھتا نہیں ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ تو عمدہ ہوتا ہے؛ لیکن اس کی کوئی خوشبو عمدہ نہیں ہے اور اس فاسق و فاجر آدمی کی مثال جو قرآنِ کریم پڑھتا ہے ریحان کے پھل کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو عمدہ ہوتی ہے؛ لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور وہ فاجر آدمی جو قرآنِ کریم کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال حنظل کے پھل کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور خوشبو بھی کچھ نہیں ہوتی اور نیک آدمی کے ہم نشین کی مثال مشک والے کی سی ہے کہ اگر تجھے اس مشک میں سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کی خوشبو تو تجھے پہنچے گی ہی، اور برے آدمی کے ہم نشین کی مثال دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر اس کی کالک تجھے نہ بھی لگے لیکن اس کا دھواں تو تجھے ضرور پہنچے گا، "إن لم يصبك من سواده أصابك من دخانه" (۱)

☆ استاذ کو چاہیے کہ بات کو سمجھانے کیلئے نقشہ بنانے کی ضرورت پڑے تو نقشہ بھی بنالے اس سے بات کے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شکل چار خطوط (لکیروں) کی بنائی اور اس میں ایک خط کھینچا جو اس سے باہر نکلا ہوا تھا، اور اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لکیریں اس طرح بنادیں، جو حصہ اس مربع کے درمیان تھا، اور فرمایا یہ آدمی ہے اور یہ اس کی موت ہے، جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ خط جو باہر کو نکلا ہوا ہے، اس کی دراز آرزویں اور امیدیں ہیں اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں اغراض اور مصائب ہیں، اگر ایک سے بچ کر نکلا تو دوسرے میں پھنسا، اور اس سے نکلا تو پھر کسی اور میں پھنسا، "وإن أخطأه هذا نهشه هذا" (۲)

☆ استاذ ضرورت پڑنے پر گفتگو اور اشارے دونوں سے تعلیم دی، اشارے بھی بات کو سہولت کے ساتھ سمجھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی

---

(۱) أبوداؤد: باب من يؤمر أن يجالس، حديث: ٤٨٢٩

(۲) بخاری: باب في الأمل وطوله، حديث: ٦٤١٧

پرورش کرنے والا (کہ وہ یتیم خواہ اس کا ہو یا کسی اور کا) جنت میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعہ اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی "وأشار بالسبابة والوسطة وفرج بينهما شيئا " (۱)

☆ استاذ کو چاہیے کہ طلباء کو بغیر کسی سوال یا پیشکش کے بذاتِ درس کے علاوہ اہم امور بھی بیان کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور فلاں کو کس نے؟ حتی کہ یہ کہتا ہے کہ) بتا (تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک معاملہ پہنچ جائے تو اللہ سے پناہ مانگنا اور خاموش ہو جانا چاہیے، " فليستعذ بالله ولينته " (۲)

☆ استاذ کو چاہیے کہ شاگردوں کو سوالات کرنے پر ابھارے اور ان کو سوالات کرنے کی ترغیب دے اور پھر ان سوالات کا جواب دے، اس طرح بھی طلباء کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سفر کیلئے روانہ ہوئے، راستہ میں ایک شخص کو پتھر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا (رات کو جب سو گیا تو) اس کو احتلام ہوا، اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ: کیا تم مجھے تیمّم کی اجازت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ہم تیرے لیے تیمّم کی کوئی گنجائش نہیں پاتے؛ کیونکہ تجھے پانی کے حصول پر قدرت حاصل ہے؛ لہٰذا اس نے غسل کیا اور مر گیا، جب ہم رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے اس کو ناحق مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کرے جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو ان کو پوچھ لینا چاہیئے تھا؛ کیونکہ نہ جاننے کا علاج معلوم کر لینا ہے "فإن شفاء العى السوال " اس شخص کے لیے کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارا بدن دھو ڈالتا۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب فضل من يعول يتيما، حديث: ٦٠٠٥

(۲) بخاری: كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حديث: ٣٢٧٦

(۳) ابوداؤد: كتاب الطهارة، باب في المجروح يتيمم

استاذ ایسے مواقع کی تلاش میں رہے جس سے تعلیم مؤثر ہوسکتی ہو اور پیش آمدہ خاص واقعہ اور اس علمی بات یا حکم کے درمیان ربط پیدا کرے، اس سے بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے اور قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی، اس نے قیدیوں میں اپنے بچے کو پایا، اس نے اسے اٹھا کر اپنے پیٹ سے لگایا اور اسے دودھ پلانا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے عرض کیا نہیں اللہ کی قسم جہاں تک اس کی قدرت ہوئی اسے نہ پھینکے گی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس عورت کے اپنے بچہ پر رحم کرنے سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے، "اللّٰہ أرحم بعباده من هذه بولدها" (۱)

☆ استاذ خشونت اور تیکھا اور سخت رویہ ہر دم اختیار کئے نہ رہے، بلکہ طلباء سے مزاح بھی کیا جاسکتا ہے، جب کہ یہ مزاح حق بات پر مشتمل ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے نبی ﷺ سے سواری کیلئے درخواست کی، نبی ﷺ نے فرمایا ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے، وہ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! میں اونٹنی کے بچے کو لے کر کیا کروں گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا کیا اونٹنیاں اونٹوں کے علاوہ بھی کسی کو جنتی ہیں؟ "وهل تلد الإبل إلا النوق" (۲)

اس میں لطیف مزاح ہے کہ اونٹ خواہ وہ مال برداری کے قابل کیوں نہ ہو جائے ہوتا ہے وہ اونٹنی کا بچہ ہی۔

☆ استاذ کو چاہئے کہ بیٹھنے کا انداز بدل کر، بات کو مکرر کر کے کہی جانے والی بات کی طرف طلباء کی توجہ مبذول کروائے۔

---

(۱) بخاری: باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث: ۸۶۵۳

(۲) ترمذی: المزاح، حدیث: ۱۹۹۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر (سیدھے ہوکر) بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، سن لو! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، آپ ﷺ اسی طرح (بار بار) فرماتے رہے؛ یہاں تک کہ ہم نے سوچا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے " فمازال يقولها، حتى قلت لايسكت " (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ بار بار نام لے کر اور جواب میں تاخیر کے ذریعے طالب علم کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سواری (دراز گوش) پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ کے اس دراز گوش کا نام عفیر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہا اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے، فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے، کہ اس کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اس کو عذاب نہ دے، میں نے عرض کیا میں اس بات کی لوگوں کو بشارت دے دیتا فرمایا بشارت نہ دو، ورنہ وہ اسی پر تکیہ کرلیں گے، اور اعمالِ صالحہ چھوڑ بیٹھیں گے، " لا تبشرهم فيتكلوا " (۲)

☆ استاذ شاگرد کی توجہ مبذول کرانے اور بات کو اس کے ذہن ودماغ میں جاگزیں کرنے کیلئے اس کے کاندھے اور ہاتھ کو بھی پکڑ سکتا ہے، جیسا کے حضور اکرم ﷺ کا اس حوالہ سے معمول تھا۔

---

(۱) بخاری: باب عقوق الوالدین من أكبر الكبائر، حديث: ٥٩٧٦

(۲) بخاری: كتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، حديث: ٦٥٨٢

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تشہد اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کی صورت سکھاتے تھے اور میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے لیا (وہ کلماتِ تشہد یہ تھے) التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات السلام علیك أیها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته السلام علینا وعلی عباد اللّٰه الصالحین اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمدا عبده ورسوله " (آپ ﷺ اس وقت ہمارے درمیان موجود تھے) جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم لوگ السلام علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کہنے لگے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو اور ابن عمر کہتے ہیں کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے اوقات سے اپنی مرض کے اوقات کیلئے حصہ لے لے، اور اپنی حیات کے وقت سے اپنی موت کیلئے کچھ حصہ لے لے، " ومن حیاتك لموتك " (۲)

☆ استاذ کو چاہئے کہ شمار کی جانے والی چیزوں میں پہلے اجمال پھر تفصیل بیان کرے، اس سے طالبِ علم کے ذہن ودماغ میں بات بالکل جاگزیں ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، فقر ومحتاجی سے پہلے مالداری کو، مشغولیت سے پہلے فرصت کو اور موت سے پہلے زندگی کو " وحیاتك قبل موتك " (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شادی کیلئے عورت کی چار باتیں

---

(۱) بخاری: باب الأخذ باليدين، حديث: ١٩٥

(۲) بخاری : باب قول النبی ﷺ، کن فی الدینا الخ ، حدیث: ٣٥٠٦

(۳) المستدرك : کتاب الرقاق ، حدیث: ٧٨٤٦

دیکھی جاتی ہیں، مال، نسب، خوبصورتی، دین، تجھے دینداری کو حاصل کرنا چاہیے (اگر تو نہ مانے) تو تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں گے " فاظفر بذات الدین تربت یداك "(۱)

☆ استاذ اگر کسی باعث شرم وحیابات کی تعلیم دینا چاہتا ہو تو اس سے پہلے بطور تمہید اور تقریب کے کوئی بات کہہ سکتا ہے، تاکہ شرم وحیاء کا ازالہ ہو سکے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے ایسا ہی (شفیق اور مربی) ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے کیلئے میں تمہیں از راہ شفقت تمام امور کے متعلق تعلیم دیتا ہے، " انما انا مثل الوالد لولده " مثلاً (جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ مت کرو اور تین پتھر استعمال کرنے کا حکم دیا اور گوبر اور ہڈی استعمال کرنے سے اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (۲)

☆ استاذ کو چاہیے کہ قابل شرم وحیاء امور کی تعلیم میں اشارات وکنایات کا اسلوب اختیار کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت نبی ﷺ سے اپنے غسل حیض کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اس طرح غسل کرے، فرمایا کہ ایک ٹکڑا (کپڑے کا) مشک سے (بسا ہوا) لے اور اس سے صفائی کر، اس نے عرض کیا کہ اس سے کس طرح صفائی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! صفائی کرلے، تو میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ اسے خون کے مقام پر پھیر دے " تتبعی بها اثر الدم " (۳)

حضرت محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ: ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کچھ جواب دیا، اس آدمی نے کہا: اے امیر المؤمنین! مسئلہ اس طرح

---

(۱) بخاری: باب الأكفاء في الدين، حديث: ۵۰۹۰

(۲) ابن ماجة: باب الاستنجاء بالحجارة والنهي عن الروث، حديث: ۳۱۳

(۳) بخاری: كتاب الحيض، باب دلك المرأة نفسها إذا تطهرت من المحيض، حديث: ۸۰۳

نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: تم نے ٹھیک کہا، میری بات غلط تھی اصبت واخطأت " فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ " (۱) اور ہر جاننے والے کے اوپر اس سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ (۲)

حضرت خلف بن احمرؒ مشہور امام لغت گذرے ہیں، امام احمدؒ ان کے تلامذہ میں سے ہیں لیکن علوم اسلامی میں مہارت اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے امام صاحبؒ کو اپنے استاذ سے بھی زیادہ عزت ملی، اس کے باوجود امام احمدؒ کبھی ان کے برابر بیٹھنے کو تیار نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ: آپ کے سامنے بیٹھوں گا؛ کیونکہ ہمیں اپنے اساتذہ کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا حکم ہے۔ (۳)

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ: جب میں امام مالکؒ کے سامنے ورق پلٹتا تو بہت نرمی سے کہ کہیں آپ کو بارِ خاطر نہ ہو۔ (۴)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے استاذ حمادؒ کے مکان کی طرف پاؤں کرنے میں بھی لحاظ ہوتا تھا، امام صاحبؒ خود اپنے صاحبزادے کا نام اپنے استاذ کے نام پر حماد رکھا۔

حضرت قاضی ابو یوسفؒ کو اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایسا تعلق تھا کہ جس روز بیٹے کا انتقال ہوا اس روز بھی اپنے استاذ کی مجلس میں حاضری سے محرومی گوارا نہ کی۔

طلبہ کی تادیب کے شرعی اصول

استاذ اور شاگرد کا تعلق روحانی باپ اور بیٹے کا سا ہوا کرتا ہے، جس طرح ماں باپ بچے کیلئے جسمانی وجود کا ذریعہ ہوتے ہیں، ایسے ہی استاذ بچے کی روح اور اس کے اندرونی مایہ کے وجود اور اس کے حقیقی انسان بننے کا سبب ہوتے ہیں، اس لئے استاذ کو شاگرد کے حق میں

---

(۱) یوسف: ۷٦

(۲) جامع بیان العلم وفضله، فصل فی الانصاف فی العلم، ۱/ ۱۳۱

(۳-۴) تذکرة السامع والمتکلم: ۸۷

ایک شفیق باپ کا کردار ادا کرنا چاہیے، چنانچہ استاذ کو شاگرد کی اصلاح کی خاطر تادیب کی اجازت ضروری ہے؛ لیکن اس کے کچھ حدود و قیود ہیں۔

☆ اصلاح کیلئے سب سے پہلے طالب علم کو اپنے سے مانوس کرنا ضروری ہے، جب تک استاذ اور شاگرد کے درمیان روحانی تعلق اور رشتہ اور محبت وعقیدت کے جذبات نہ ہوں گے استاذ کا اصلاح اور تادیب کیلئے اقدام کرنا قبل از وقت ہوگا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں اس حوالہ سے روشنی ملتی ہے۔

ایک دیہاتی نے جب مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کردیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو مسجد سے نکالنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور جب وہ پیشاب کر چکا تو اسے پانی سے دھودیا اور نہایت نرمی سے فہمائش کی کہ مسجد صرف عبادت کی جگہ ہے انّ هذه المساجد لا تصلح لشيئ من هذا البول ولا القذر وہ صحابی رضی اللہ عنہ چونکہ نو مسلم تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کے مسجد میں پیشاب کرنے پر ان کا سخت نوٹ نہیں لیا، حالانکہ دوسری طرف مسجد میں تھوکنے پر سخت قسم کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ (۱)

☆ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، ایسی صورت اختیار کرنا چاہئے کہ وہ ان کی غلطیوں سے واقف ہی نہیں؛ تاکہ طلبہ اپنے آپ کو ہر دم قید وبند میں محسوس نہ کریں اور انہیں گھٹن محسوس نہ ہو، پھر وہ مدرسہ کے ماحول اور وہاں کی ترتیب میں خود کو ڈھال لیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نشہ کی حالت میں پکڑا گیا، لوگوں نے اس کو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لانے لگے، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس لوگ پہنچے تو ان کا نشہ اتر گیا اور مارے شرم کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے چمٹ گئے اور کسی طرح حضور ﷺ کے پاس آنے کو تیار نہ ہوئے " فدخل على العباس

---

(۱) مسلم: باب وجوب غسل البول، حدیث: ۲۸۵

فالتزمہ“ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور نہ خود اپنے سامنے بلایا“(۱)

یہ غلطی کو نظر انداز کر دینے کی ایک مثال ہے۔

☆ اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان کی فطری صلاحیت اور ذوق ومزاج کو بدلا نہیں جاسکتا، البتہ اس کا رخ تبدیل کیا جاسکتا ہے، اگر استاذ کسی طالب علم کے اندر یہ صفت دیکھے کہ وہ دوسرے طلباء کو ہمیشہ زیر کرنے اور نیچا دکھانے کا خواہشمند رہتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر مسابقت اور آگے بڑھنے کا جذبہ ہے، لہٰذا اس کو صحیح رخ دیا جائے، کتاب اور اس یاداشت پر اس کو پھیر دے۔ بعض طلباء میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا جذبہ ہوتا ہے، ان کے اس جذبۂ نمائش کو تحریری اور تقریری صلاحیتوں کے اجاگر کرنے میں لگایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اسی کو حضور ﷺ نے ”خیارکم فی الجاهلية خيارکم في الاسلام“ فرمایا۔(۲)

☆ جب طالب علم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو پہلے نصیحت وموعظت سے کام لے اور انفرادی طور پر اور تنہائی میں اس کی غلطی پر متنبہ کرے، اس عادت کی قباحت اور برائی کو بیان کرے، پھر اس کے ازالہ کیلئے کوشاں ہو، اگر طالبِ علم چوری کرتا ہے، کسی سے قرض لیتا ہے، اپنا سامان بیچ لیتا ہے، پیسے جلد ختم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے، لہٰذا اب مربی استاذ کا کام یہ ہے کہ اس میں کفایت شعاری کی عادت ڈلوائے، اس کو خرچ کم دے، اگر کوئی طالب علم ذہین تو ہے، لیکن مفوضہ کام اور ذمہ داری کو وقت پر پورا نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام چور ہے، اس کی تربیت یوں ممکن ہے کہ اس کے اوقات کا نظام طئے کر کے وقتِ مقررہ پر فلاں کام انجام دے اس طرح اس کے اوقات اور مفوضہ وقت میں

---

(۱) ابوداؤد: حدیث: باب فی الحد فی الخمر: ٤٤٧٦، علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد اور نسائی نے سندِ قوی کے ساتھ روایت کیا ہے: فتح الباری: الضرب بالجريد والنعال: ۱۸۹/۱۹

(۲) بخاری: کتاب التفسير، سورة يوسف: حدیث ٤٦٨٩

سپرد کئے ہوئے کاموں کی نگرانی کرے، اس طرح وہ انضباطِ وقت کا پابند ہو جائے گا۔ سب سے پہلے نصیحت وموعظت سے کام لیا جائے اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے ”واللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ “ (۱) اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں، اور میرا ہاتھ پیالہ میں چاروں طرف پڑتا تھا تو مجھ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لڑکے! اللہ کا نام لے (بسم اللہ پڑھ) اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور جو تیرے قریب ہے اس میں سے کھا ” یا غلام، سم اللہ، کل بیمینك، وکل مما یلیك“ میں اس کے بعد اسی طرح ہی کھاتا تھا۔ (۲)

☆ اگر نصیحت وموعظت کارگر نہ ہو تو ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لیا جائے، اس لئے کہ انبیاء کو جہاں بشیر (خوشخبری دینے والا) کہا گیا ہے وہیں نذیر (ڈرانے والا) بھی بتایا گیا ہے بعض طبیعتیں اور بعض مزاج نرم گفتگو کو قبول نہیں کرتے، بلکہ نرمی اور نرم خوئی ان کا حوصلہ بڑھا دیتی ہے، البتہ یہ ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلے میں دو چیزوں کا ضرور خیال رہے کہ یہ ڈانٹ ڈپٹ بددعا کے الفاظ پر مشتمل نہ ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے طالبِ علم استاذ کو اپنا بدخواہ اور دشمن تصور کرنے لگے گا۔

حضرت محمد بن زیاد روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور میں سے ایک کھجور کو لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تھوکو، تھوکو، ”کخ، کخ لیطرحها“ تاکہ وہ اسے پھینک دیں، پھر فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ (۳)

---

(۱) النساء: ٣٤

(۲) بخاری: ٣٥٦

(۳) بخاری: حدیث: ١٤٣٢ھ

ایک صحابی ؓ آپ ﷺ کو بہت ہنسایا کرتے تھے، لوگ غالباً مزاحاً ان کو "حمار" (گدھا) کہا کرتے تھے، "وکان یلقب حمارا" ان سے کئی دفعہ شراب نوشی کی غلطی سرزد ہوگئی، لوگ ان کو شرم و عار دلانے لگے، اسی دوران ایک صاحب نے کہہ دیا کہ: تم پر اللہ کی لعنت ہو اور کسی نے کہہ دیا کہ: خدا تم کو رسوا کرے، حضور ﷺ نے اس فقرہ کو پسند نہیں فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ: ایسی بات کہہ کر تم شیطان کی مدد نہ کرو اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے "لا تلعنوه ، فواللّٰه ما علمتُ انّه يُحبّ اللّٰه ورسوله" (۱)

☆ اصلاحِ حال کا ایک طریقہ بے توجہی اور بے التفاتی بھی ہے، اگر کوئی طالبِ علم کسی غلطی کا بار بار اعادہ کرے تو استاد اس کی طرف چند دن توجہ کرنا چھوڑ دے اور اس کے ہم سبق طلبہ سے بھی اس سے قطعِ تعلق کو کہے، اس طرح وہ اپنے ماحول میں بیگانہ اور اجنبی ہو جائے گا، اس طرح یہ اقدام بعض دفعہ اس کے اصلاحِ حال میں زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔

حدیث میں اس کی اصل حضرت کعب، وحضرت لبابہ اور مختلف صحابہ ؓ میں ملتی ہے کہ جن کے ساتھ آپ ﷺ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا، خود بھی ان سے بظاہر بے توجہی کرتے اور صحابہ ؓ کو بھی چند دنوں کیلئے ان سے بے توجہی کیلئے کہا، دراصل مقاطعہ کسی انسان کو ماحول سے کاٹ دینا بھی اصلاحِ حال کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے، البتہ اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ طالبِ علم میں دینی تعلیم کا ذوق اور اپنے استاذ سے محبت پیدا ہوگئی ہو۔ ورنہ یہ اقدام طالبِ علم کے مدرسہ سے فرار اور اس کے ماحول سے نفرت اور اس قید و بند سے چھٹکارے کا جذبہ اس کے اندر پیدا کرسکتا ہے، اور یہ آیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے "وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ" (۲) اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو۔

☆ تنبیہ اور اصلاحِ حال کا ایک طریقہ "جسمانی سرزنش" بھی ہے مثلاً کسی مخصوص

---

(۱) بخاری: کتاب الحدود: حدیث: ٦٧٨٠

(۲) النساء: ٣٤

انداز میں کھڑا کر دینا یا بٹھا دینا، یا ایسے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس سے کچھ نفل نمازیں پڑھائی جائیں، ایک دو وقت کا کھانا بند کر دیا جائے وغیرہ۔

شریعت میں تادیب کے اس طریقہ کی جانب اشارہ ملتا ہے، چنانچہ متعدد غلطیوں کا کفارہ ”روزہ“ کو قرار دیا گیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ جسمانی سرزنش بھی اصلاحِ حال کا ایک مؤثر اور کارگر طریقہ ہے۔

☆ اصلاحِ حال کا آخری درجہ ”ضرب“ اور مناسب حد میں مار پیٹ کا ہے، مار پیٹ ایک مناسب چیز ہے، لیکن کبھی یہ اصلاحِ حال کیلئے ضروری اور ناگزیر ہو جاتی ہے، بہر حال نہ یہ نظریہ درست ہے کہ طلبہ کو بالکل نہ مارا جائے اور نہ یہ نظریہ درست ہے کہ ایسے مارا جائے جیسے جانوروں پر کوڑے برسائے جاتے ہیں۔ حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: دس سال کی عمر ہونے کے باوجود بچہ نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مارو ” واذا بلغ عشر سنین فاضربوہ “ (۱)

یہ آیت بھی اگرچہ اس کا خاص پس منظر ہے؛ لیکن مطلقاً تادیب کے طریقہ کار اسلوب اور درجہ بدرجہ اپنانے میں دلالت کرتی ہے ” وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا “ (۲) اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانا مت ڈھونڈو۔

اور ایک حدیث میں ہے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو اپنے گھر میں ڈنڈا لٹکا کر رکھے، تاکہ اس کے ذریعہ بچوں کی تربیت کی جائے ” رحم اللہ عبدا علّق فی بیتہ سوطا یؤدب بہ أھلہ “ (۳)

---

(۱) ابوداؤد : باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ، حدیث : ٤٩٤

(۲) النساء : ٣٤

(۳) کنز العمال، باب تربیۃ أھل البیت، حدیث، ٤٤٩٩٨

غصہ میں ہرگز نہ مارے، غصہ میں آدمی بے قابو ہوتا ہے، غصہ ختم ہونے کے جرم کے برابر سزا طئے کر کے مصنوعی غصہ بنا کر نافذ کرنا چاہئے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا، جب وہ مارنے کیلئے جانے جانے گا تو تو فرمایا: اسے چھوڑ دو، میں نے اپنے اندر غصہ پایا "وجدت في نفسى عليه غضبا"

حضرت مولانا الیاسؒ صاحب فرماتے ہیں کہ: استاذ کیلئے طالب علم کو مارنا اس وقت تک جائز نہیں ہے کہ جب تک کہ اس چپت (طمانچہ) طالب علم کی نگاہ میں چپاتی سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

"ضرب مبرح" وہ پٹائی جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے کے متعلق تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے جانور کو بھی چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے "لا تلطموا وجوه الدواب فان كلّ شيئ يسبّح بحمده" (۱)

اسی طرح غلام کو بھی چہرہ پر مارنے کی ممانعت فرمائی ہے "لا يضرب رجل عبدا ظالما الا أقيد منه يوم القيامة" (۲)

اور سرزنش کے سلسلے میں صراحۃً حکم فرمایا کہ چہرہ سے بچا جائے "اذا ضرب أحدكم فليتّق الوجه" (۳)

۲- جسم کے نازک حصے جیسے پیٹ، سینہ وغیرہ پر بھی نہ مارا جائے۔

۳- مسلسل ایک ہی مقام پر نہ مارا جائے، بلکہ جسم کے مختلف حصوں پر مارا جائے۔

۴- اس طرح نہ مارا جائے کہ ہڈی ٹوٹ جائے، یا مار کا نشان جسم پر نمایاں ہو جائے یہ فقہاء کی رائے میں "ضربِ مبرح" میں داخل ہے۔

---

(۱) كنز العمال، حقوق الراكب والمركوب، حديث: ۲۵۶۲۳

(۲) كنز العمال: حقوق المملوك، حديث: ۲۵۶۶۱

(۳) ابوداؤد: باب في ضرب الوجه، حديث: ۱۴۴۹۳

ان اُمور کی رعایت کے بغیر سخت ترین اور تکلیف دہ سزا دینا نامناسب تو ہے ہی شرعاً بھی ناجائز ہے اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: خود اس مدرس کی تعزیر کی جائے گی۔

۵- ایک دفعہ دس چھڑی سے زیادہ نہ مارا جائے، حدیث میں ہے کہ حد کے علاوہ کسی اور غلطی پر دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارنا چاہیے، "لا يجلد فوق عشر جلدات الّا فی حدّ من حدود الله" (۱)

☆ اگر نصیحت وموعظت، تہدید، جسمانی تادیب اور مار پیٹ کے باوجود اگر طالب علم کی اصلاح نہ ہو سکے یا طالب علم کوئی حد سے گذری ہوئی بات کر جائے تو ایسے طالب علم سے مدرسہ کے ماحول کو خالی کر دینا، یہ نہ صرف دوسرے طلبہ؛ بلکہ خود اس کے ساتھ بھی انصاف ہے، اسلام میں اس کی واضح نظیر "تغریب" یعنی جلاوطنی ہے، فقہاء از راہِ تعزیر کی اجازت دی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بارہا اس طریق کو استعمال فرمایا ہے، قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان فراق کا جو واقعہ لکھا ہے وہ ایک طالبِ علم کے اخراج کی بہترین نظیر ہے۔

حدیث پاک میں نمک کی ضرورت کو بھی اللہ سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر طالب علم کی تربیت کیلئے مناسب طریقہ اللہ سے مانگنا چاہیے کہ وہ کنجیاں اللہ کے دل پر کھول دے کہ جس کے ذریعہ اس کے دل کا تالا کھولا جا سکتا ہو۔

---

(۱) بخاری: باب ما یکرہ من ضرب النساء، حدیث: ۴۹۰۸

ماں باپ کے حقوق

والدین کے اولاد پر بے شمار احسانات ہیں جو احصاء اور شمار سے بھی باہر ہیں، ماں نے اولاً اپنے لڑکے کو نو ماہ تک پیٹ میں رکھا، اور دردِ زہ کی تکلیف برداشت کی، اور اپنے سینے سے اس کیلئے رزق کی شکل میں دودھ فراہم کیا، لڑکپن میں اس کی راحت کیلئے راتوں جاگ کر گذار دیا، اپنے ہاتھوں سے اس کی گندگی کو دور کیا، خود تو بھوکی رہی اور اس کو آسودہ کیا، اس نے اپنے گود کو اس کیلئے جھولا بنایا، اگر لڑکے کو کوئی تکلیف یا کوئی مرض ہو جاتا تو بے انتہا افسوس اور غم کا اظہار کرتی، اس کے درد اور تکلیف پر خود بھی درد اور تکلیف محسوس کرتی، اس کے رونے پر دوڑ کر چلی آتی، اگر اسے اس بات کا اختیار دیا جاتا کہ وہ یا تو لڑکے کی موت کو برداشت کرے یا اپنے موت کو گوارا کر لے تو اپنی موت کو اپنی اولاد کی موت پر ترجیح دیتی، اور باپ نے بھی اس کیلئے اپنے آپ کو کچھ کم نہیں تھکایا، اس کی ہر ضرورت اور خواہش کی تکمیل کی اور اس کی ہر حاجت کو اپنا خون پسینہ ایک کر کے پورا کیا، بچے کی تکلیف پر وہ بھی خود درد اور تکلیف محسوس کرتا، اس کی تعلیم اور تعلّم کا انتظام کیا اور لکھا پڑھا کر جوان کیا، جب ان کے قویٰ کمزور ہو گئے اور یہ جوان اور توانا مضبوط ہو گیا اور وہ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئے، ان کے قوی جواب دے گئے اور یہ اب اس کے محتاج ہو گئے تو وہ انھیں چھوڑ کر دنیا کی رنگ رلیوں میں کھو گیا اور اس نے ان کو پناہ گزیں کیمپوں، بیت المعذورین، اور اولڈ ایج ہوم کے حوالہ کر دیا۔

☆ اللہ عز و جل نے جگہ جگہ والدین کے احسانات اور ان کے اولاد پر نوازشات کا ذکر کیا ہے چنانچہ ارشادِ باری عز و جل ہے: ” وَقَضٰی رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا

تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا (۱)

اور تیرے رب نے حکم فرمایا دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے حسن سلوک کرو، اور ان میں سے ایک یا وہ دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف (بھی) نہ کہو، اور انہیں نہ جھڑکو اور ان دونوں کے ساتھ ادب سے بات کرو اور ان کیلئے عاجزی کے (ساتھ) بازو جھکا دو مہربانی سے اور کہو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

"اُف" کی تفسیر میں حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ "لو علم الله شيئًا من العقوق أدنى من أفّ لحرمه" اگر والدین کے حق میں اف سے کمتر بھی کوئی نافرمانی اور ان کی حکم عدولی کی ہوتی تو اللہ عزوجل اس کا ذکر ضرور فرماتے۔ (۲)

والدین کے حق میں اولاد کو اف تک کہنے کی اجازت نہیں چہ جائیکہ وہ انہیں کسی طرح کی جسمانی یا ذہنی کوفت اور اذیت سے دوچار کریں۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ کہتے ہیں: اگر وہ دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ان کا پیشاب اور پاخانہ نکلنے لگے تو ان کو برا نہ سمجھو اور ان کی اس گندگی کو دور کرتے رہو، جیسا کہ وہ تمہاری گندگی کو بچپن میں دور کیا کرتے تھے "واميط عنهما الخراء والبول كما كانا يميطانه عنك صغيرًا" (۳)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس جہاد میں اجازت لینے کیلئے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیری والدہ حیات ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان ہی میں جہاد کر "ففيها جاهد" (۴) یعنی ان کی خدمت کر۔

---

(۱) الاسرائیل : ۲۳—۲۵

(۲) الدرّ المنثور: ۵/۲۵۸، دار الفکر، بیروت

(۳) الدرّالمنثور : ۵/۲۵۸

(۴) بخاری: باب لا یجاهد الّا باذن الوالدین ، حدیث : ۵۹۲۷

امام جصاص ؒ ’’احکام القرآن‘‘ میں فرماتے ہیں کہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا: والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں، جب کہ جہاد کیلئے کافی لوگ دشمن کے مقابلہ میں موجود ہوں اور اگر جہاد کیلئے کافی لوگ موجود نہ ہوں تو والدین کی اجازت کے بغیر بھی جہاد میں جانا ضروری ہوگا۔ (۱)

امام نووی ؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ: ابو محمد بن عبدالسلام ؒ نے فرمایا: لڑکے کا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا حرام ہے، چونکہ ان کو اس کے قتل یا اس کے کسی عضو کے کٹ جانے کے اندیشہ سے تکلیف ہوگی۔ (۲)

☆ اسلاف نے ماں باپ کی خدمت کیسے کی؟ والدین کی خدمت کے تعلق سے یہ واقعات ہمارے لئے مشعلِ راہ اور روشن چراغ ہیں۔

۱- محمد بن منکدر ؒ کہتے ہیں کہ: ان کے بھائی یعنی عمر نماز پڑھ رہے تھے اور میں والدہ کے پیر داب رہا تھا، (چنانچہ وہ والدہ کی خدمت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ): ”وما أحبّ أنّ ليلتي بليلتي“ مجھے پسند نہیں ہے کہ اپنی رات ان کی رات کے بدلے ان کو دے دوں۔ (۳)

جہاد کی فضیلت اپنی جگہ مسلّم ہے؛ لیکن شریعت نے یہ اجازت نہیں دی ہے کہ ماں باپ کی رضامندی کے بغیر جہاد میں شریک ہوا جائے۔

۲- انس بن نضر اشجعی ؒ سے مروی ہے کہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ماں نے ان سے پانی مانگا، ان کے پانی لے کر آنے تک وہ سوگئیں، چنانچہ وہ صبح تک اسی طرح پانی لئے کھڑے رہے ”فثبت بالشربة عند رأسها حتى أصبح“ (۴)

---

(۱) احکام القرآن للجصاص: ۲۳۵/۴

(۲) شرح مسلم للنووی: ۲/۲۷۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۳) البرّ والصلة: ۷۹

(۴) حلية الأولياء: مسعر بن كدام: ۲۱۷/۷، دار الکتاب العربی، بیروت

۳۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ: والدین کا رتبہ اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ لڑکے کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے والد کو مارنے سے روکے، جس نے والدین کو تیز نظر سے دیکھا تو اس نے ان سے بدسلوکی کی، "ومن شدّ النظر الی والدیه فلم یبرّهما" (۱)

۴۔ جب حضرت ایاسؒ کی والدہ کا انتقال ہوگیا وہ رو پڑے ان سے پوچھا گیا کہ کیوں روتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ: میرے جنت کے دو دروازے کھلے تھے، ان میں سے ایک دروازہ بند ہوگیا " کان لی بابان مفتوحان الی الجنّة وغلق أحدهما " (۲)

۵۔ حضرت ہشام بن حسّانؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت حسنؒ سے کہا: میں قرآن سیکھتا ہوں اور میری ماں میرا شام کے کھانے میں انتظار کر رہی ہوتی ہے، حسنؒ نے کہا: تم اپنی ماں کے ساتھ کھاؤ اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو یہ میرے یہاں تمہارے نفل حج سے بڑھ کر ہے "أحبّ الیّ من حجّة تحجّها تطوّعًا" (۳)

۶۔ حضرت حیاہ بن شریحؒ یہ ایک بڑے امام اور مسلّم عالم تھے، ان کا حلقۂ درس ہوتا، ان کے دورانِ تعلیم ان کی ماں ان سے یہ کہتی کہ: اے حیاؒ! اٹھو، اور جا کر مرغی کو دانے ڈال دو تو وہ حلقۂ درس کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور مرغی کو دانہ ڈال آتے "فیقوم ویترك التعلیم" (۴)

۷۔ حضرت حجر بن ادبرؒ ایک بزرگ تھے، یہ اپنی ماں کے سونے سے پہلے اس کے بستر کو ٹٹول کر دیکھتے، پھر انہیں اپنے ہاتھ کے کھردرے پن کا احساس ہوتا تو اپنی پیٹھ کے بل اس پر لیٹتے، پھر جب ان کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ بستر پر کوئی چیز نہیں ہے تو ماں کو اس پر لٹاتے۔ (۵)

---

(۱) البرّ والصلة : ۱۱۳

(۲) موسوعة خطب المنبر : ٤١٤٢/١

(۳) البرّ و الصلة : ٤٥

(۴) البرّ والصلة لابن الجوزی : ۷۹

(۵) البر والصلة : ٥

۸- مامونؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت فضل بن یحییٰؒ سے بڑھ کر اپنے والد کا مطیع اور فرماں بردار نہیں دیکھا، ان کی اطاعت اور والد کی فرماں برداری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ یحییٰؒ گرم پانی ہی سے وضو کرتے تھے، اور وہ دونوں جیل میں تھے، جیل والوں نے ٹھنڈی راتوں میں اندر لکڑی لانے سے منع کیا تھا، تو فضلؒ اپنے والد کے سونے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی گرم کرنے کیلئے لوٹے کو لے کر اسے چراغ کی روشنی کے قریب کیا، اسی طرح اس پانی کے لوٹے کو چراغ کی روشنی پر لیئے صبح تک کھڑے رہے۔

مامونؒ کے علاوہ دیگر لوگوں نے بتلایا کہ جیل میں جیلروں کو پتہ چل گیا کہ چراغ کے ذریعہ پانی گرم کیا گیا تو انہوں نے رات میں چراغ جلانے سے بھی روک دیا، فضلؒ نے اپنے والد کیلئے پانی گرم کرنے کے واسطے پانی کے بھرے ہوئے لوٹے کو اپنے بستر میں لے لیا اور اسے سینے سے لگائے رکھا اس طرح پانی گرم کیا۔ (۱)

یہ تھا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا جذبہ کہ والد کی سہولت کیلئے پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہوسکا تو اخیر میں یہ کیا کہ اس پانی کو اپنے بستر میں لے کر اُسے صبح تک سینے سے لگائے رکھا کہ وہ پانی گرم ہوجائے اور والد کے استعمال کے قابل ہوجائے۔

☆ آدمی پوری زندگی ماں باپ کی خدمت گذاری کرے تب بھی وہ ماں باپ کے حق کی ادائیگی نہیں کرسکتا۔

لڑکا باپ کا پورا حق بالکل ادا نہیں کرسکتا، خواہ اس راہ میں جو کچھ بھی قربان کردے، باپ کے حق کی ادائیگی کی ایک ہی صورت ہوسکتی ہے، جس کو نبی کریم ﷺ نے والد کے احسانات کا بدلہ قرار دیا ہے کہ وہ اپنے باپ کو غلامی کی حالت میں پائے اور وہ اس کو خرید کر آزاد کردے ”الّا أن یجد مملوکا فیشتریه فیعتقه“ (۲)

---

(۱) البرّ والصلة: ۸۵

(۲) مسلم: باب فضل عتق الوالد، حدیث: ۱۵۱۰

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اپنی ماں کو سخت گرم اور ریتیلی زمین میں تین میل کے فاصلہ تک اپنے کاندھے پر لے چلا ہوں، اتنی گرم زمین کہ اگر میں اس پر اپنے گوشت کا ایک ٹکڑا بھی ڈال دیتا تو وہ بھن جاتا تو کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شاید کہ یہ تمہارے دنیا میں آنے کے وقت کے چیخوں میں سے ایک آہ کا بدلہ ہو جائے ”لعلّه أن يكون لطلقة واحدة“ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی ماں کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کی کیا رائے ہے کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ انہوں نے کہا: تم نے اس کے دردِ زہ کے چیخوں میں سے ایک چیخ کا بھی حق ادا نہیں کیا؛ لیکن تم نے بہتر ہی کیا ہے، اللہ عز وجل تھوڑے سے عمل پر زیادہ اجر بھی عنایت کرتے ہیں ”والله يثيبك على القليل كثير“ (۲)

☆ ماں باپ کی نافرمانی اور حکم عدولی کا انجام بہت برا ہو سکتا ہے۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ”اصحابِ اعراف“ جن کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں؟ اور ”مقامِ اعراف“ سے کیا چیز مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ”اعراف“ یہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک پہاڑ ہے، اس کو ”اعراف“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جنت اور جہنم کے قریب واقع ہے، وہاں پر بھی درخت، پھل، نہریں اور چشمے ہیں، جو لوگ اس جگہ رہیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو والدین کی رضا اور خوشنودی کے بغیر جہاد میں چلے گئے ہوں اور وہ جہاد میں شہید ہو گئے، ان کا شہید کا رتبہ پانا ان کے دخول جہنم کیلئے مانع بنے گا اور والدین کی نافرمانی اور حکم عدولی ان کو جنت میں جانے سے روک دے گی، وہ مقامِ ”اعراف“ پر ہی رہیں گے؛ یہاں تک کہ ان کے متعلق اللہ عز وجل کچھ فیصلہ کریں

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في البر وحق الوالدين، حديث: ١٣٣٩٤

(۲) الكبائر: الكبيرة الثامنة عقوق الوالدين: ١/٤٢، دار الندوة الجديدة، بيروت

”فمنعهم القتل فی سبيل الله عن دخول النّار ومنعهم عقوق الوالدين عن دخول الجنّة فهم على الأعراف حتّى يقضى الله بينهم“ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار لوگوں پر اللہ عزوجل نظر رحمت نہ فرمائیں گے، ایک والدین کا نافرمان، دوسرا اِحسان جتانے والا، تیسرا شراب کا عادی اور تقدیر کو جھٹلانے والا، ”عاق، منّان، ومد من خمر و مکذّب قدر“ (۲)

ابوقزعہ نے ایک شخص کے بارے میں بتلایا کہ ہم نے دورانِ سفر ایک جگہ پڑاؤ کیا تو وہاں ہم نے رات میں گدھے کی آواز سنی، لوگوں سے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ ہمارے یہاں ایک آدمی تھا جب اس کی ماں اس سے کچھ کہتی تو وہ اس سے کہتا کہ گدھے کی طرح نہ چلا، جب یہ شخص مرگیا تو اس کی قبر سے گدھے کے چلانے کی طرح آواز آتی ہے ” فلمّا مات سمعنا نهيقه من القبر“ (۳)

یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نافرمان اپنے باپ کو گھر سے نکالنے کیلئے اس کو پیر سے کھینچا کرتا تھا، اس کا ایک لڑکا اس سے بھی زیادہ نافرمان تھا، وہ اس کو دروازے تک کھینچ کرلایا تو اس نے کہا: بس بھی کرو، میں نے اپنے باپ کو اسی جگہ تک کھینچ کرلایا تھا تو اس کے لڑکے نے اس سے کہا: یہ تمہارے لئے اس کئے کا بدلہ ہے اور یہ مزید میری طرف سے تم پر صدقہ ہے ”هذا جزاء ك والزائد صدقة منّى عليك“ (۴)

اس واقعہ میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ اس زندگی میں آدمی کا ہر کئے کا بدلہ مل کر رہتا ہے ”جیسا کروگے ویسا بھروگے“ تم اپنے لڑکوں کا اپنے ساتھ جس طرح کا معاملہ اور سلوک کے طلب گار رہو اسی طرح اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو۔

☆ ماں باپ کے ساتھ احسان اور بہترین سلوک سے یہ فضائل اور انعامات حاصل ہوتے ہیں۔

---

(۱) الكبائر: ۴۱/۱، دار الندوة الجديدة، بيروت

(۲) المعجم الكبير: صدى بن عجلان أبو أمامة: حديث: ۷۹۵۴

(۳) البر والصلة: باب عقوق الوالدين: ۵۵/۱، دار الوطن، الرياض

(۴) موسوعة خطب المنبر: ۴۲۱/۲

۱- ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک یہ سب سے بڑی نیکی ہے :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا، میں نے کہا: پھر کونسا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”والدین کے ساتھ نیک سلوک“ ”بر الوالدین“ پھر میں نے کہا: پھر کونسا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔(۱)

۲- یہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے :

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا .... أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ (۲)

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا............ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بہترین عمل جو انہوں نے کئے ہم قبول کرتے ہیں اور ہم ان کی برائیوں سے درگذر کرتے ہیں۔

۳- یہ دخول جنت کا سبب ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”رغم أنفه، رغم أنفه“ اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، کہا گیا: کس کی اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ نے فرمایا: جو شخص اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے ” ثمّ لم يدخل الجنّة “ (۳)

۴- والدین زیادتی عمر کی وجہ ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کے رزق میں کشائش ہو تو وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ان کی رشتہ داری کو نبھائے ” فليبرّ والديه وليصل رحمه “ (۴)

---

(۱) بخاری : باب فضل الصلوة على لوقتها، حديث: ۵۰۴

(۲) الاحقاف : ۱۵

(۳) مسلم: باب رغم أنف من أدرك أبويه، حديث: ۲۵۵۱

(۴) المعجم الكبير: احاديث عبدالله بن عباس، حديث: ۱۱۸۲۲

۵- رزق میں اضافہ کے باعث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور اس کے آثار قدم تادیر قائم رہیں (لمبی زندگی یا شہرت چاہتا ہو) تو وہ صلہ رحمی کرے " فیصل رحمه " (۱)

۶- اس کی اپنی اولاد بھی مطیع ہوگی:

ماں باپ کی اطاعت کا ایک نقد فائدہ یہ ہوگا کہ خود اس کی اولاد مطیع اور فرماں بردار ہوگی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " برّو اباء کم تبرّکم أبناء کم وعفّوا تعفّوا نساء کم " (۲)

اپنے ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کرو، اولاد تمہاری مطیع اور فرماں بردار ہوگی، تم عفیف اور پاکیزہ رہو، تمہاری عورتیں عفیف اور پاکیزہ ہوں گی۔

☆ ایسا نہیں ہے کہ مرنے کے بعد ماں باپ کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی حق باقی نہیں رہتا بلکہ مرنے کے بعد والدین کے ساتھ کیسے سلوک کیا جا سکتا ہے۔

مرنے کے بعد ان کے لئے دعا اور استغفار کرے:

ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کیلئے دعا واستغفار اور ایصال ثواب کا اہتمام کرے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال بند ہو جاتے ہیں؛ لیکن تین اعمال کا ثواب باقی رہتا ہے،

۱- ''صدقۂ جاریہ''

۲- ''علم جس سے لوگ منتفع ہوں'' اور

۳- ''نیک لڑکا جو ماں باپ کیلئے دعا کرتا رہے'' او ولد صالح یدعو اله " (۳)

---

(۱) بخاری: باب من أحبّ البسط فی الرزق، حدیث: ١٩٦١

(۲) المعجم الأوسط: حدیث: ٦٢٩٥

(۳) مسلم: باب بیان أنّ اسم الصدقة: حدیث: ١٠٠٦

اور ایک روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: مرنے کے بعد آدمی کے درجات بلند ہوں گے تو وہ کہے گا: اے میرے رب! یہ کیا چیز ہے؟ تو اس سے کہا جائے گا: تیرے لڑکے نے تیرے لئے مغفرت طلب کی ہے "ولدك استغفر لك" (۱)

ایسے ہی ایک روایت میں ہے مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری شخص آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میرے والدین کے وفات پا جانے کے بعد کیا ان کے ساتھ اب بھی میرے حقوق متعلق ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، چار چیزیں ہیں: ان کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کیلئے استغفار کرنا، ان کے عہد وصیت کو پورا کرنا، ان کے دوست کا اکرام کرنا، اور اس رشتے کو نبھانا جو رشتہ تم کو ان سے حاصل ہوا ہے، یہی چیزیں ان کے مرنے کے بعد تم پر بطورِ حقوق کے باقی ہیں "فهو الذی بقی علیك من برّهما بعد موتهما" (۲)

والدین کے چودہ حقوق ہیں:

سات زندگی کے حق ہیں:

۱- عظمت، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا درجہ والدین کا ہے، استاذ، پیر سے بھی زیادہ ہے، استاذ صاحب یا پیر صاحب نے بلایا کہ چار بجے ہمارے ہاں آؤ اور والد نے بھی اسی وقت آنے کو کہا تو استاذ اور پیر سے عذر کر دے اور والد کے ہاں حاضری دے۔

۲- محبت۔ ۳- اطاعت۔

۴- خدمت، ان کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچائے۔

۵- رفعِ حاجت۔ ان کی جو بھی ضرورت ہو اس کو پوری کرنا۔

۶- فکرِ راحت، ان کے آرام کی بھی فکر کرے، اپنے لئے تو اچھا بستر، گدا اور والدین کیلئے پرانا میلا کچیلا بستر، اپنے لئے پنکھا اور راحت کا انتظام اور والدین کیلئے کچھ نہیں۔

۷- کبھی کبھی ان کی زیارت و ملاقات، ان چیزوں کا خیال اور لحاظ رکھے۔

---

(۱) الأدب المفرد : باب عرض الاسلام علی الامّ ، حدیث: ۳٦

(۲) مسند احمد : حدیث ابی اسید الساعدی ، حدیث : ١٦١٠٣

وفات کے بعد کے سات حق ہیں:

۱- دعائے مغفرت

۲- ایصالِ ثواب طاعت، کچھ قرآن کریم پڑھ کے ثواب پہنچادے، قرآن نہیں پڑھا تو کلمہ شریف اور سبحان اللہ نیز الحمد للہ وغیرہ پڑھ کے اس کا ثواب پہنچادے۔

۳- اعانتِ احباب واہلِ قرابت، ان کے دوستوں نیز رشتہ داروں کی حسبِ استطاعت مدد کرنا۔

۴- اکرام واحترام احباب واہلِ قرابت، کسی کے والدین نے اگر دوسرا نکاح کرلیا تو ان کے جو اعزہ ہیں ان کی بھی مالی خدمت کرنا۔

۵- ادائے دین وامانت، والد کے پاس کسی کی امانت تھی، والد کے اوپر کسی کا قرضہ تھا، تو اس کو ادا کرے۔

۶- تنفیذِ وصیت، انہوں نے جو وصیتیں کی تھیں اس کو پورا کرے۔

۷- گاہے گاہے ان کی قبر کی زیارت، ہفتہ میں ایک دن تو جا کے ان کی قبر کی زیارت کرلیا کرے۔(۱)

والدین کی اطاعت کس حد تک؟

اللہ عزوجل نے جہاں والدین کو اُف کہنے سے منع کیا ہے اور ان کے ساتھ احسان کا حکم کیا ہے، اس آیت کے اخیر میں الفاظ ہیں " اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا " (۲) دے قرابت دار کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو، اور مال مت اُڑا بگاڑ کر۔

حق تعالیٰ نے حد اعتدال کو قائم رکھتے ہوئے حقوقِ والدین کے ساتھ دیگر لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی؛ کیونکہ احتمال تھا کہ اس سختی اور شدت کے ساتھ والدین کی اطاعت کا حکم

---

(۱) ارشاداتِ ابرار: ۱۸۸، مرتب: سید سلیم اللہ غوری صاحب، خلیفہ ومجازِ بیعت حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) اسراء: ۲۶

دیکھ کر کوئی شخص کسی دوسرے کے ادائے حقوق کو محض معمولی بات سمجھ کر اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے اور رضائے والدین کو مقدم کرے، مثلاً والدین کہیں کہ اپنے اہل وعیال کو ایذاء دے، خورد ونوش واجب میں کمی کرے تو وہ کرنے لگتا، پس رحیم وکریم نے بتلایا کہ ہر چیز کی حد ہے، والدین کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ کرو۔

کن چیزوں میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں

۱- جو سفر (خواہ تجارت کا ہو خواہ حج وغیرہ کا بشرطیکہ وہ سفر فرض وواجب نہ ہو) ایسا ہو جس میں غالب ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، بغیر اجازتِ والدین درست ہے، اگر والدین اس سفر سے منع کریں تو ان کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں، چنانچہ یہ مسئلہ درمختار اور عالمگیری میں موجود ہے: جو سفر فرض یا واجب ہو، اس میں تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا اور یہ سب اس صورت میں ہے جب والدین اپنی ضروری خدمت کے محتاج نہ ہوں خواہ ان کو حاجت ہی نہ ہو یا ہو لیکن دوسرا کوئی خدمت کرنے والا موجود ہو۔

۲- اگر والدین ضروری حاجت کیلئے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام ولباس وعلاج وغیرہ وادائے قرض) خرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد نہ ہو اور والدین اولاد سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۳- والدین بغیر احتیاجِ خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ ضروری خدمت کے محتاج ہو اور نوافل وغیرہ میں مشغولی ان کو تکلیف دے اور کوئی دوسرے خادم نہ ہو تو اولاد پر واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔

اس حوالے سے یہ روایت ملاحظہ ہو:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس کا نام جریج تھا وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں آئی اور اس کو بلایا، لیکن

اس نے جواب نہ دیا، اور اپنے جی میں کہا کہ میں نماز پڑھوں یا اس کی بات کا جواب دوں، "أجيبها أم أصلي" اس کی ماں اس کے پاس واپس آگئی اور کہا، یا اللہ اس کو موت نہ دے جب تک کہ وہ فاحشہ عورت کا منہ نہ دیکھ لے، ایک دن جریج اپنے عبادت خانہ میں تھا، ایک عورت نے کہا کہ میں جریج کو پھانس لوں گی، وہ اس کے سامنے آئی اور اس سے بات چیت کی، لیکن اس نے انکار کر دیا، تو وہ ایک چرواہے کے پاس گئی اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیا، چنانچہ اس کو ایک بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگی یہ جریج کا ہے، لوگ جریج کے پاس آئے اس کے عبادت خانے کو توڑ دیا، اس کو عبادت خانے سے نیچے اتارا اور اس کو گالی دی، جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس لڑکے کے پاس آ کر کہا اے بچے تیرا باپ کون ہے؟ اس بچہ نے جواب دیا، فلاں چرواہا لوگوں نے (جریج سے کہا) ہم تیرا عبادت خانہ سونے کا بنا دیں گے جریج نے کہا نہیں مٹی ہی کا بنوا دو۔ (۱)

۴۔ اگر والدین حقہ نوش ہوں (بیڑی، سگریٹ، گٹکے اور دیگر تمباکو والی چیزیں اس میں شامل ہیں) اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے نہ ہو، اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ اس میں فعل مکروہ کا ارتکاب کرنا ہے، جو شرعاً مذموم ہے۔

۵۔ اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دیدے، اس کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے، طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ناپسندیدہ چیز ہے، فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے، خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہِ تحریمی ہے، نکاح تو وصال کیلئے وضع کیا گیا ہے، یہ فراق بلاوجہ کیسے روا ہو سکتا ہے؟ (۲)

---

(۱) بخاری: واذكر في الكتاب مريم: حديث: ٣٢٥٣

(۲) فتح القدير: باب الايمان في الطلاق: ٤/ ١١٦، دار الفكر بيروت

حضرت سعید بن المسیبؒ (یہ بڑے درجے کے تابعی ہیں، علم میں کوئی تابعی ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکا، اور یہ بڑے بزرگ اور صاحبِ کرامت بھی تھے، اپنے باپ سے علاحدگی اختیار کی اور بالکل چھوڑ دیا" وسعید بن المسیب هجر أباه حتى مات " دینی وجہ سے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ (۱)

۶۔ اگر والدین کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو مثلاً فرمائیں کہ اہل حق کی مدد نہ کرو یا زکوٰۃ نہ دو، دینی تعلیم حاصل نہ کرو، اور کوئی ایسی ہی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جبکہ وہ کام ضروری ہو جس سے وہ روکتے ہیں، ہاں اگر ان کو کوئی (واقعی اور سخت) تکلیف ہو مثلاً وہ بیمار ہوں، اور کوئی خادم نہ ہو اور نماز کا وقت ہے، اگر ان کی خبر گیری نہ کی جائے تو سخت تکلیف کا اندیشہ ہے، پس اس صورت میں اگر وہ نماز قضا کرنے کو کہیں تو قضا کر دے، پھر کسی وقت پڑھ لے، اور اگر کسی مستحب کام سے روکیں اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور خواہ مخواہ روکیں تو واجب نہیں ہے۔

ماں کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے؟

بیوی کے نفقہ کے سوا دیگر اہل قرابت کا نفقہ مرد کے ذمہ اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ وہ اس قدر مال کا مالک ہو، جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اور والدین بھی اس حکم میں داخل ہیں اور بیوی کا نفقہ ہر صورت میں فرض ہے خواہ شوہر فقیر ہو یا امیر ہو (حاشیہ شرح وقایہ) پس معلوم ہوا کہ جب تک ذکر کردہ مال کی مقدار مرد کے پاس نہ ہو تو والدین کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب نہ ہوگا، اس تصریح سے یہ غرض نہیں کہ انسان والدین سے بے رُخی اور ان کے ادائے حقوق میں کوتاہی اور ان کی احسان فراموشی کرے، یہ بہت بری بات ہے، بلکہ غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ مبالغہ دور کر دینا ہے۔ (۲)

---

(۱) المعارف لابن قتیبة: ۱/ ۵۵

(۲) رسالہ حقوق الوالدین، مؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث ” أنت ومالک لأبیک “کی توضیح:

حدیث ” أنــت ومــالك لأبيك “ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اولاد کے کل مال وجائیداد کا والد مالک ہوتا ہے، اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، جیسا کہ اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ مفہوم لیا ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ اولاد کے مال میں بقدرِ ضرورت وحاجت لے سکتا ہے، حضرت ابوبکر ؓ کے یہاں یہ واقعہ پیش آیا تو انہوں نے اس حدیث کی ایسی ہی تشریح فرمائی:

حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ: ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس آیا، کہنے لگا: میرے والد میرا تمام مال کسی ضرورت سے لینا چاہتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس نوجوان کے والد سے فرمایا: تمہیں اس کے مال سے بقدرِ کفایت ہی لینے کا حق ہے، ”إنــمــا لك من ماله ما يكفيك “ اس نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! کیا نبی کریم ﷺ نے یوں نہیں فرمایا: ”أنت ومالک لأبیک“ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: ہاں، حضور ﷺ نے اس سے نفقہ ہی مراد لیا ہے؛ لہٰذا اس حوالہ سے تم اللہ کی تقسیم پر راضی رہو“۔ (۱)

حضرت عمر ؓ اور حضرت ابوالدرداء ؓ کے طلاق کا حکم دینے کی وجہ

حضرت عمر ؓ اور حضرت ابوالدرداء ؓ کے واقعات پہلے بھی گذر چکے ہیں جس میں انہوں نے والدین کی اطاعت میں طلاق دینے کا حکم کیا ہے، پھر ان اصحابِ نبی رضی اللہ عنہما کے طلاق دینے کا حکم کرنے کی کیا تاویل ہوسکتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ: میری ایک بیوی تھی، حضرت عمر ؓ کو وہ ناپسند تھی، انہوں نے کہا: اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کردیا، حضرت عمر ؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے باپ کی اطاعت کرو ” اطع أباك “ (۲)

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي : باب نفقة الأبوين ،حديث: ۱۵۵۳۲

(۲) ترمذی: الرجل يسأل أبوه أن يطلق امراته، حديث: ۱۱۸۹، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

یہاں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر ؓ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے صاحبزادے اپنی بیوی کو طلاق دیں، صاحبزادے طلاق دینا نہیں چاہتے تھے تو انہوں نے جناب سرورِ عالم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے بھی طلاق دینے کو کہا، ظاہر ہے حضرت عمر ؓ جیسے مقبول صحابی کسی پر ظلم کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر بفرضِ محال وہ ایسا کرتے بھی تو حضور ﷺ اس کو گوارا کیسے کرتے اور ظلم کی اعانت کیسے کرتے؟

حضرت ابوالدرداء ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میری ایک بیوی ہے، میری ماں اس کو طلاق دینے کو کہتی ہے، تو انہوں نے کہا: میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ: باپ جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے، اگر چاہو تو اُسے باقی رکھو، ورنہ ضائع کردو ”فان شئت فاضع ذلك أو احفظه“ (۱)

ظاہر ہے کہ اس عورت سے اس مرد کی والدہ کو تکلیف واقعی پہنچی تھی، اس وجہ سے وہ اس کو طلاق دلانا چاہتی تھی، ورنہ خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم ہے اور ظلم پر مدد کرنا بھی ظلم ہے، اگر مذکورہ صورت میں طلاق دینا اس ظلم ہوتا تو حضرت ابوالدرداء ؓ اس کی کیسے اجازت دیتے۔

☆ سوتیلی ماں چونکہ باپ کی قرین ہوتی ہے اور باپ کے دوست کے ساتھ احسان کرنے کا حکم آیا ہے، اس لئے سوتیلی ماں کے بھی کچھ حقوق ہیں مثل حقیقی ماں کے ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ دیگر ازواج نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے، تو اس کام کے متعلق گفتگو ہوئی، پھر نبیٔ اقدس نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”یا بنيّة ! الستِ تحبّين ما أُحبّ ، قالت: بلٰى ، قال احبّى هذه “ یعنی اے میری بیٹی! جس کو میں محبوب رکھتا ہوں کیا تو اسے محبوب نہیں رکھتی؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے

---

(۱) ترمذی: من الفضل فی رضا الوالدين، حديث: ۱۹۰۰، امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے

عرض کیا: کیوں نہیں؟ میں محبوب رکھتی ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت رکھنا۔ (۱)

ساس کیلئے ہدایات

بہو کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھے اور سوچے کہ وہ کتنی بڑی قربانی دے کر گھر آتی ہے، اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بہو بیٹے کے رشتے میں مداخلت کرنے نہ دیں، پردہ کا اہتمام ضرور کروائیں، بہو کے غلطی کرنے پر سلیقے سے تنہائی میں سمجھائیں، بھری محفل میں بے اِکرامی کے ساتھ نصیحت نہ کریں، اس کی خوبیاں بھی کبھی بیان کرنا چاہیئے، نکاح کے بعد خواہ مخواہ اپنے بیٹے سے بدگمانی نہ کرے کہ شاید وہ اپنی بیوی کا غلام ہوگیا، کبھی ٹوکتے ہوئے لڑکی کے خاندان کو برا بھلا نہ کہے، بڑا پن عمر کی درازی اور بالوں کی سفیدی سے نہیں ملتا؛ بلکہ چھوٹوں کو معاف کرنے سے ملتا ہے، بہو کی ضرورت اور علاج ومعالجہ کا اللہ کو راضی کرنے کیلئے فکر کرے، دنیا میں بیٹے یا بہو سے صلہ یا بدلہ لینے کی امید دنیا میں ہرگز نہ کرے، سارے بیٹوں کو ایک چولہے سے کھانے اور ایک چھت کے نیچے رکھنے پر اصرار نہ کریں، اگر سارے بیٹے اور بہوئیں محبت والفت کے ساتھ دِلوں کی صفائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک جگہ رہ رہے ہوں تو بہت اچھا ہے، مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے، دِلوں کو ایک رکھنے کی فکر کریں، چولہے کے ایک رہنے کا غم نہ کریں، مطبخ اور گھریلو مسائل کے جھمیلے کو کم کریں، بہوؤں کے حوالے کرکے آخرت کی فکر میں لگ جائیں، خود اپنے سے غلطی ہونے پر بہو سے معافی چاہنے میں شرم نہ کریں، بہو کے گھریلو مسائل ہوں تو میکہ جانے کی اجازت دیں، اپنے چھوٹوں کیلئے دعائیں کرتی رہیں۔

بیٹی کی ماں کیلئے ہدایات

لڑکی کی ماں کیلئے چاہیئے کہ داماد کا اِکرام کرے اور اپنی بیٹی کو ہمیشہ داماد کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرے، اگر زندگی میں کچھ سرد وگرم آجائے تو بیٹی کو آگاہ کرے کہ دنیا

---

(۱) مسلم: باب فضائل عائشة، حدیث: ۲۴۴۲

مسا ملکستان ہے، جنت نشان نہیں، ساس اور داماد کی خوبیاں اپنی بیٹی کے سامنے بیان کرے، ہرگز بیٹی کے سسرال والوں کی اہمیت بیٹی کی نگاہ میں کم نہ کرے، ہر دم یہی سمجھنا چاہئے کہ اصل گھر تمہارا سسرال ہے، میکہ نہیں، خاموش رہنے سے کبھی نقصان نہیں ہوا، بولنے سے ہی مصیبت جڑی ہے، ”والبلاء مؤکل بالمنطق“ وقتاً فوقتاً لڑکی کے سسرال والوں کیلئے ہدیہ بھیجیں، اگر بیٹی سے فون پر بات ہو تو ساس سے بھی ضرور بات کریں، نواسے، نواسیوں کو دادا، دادی سے بھی جوڑیں، دادا، دادی کا مقام ان کی نگاہوں میں گرنے نہ دیں، اپنی بیٹی کی کوتاہیوں پر بے جا طرف داری نہ کریں۔ جس بات کا بوجھ دل سے ہلکا کرنا ہو، اس کا تذکرہ کرنا چھوڑ دیں، پچھلی باتوں کا بار بار تذکرہ کر کے دل کی زخموں کو تازہ نہ کرتی رہیں۔

یہاں اس حوالے سے یہ واقعہ بیٹی کی ماں کیلئے نہایت عبرت خیز ہے:

یہ ہمارے نبی ﷺ کی ساس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں، حضرت عائشہؓ پر ایک منافق نے توبہ توبہ تہمت لگائی تھی جس میں بعض بھولے سیدھے مسلمان بھی شامل ہوگئے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی ان سے کچھ چپ چپ ہوگئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی پاکی کے متعلق قرآنِ مجید میں چند آیتیں اُتریں اور نبی کریم ﷺ نے وہ آیتیں پڑھ کر گھر میں سنائیں اس وقت حضرت اُمّ رومان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا: اٹھو، اور حضرت کی شکر گزاری کرو، اور اس سے پہلے بھی؛ حالانکہ ان کو اپنی بیٹی کا بڑا صدمہ تھا؛ مگر کیا ممکن ہے کہ کوئی ذرا سی بات بھی ایسی ہو کہ جس سے حضورِ اکرم ﷺ کی شکایت ٹپکتی ہو۔ (۱)

فائدہ: عورتوں سے ایسا تحمل اور ضبط بہت تعجب کی بات ہے ورنہ ایسے وقت میں کچھ نہ کچھ منہ سے نکل ہی جاتا ہے مثلاً یہ کہہ دیتیں کہ افسوس میر بیٹی سے بے وجہ کھینچ گئے، خاص کر جب پاکی ثابت ہوگئی اس وقت تو ضرور کچھ نہ کچھ غصہ اور رنج ہوتا کہ لو ایسی پاک پر شبہ تھا رنج و تکرار کے وقت بیٹی کو بڑھاوے مت دیا کرو، اس کی طرف ہو کر سسرال والوں سے مت لڑا کرو، اس قصہ میں ایک اور بی بی کا ذکر کیا ہے جن کے بیٹے ان ہی تہمت لگانے والوں میں

---

(۱) بخاری، باب في حديث الافك، حديث: ۲۷۷۰

بھولے پن سے شامل ہوگئے تھے ان بی بی نے ایک موقع پر ایک بیٹے ہی کو کوسا اور حضرت عائشہ کی طرف دار رہیں یہ بی بی اُمِّ مسطح کہلاتی ہیں دیکھو حق پرستی یہ ہوتی ہے کہ بیٹے کی بات کی پچ نہیں کی؛ بلکہ سچ بات کی طرف رہیں اور بیٹے کو برا کہا۔(۱)

ان کی رشتہ داری اور تعلقات کو نبھائے

حضرت ابن عمر ؓ جب مکہ مکرمہ جاتے تو اپنے ساتھ ایک گدھا بھی بطور سواری کے رکھتے، جب اونٹنی پر سفر کرتے کرتے اکتا جاتے تو آرام کرنے کیلئے اس پر بیٹھ جاتے اور ایک پگڑی بھی ساتھ لے جاتے جسے بوقتِ ضرورت سر پر باندھ لیتے، ایک دن وہ اس گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی کے پاس سے گذر ہوا، حضرت ابن عمر ؓ نے اس سے پوچھا: کہ کیا تم فلاں ابن فلاں ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں وہی ہوں، حضرت ابن عمر ؓ نے اسے اپنا وہ گدھا دے دیا اور فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اور پگڑی بھی اسے دے دی، اور فرمایا: اس اسے اپنا سر باندھ لینا، حضرت ابن عمر ؓ کے ایک ساتھی نے ان سے کہا: آپ ؓ جس گدھے پر آرام کرتے تھے وہ بھی سے دے دیا اور جس پگڑی سے اپنا سر باندھا کرتے تھے وہ بھی اسے دے دیا، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، (آپ نے ایسا کیوں کیا؟) ابن عمر ؓ نے فرمایا: میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے انتقال کے بعد اس کے محبت وتعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے (اس دیہاتی کے والد میرے والد کے محبوب دوست تھے "انّ من أبرّ البرّ صلة الرجل أهل ودّ أبيه بعد أن يُولّي، وانّ أباه كان صديقًا لعمر" (۲)

☆ ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ذرا تیز مزاج اور غصیلی تھیں اور اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں، یہ اپنی اپنی عادت ہے، ایک دفعہ انہوں نے کسی بات پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جھڑکا، کسی نے سیدہ سے کہا: آپ ان کے پاس نہ جایا کریں، فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں:

---

(۱) بہشتی زیور اختری: ۳۳، آٹھواں حصہ

(۲) مسلم: باب بيان صلة أصدقاء الأب ، حديث: ۲۵۵۲

کیوں نہ جاؤں؟ وہ تو میری ماں ہیں، مجھے لاکھ برا بھلا کہیں، وہ پھر بھی میری ماں اور میرے لئے قابل تکریم ہیں اور میں ان کی ہر خدمت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ (۱)

☆ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ آزمائش کے طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی سخت کام بتایا، جب فاطمہ رضی اللہ عنہا فوراً تعمیل حکم کیلئے اٹھیں تو انہوں نے ان کا منہ اور سر چوم لیا اور یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ میں تو تمہارا امتحان لینا چاہتی تھی، واقعی تم ایک فرماں بردار بیٹی ہو۔ (۲)

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے ایک مرتبہ بی بی فاطمہؓ سے فرمایا: بیٹی! جس قدر تم ہماری خدمت کرتی ہو، اس سے زیادہ اپنے ابا جان کی خدمت کیا کرو، حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا، محترم امی! والد گرامی کی خدمت میں اگر تھوڑی بہت کوتاہی بھی ہو جائے تو مجھ سے باز پرس نہ کریں گے لیکن آپ کی خدمت کرنے کو بھی میں اپنے لئے اہم فرض سمجھتی ہوں اور ابا حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''ماؤں کا خاص خیال رکھا کرو، ان کے قدموں تلے جنت ہے۔ (۳)

دادا، دادی اور نانا، نانی کا حکم شرعاً مثل ماں باپ کے ہے، پس ان کے حقوق بھی مثل ماں باپ کے سمجھنا چاہئے۔

خالہ اور ماموں کے حقوق

اسی طرح خالہ اور ماموں مثل ماں کے اور چچا اور پھوپھی مثل باپ کے ہیں، حدیث میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ تو فرمایا: کیا تمہارے اہل میں سے کوئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں تو فرمایا: کیا تیری خالہ ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کر ''هل لك من خالة ؟ قال: نعم، قال: فبرها'' (۴)

(۱-۲-۳) سیرت فاطمۃ الزہراء: ازمولانا عبدالمجید خام: ۸۰ بحوالہ: حضرت فاطمہ کے سو قصے: ۷۸، مولانا محمد اویس سرور، مطبوعہ پاکستان

(۴) الأحكام الكبرى: باب ما جاء في الخالة: ۳/ ۷۱، مكتبة الرشيد، السعودية

چچا و تایا کے حقوق

جس طرح بیٹے کے حق میں باپ کے حقوق بتلائے گئے اور اس کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے آداب بتائے گئے ہیں، اسی طرح اسلام میں چچا کو بھی باپ ہی کے درجہ میں رکھا گیا ہے، اولاد کے حق میں باپ کے بعد چچا ہی ہمدردی، شفقت اور ضروریاتِ زندگی میں کفیل اور سہارا بنتا ہے، اس لئے اسلام نے چچا کے ادب واحترام اور عظمت وتقدس کی بجا آوری میں باپ کا ہی درجہ دیا ہے، چنانچہ اس بارے میں مشہور حدیث ہے " فإنما عم الرجل صنو أبيه " (۱)

آپ ﷺ کے کل دس تا بارہ چچا اور چھ پھوپیاں تھیں، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ احترام وعقیدت اور ان کے ساتھ سلوک وبرتاؤ کیا تھا، اس کے چند ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ چچاؤں میں آپ ﷺ کے سب سے محبوب، چہیتے چچا حضرت حمزہ ؓ تھے، جنہیں آپ ﷺ نے سید الشہداء کے لقب سے سرفراز کیا، اور شہادت کے وقت تعلقِ خاطر کی وجہ سے یوں فرمایا: میرے چچا! خدا آپ پر مہربان ہو، آپ بڑے صلہ رحمی کرنے والے اور نیکیوں کا بڑا اہتمام کرنے والے تھے "وقف رسول اللّٰہ ﷺ علی حمزة، وقد مثل به، فلم یر منظرا کان أوجع لقلبه منه فقال: رحم اللّٰه، أی عم، فلقد کنت وصولا للرحم فعولا للخیرات" (۲)

---

(۱) ترمذی: باب مناقب ابی الفضل عم النبی ﷺ وهو العباس بن عبد المطلب، حدیث: ۳۷۵۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) اسد الغابة: حمزة بن عبد المطلب: ۶۷/۲

ان کے قاتل حضرت وحشیؓ جب اسلام لے آئے تو ان سے چچا کے قتل کی دلخراش داستان سنانے کیلئے کہا، اور پھر سن کر فرمایا: وحشی! افسوس کہ تم نے کیسے یہ کام انجام دیا؟ کیا یہ تمہارے لئے ممکن ہے کہ آئندہ میرے سامنے مت آیا کرو (اس سے میرے چچا کا غم تازہ ہوگا)۔ قال: آنت وحشي قلت: نعم، قال: أنت قتلت حمزة قلت: قد كان مِن الأمر ما بلغك، قال: فهل تستطِيع أن تغيّب وجهك عنِي" (۱)

میدانِ احد میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ہند بنت عتبہ نے ان کے کلیجہ کو نکال کر چبایا اور نگلنا چاہا مگر نگلا نہ گیا تو تھوک دیا، آپ ﷺ کو پتہ چلا تو پوچھا کہ کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے اللہ! حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی جزو بدن کو جہنم میں داخل نہ ہونے دے دینا "ما كان الله ليدخل شيئا من حمزة النار" (۲)

حضور ﷺ نے اپنے چچا کے غم میں بھی شرکت کی ہے، حضور ﷺ نے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو نعش کو دیکھ کر انتہائی غمزدہ ہوگئے اور کہا کہ: خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام لینا واجب ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا، لیکن تھوڑی دیر بعد وحی الٰہی کا نزول ہوا جس میں اس طرح کے انتقام سے منع کیا گیا، اس لئے کفارہ یمین ادا کر کے صبر اختیار فرمایا "فلما شهده النبي ﷺ اشتد وجده عليه، وقال: "لئن ظفرت لأمثلن بسبعين منهم"، فأنزل الله سبحانه وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين واصبر وما صبرك إلا بالله" (۳)

پھر جب غزوۂ احد سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں پر رو رہے ہیں، تو فرمایا کہ: افسوس حمزہ پر کوئی رونے والی نہیں ہے، تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

---

(۱) بخاري: باب قتل حمزة بن عبد المطلب، حديث: ٤٠٧٢

(۲) مسند احمد: مسند عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ، حديث: ٤١١٤

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: حمزة بن عبد المطلب: ۷/۳

نے اس جملہ کو سنا تو بنی عبد الاشہل کی عورتوں کو لے کر آئے، چنانچہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر لا چھوڑا تو انہوں نے حضرت حمزہ پر رویا ” لكن حمزة لا بواكي له، فسمع ذلك سعد بن معاذ فرجع لنساء بني عبد الأشهل فساقهن إلى باب رسول الله- صلى الله عليه وسلم- فبكين على حمزة “ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں اپنے اپنے گھروں پر روانہ کردو، آج کے بعد پھر کسی پر نہ روئیں۔ (۱)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان شہیدوں میں سے ہیں جنہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے راہِ خدا میں شہادت پانے والے پہلے شہید کی نمازِ جنازہ انہیں پر پڑھی ہے، آپ ﷺ نے سب سے پہلے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور علاحدہ پڑھائی، کسی اور شہید کا جنازہ ساتھ نہ تھا، پھر ایک ایک کر کے تمام شہدائے احد کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور ہر جنازہ کے ساتھ اپنے چچا کے جنازہ کو آپ ﷺ نے شامل رکھا، اس طرح شہداءِ احد کی نمازِ جنازہ اجتماعی طور پر نہیں پڑھی گئی ” وكان حمزة أول من صلى رسول الله عليه ذلك اليوم من الشهداء وكبر عليه أربعا، ثم جمع إليه الشهداء، فكلما أتي بشهيد وضع إلى جنب حمزة فصلى عليه وعلى الشهيد، حتى صلى عليه سبعين مرة “ (۲)

گویا رسول اللہ ﷺ نے تمام جنازوں پر چار دفعہ تکبیر کہی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر ستر دفعہ تکبیر کہی ” ان النبي صلى الله عليه وسلم إذا كبر على جنازة كبر عليها أربعا، وأنه كبر على حمزة سبعين تكبيرة “ (۳)

☆ حضور ﷺ کے ایک محبوب چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، ان سے آپ نے بڑی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے بدر کے دن یہ عام اعلان فرمایا کہ: کہ کسی کا بھی اگر حضرت عباسؓ سے سامنا ہو تو انہیں قتل نہ کرو؛ اس لئے کہ وہ تو قریش کے

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد : حمزة ابن عبد المطلب : ٧/٣

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد : حمزة بن عبد المطلب : ٧/٣

(۳) اسد الغابة : حمزة بن عبد المطلب : ٦٧/٢

زور وزبردستی کی بنا پر بادل نخواستہ نکلے ہیں " وکان ممن خرج مع المشرکین إلی بدر مکرھا "(۱)

حضرت عباسؓ نے ایک دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ہشاش بشاش ہوتے ہیں، اور جب ہم سے ملتے ہیں تو وہ بشاشت نہیں ہوتی؟ بلکہ ہم پر برہم ہوتے ہیں، آپ ﷺ یہ سن کر غضبناک ہوگئے، اور فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جو تم سے محبت نہ کرے گا، اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے " أیھا الناس، من آذی عمی فقد آذانی، فإنما عم الرجل صنو أبیه " (۲)

حضور اکرم ﷺ اپنے چچا کی پریشانی اور درد وکسک کو دیکھ کر تڑپ اٹھے، جب جنگ بدر کے موقع سے کفار کے ستر لوگ قید کئے گئے تو اس موقع سے جنگی قیدیوں کو باندھے رکھنے کیلئے ان کی مشکیں زور سے کسی گئیں، ان میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی شامل تھے، مشکیں زور سے کسنے کی وجہ سے درد سے حضرت عباسؓ کے کسک اور درد کی آوازیں آرہی تھیں، آپ ﷺ کو جب ان کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں تو آپ ﷺ کی نیند اچاٹ ہوگئی، اور آپ ﷺ بے چینی میں کروٹیں بدلنے لگے، صحابہ کرام کو اس کا علم ہوا تو حضرت عباس کی مشک کھول دی اس کے بعد آپ نے تمام قیدیوں کی مشکیں کھولنے کا حکم دیا " وأسر یومئذ فیمن أسر، وکان قد شد وثاقه، فسھر النبی ﷺ تلك اللیلة ولم ینم" (۳)

رسول اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت فرماتے، ان سے خصوصی تعلق کا اظہار فرماتے، اور ان کی بڑی تعریف فرماتے کہ یہ تو بڑی صلہ رحمی کرنے والے اور میرے آباء واجداد کے چشم وچراغ ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تعلق سے فرمایا: خدا نے مجھے خلیل بنایا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا تھا، میری اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی منزل جنت میں آمنے سامنے ہوگی، اور حضرت

(۱-۳) اسد الغابة : عباس بن عبد المطلب: ۳/۱۶۳

عباس ؓ ہمارے درمیان دو دوستوں کے بیچ ایک مومن کی طرح ہوں گے "ان اللّٰہ اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراھیم خلیلا، ومنزلی ومنزل ابراھیم تجاھین فی الجنۃ، ومنزل العباس بن عبد المطلب بیننا مؤمن بین خلیلین" (۱)

حضرت ابن عباس ؓ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے گذارش کی کہ: یا رسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھلا دیجئے جس کا میں اہتمام کروں، انہوں نے دوبارہ یہی درخواست کی، آپ ﷺ نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا "علمنی شیئا ادعو بہ، فقال: یا عباس یا عم رسول اللہ، سل اللہ العافیۃ فی الدنیا والآخرۃ" (۲)

حضور ﷺ کو اپنے چچا کے بارے میں دنیا اور آخرت میں کہ ان کو چین وسکون حاصل ہو جائے اس کی فکر تھی۔

نبی کریم ﷺ حضرت عباس ؓ کا ایسا احترام فرماتے جیسے لڑکا اپنے باپ کا احترام کرتا ہے، اسی کو روایت میں فرمایا: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یجل العباس إجلال الولد والدہ خاصۃ خص اللہ العباس بھا من بین الناس" (۳)

آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس ؓ کیلئے دعائیں بھی دی ہیں، حضور ﷺ نے ایک دفعہ ان سے فرمایا کہ کل صبح آپ اپنے فرزند کے ساتھ تشریف لائیے، میں آپ لوگوں کو ایسی دعا دوں گا جو آپ کیلئے نفع بخش ہوگی، اگلے دن صبح کے وقت میں اپنے بیٹے کے ہمراہ آپ کی خدمت میں پہنچا، حضور ﷺ نے ہمیں ایک چادر اڑھائی اور دعا فرمائی: اے اللہ! عباس اور ان کے فرزند کی مغفرت فرما، ظاہر و باطن ہر دو اعتبار سے کہ جس کو کوئی گناہ نہ چھوے، اے اللہ! ان کے فرزند کے بارے میں ان کی حفاظت فرما "اللّٰھم اغفر للعباس وولدہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لا تغادر ذنبا اللّٰھم حفظہ فی ولدہ" (۴)

(۱-۲) اسد الغابۃ: عباس بن عبد المطلب: ۱۶۳/۳

(۳) المستدرک: ذکر مناقب عباس بن عبد المطلب، حدیث: ۵٤۱۰

(۴) ترمذی: باب مناقب العباس بن عبد المطلب، حدیث: ۳۷٦۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

☆ حضور ﷺ کے ایک مہربان اور مشفق چچا حضرت ابو طالب کی آپ ﷺ پر بڑی عنایات اور توجہات رہی ہیں، انہوں نے اپنے اس برادر زادہ کو مثل اپنی اولاد کے پالا پوسا، اور قریش کی ایذاء رسانیوں کے مقابلے میں آپ ﷺ کے سینہ سپر رہے، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اپنے چچا کے ساتھ اسی محبت وعقیدت اور تعلق خاطر کا اظہار فرمایا۔

جب حضرت ابو طالب کا وفات کا وقت آیا تو آپ کو ان کے ایمان کی بے انتہا فکر لاحق ہوئی، حضرت سعید بن مسیّب کی روایت میں ہے کہ: جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ مسلسل کلمہ کی تلقین کرتے رہے، پاس ہی ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ بھی بیٹھے ہوئے عار دلا رہے تھے کہ اخیر وقت میں موت کے ڈر سے عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ دیں گے؟ بالآخر ابو طالب نے یہی کہا کہ: میں عبد المطلب کی ملت پر ہوں، اس کے بعد وفات ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی جانب سے جب تک ممانعت نہ آجائے میں آپ کے حق میں دعائے مغفرت کرتا رہوں گا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ موت کے وقت آپ نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی تو ابو طالب نے کہا: اے محمد! مجھے قریش کی جانب سے عار کا اندیشہ ہے، ورنہ تم جو میرے سلسلہ میں فکرمندی وخیر خواہی کر رہے ہو اس کے شکریہ میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا "وأقررت عينك بها، لما أرى من شكرك ووجدك بي ونصيحتك لي"(۱)

اپنے چچا کی وفات کی خبر سن کر آپ ﷺ رو پڑے، حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے والد ابو طالب کی موت کی خبر دی تو آپ سن کر رو پڑے، پھر مجھ سے فرمایا کہ جاؤ، انہیں غسل دو، کفن پہناؤ، پھر یہ دعا فرمائی کہ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحم فرمائے، وہ کہتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے جیسا فرمایا میں نے ویسا ہی کیا، آپ نے چند دنوں تک ان کے حق میں دعائے مغفرت بھی فرمائی، اور آیت ممانعت (کفار ومشرکین کے حق میں دعاءِ مغفرت کی ممانعت) کے نزول تک گھر میں ہی بند رہے،

---

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد: ۱۲۳/۱، دار صادر، بیروت

باہر نہ نکلے ”وجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم، يستغفر له أياما، ولا يخرج من بيته حتى نزل عليه جبريل عليه السلام، بهذه الآية: ماكان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولوكانوا اولي قربى“ (۱)

آپ ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ تعلق اور خاطر کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو طالب کی اہلیہ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: چچا ابو طالب کے بعد چچی سے زیادہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کرنے والا نہ تھا، جب ان کی قبر تیار ہوئی تو اس میں خود اترے اور اپنے دستِ مبارک سے لحد بنائی، اپنے ہاتھ سے مٹی نکالی اور پہلے قبر میں خود لیٹ گئے، پھر قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر فرمایا: ”جزاك الله من ام ربيبة خيرًا فنعم الام ونعم الربيبة“ اے ماں! اور اے پرورش کرنے والی! خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم کتنی اچھی ماں اور کتنی اچھی پرورش کرنے والی تھی۔ (۲)

☆ آنحضرت ﷺ کی ایک چہیتی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب بھی ہیں، تمام پھوپھیوں میں، ان کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، مشہور صحابیِ رسول حضرت سیدنا زبیر بن عوام ؓ جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں، ان ہی کے فرزند ہیں انہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر صبر و تسلی کی تلقین فرمائی، جبکہ ان کے برادر عزیز عمِ رسول حضرت سیدنا حمزہ ؓ کی شہادت کا اندوہناک حادثہ پیش آیا، وہ بھائی کی نعش کا دیدار کرنا چاہتی تھیں، آپ ﷺ نے حضرت زبیر ؓ سے کہا: اپنی ماں کو یہاں سے لے جاؤ، وہ اپنے بھائی کی نعش کو دیکھ کر تاب نہ لاسکیں گی، حضرت زبیر ؓ نے حضور ﷺ کی بات سنائی تو کہا کہ: یہ سب راہِ خدا میں ہوا ہے، میں اس پر صبر کرلوں گی، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، آکر اپنے بھائی کی نعش کا دیدار کیا اور استرجاع کیا (انا لله وانا اليه

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱/۱۲۳، دار صادر، بيروت

(۲) تاريخ المدينة النبوية: ۱/۸۰، دار الفكر بيروت

راجعون پڑھا) اور استغفار کیا ”فأتته فنظرت إليه واسترجعت ، واستغفرت له ثم أمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فدفن“ (۱)

☆ حضور ﷺ کی ایک پھوپھی حضرت امیمہ بھی ہیں، آپ نے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا، فتح خیبر کے موقع سے اموال غنیمت میں چالیس وسق کھجور بطورِ غلہ کے عنایت فرمایا ”وأطعم رسول الله ﷺ أميمة بنت عبد المطلب أربعين وسقا من تمر خيبر“(۲) جبکہ انہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

---

(۱) اسد الغابة : صفية بنت عبد المطلب ،: ۱۷۱/۷

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد : أميمه بنت عبد المطلب : ۳۷/۸

بھائی اور بہنوں کے حقوق

انسان کو دنیا میں جن رشتہ داریوں اور تعلقات سے وابستگی ہوتی ہے، ان رشتہ داریوں میں ایک نہایت قریبی رشتہ بھائی اور بہنوں کا ہوتا ہے، یہ بھائی حقیقی ہوتے ہیں تو یہ رشتہ نہایت ہی مستحکم ہوتا ہے اور اگر چچیرے، خلیرے بھائی وغیرہ ہوتے ہیں تو ان سے بھی قربت اور تعلق ہوتا ہے، دیگر رشتہ داروں کی اور ان برادرانہ تعلقات کے بھی کچھ حقوق ہیں، ان کا پاس ولحاظ بھی آپسی معاشرت میں ضروری ہوتا ہے، اگر چھوٹے ہیں تو ان کے ساتھ شفقت، مہربانی کا سلوک کرنا ہے اور اگر بڑے ہیں تو عظمت واحترام کا معاملہ کرنا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کے نشیب وفراز اور اونچ نیچ میں ساتھ دینا ہے، ہمدردی، خیر خواہی، خوشی وغم میں شرکت، ایک دوسرے کے مسائل میں دلچسپی کا اظہار اور ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک اور ایک دوسرے کے کام آنے وغیرہ جیسے امور شامل ہیں، حضور اکرم ﷺ کا اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ احسان وسلوک ہمارے لئے اس معاملہ میں نمونہ اور مشعل راہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے بھا چچازادیوں کا کس طرح خیال رکھتے اور ان پر کس طرح اعتماد کرتے، ان کے مسائل ومشکلات کے حل کیلئے کس طرح کوشاں اور سرگرداں ہوتے۔

☆ آپ ﷺ کے ایک چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار ؓ تھے، حضور ﷺ کو ان سے کئی طرح کی خاندانی نسبتیں حاصل تھیں، ایک اپنے چہیتے چچا کے فرزند تھے اور دوسرے اپنے داماد حضرت علی ؓ کے بھائی تھے، اور یہ ابتدائی اسلام لانے والوں میں سرِ فہرست ہیں جب حضرات صحابہ ؓ نے حضور ﷺ کی اجازت سے مکہ کی جانب ہجرت فرمائی تھی تو مکہ کے لوگوں نے حبشہ پہنچ کر شاہِ حبش سے ان کے تعلق سے غلط اطلاعات دے کر ان کو شاہ حبش سے بدظن کرنا چاہا تھا، تو اس موقع پر انھیں جعفر طیار ؓ نے اسلام کی بہترین

ترجمانی کی تھی، یہ فتح خیبر تک حبشہ ہی میں مقیم رہے، فتح خیبر کے بعد جب یہ مدینہ تشریف لائے تو حضور ﷺ نے ان کا والہانہ استقبال کیا تھا، معانقہ کیا، پیشانی کا بوسہ دیا، ازراہِ محبت فرمایا کہ: میں اندازہ نہیں کر پارہا ہوں کہ مجھے ان کی آمد کی خوشی زیادہ ہے یا فتح خیبر کی؟ ”ما أدری أنا بقدوم جعفر أسر أم بفتح خیبر“ (۱)

☆ آپ ﷺ نے بھائیوں کے غم اور ان کے دکھ و درد میں شرکت اور ان کے غم کو غلط کرنے کیلئے ان کیلئے تسلی آمیز کلمات بھی کہے ہیں: حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے، ان کے بچوں کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا اظہار فرمایا، آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے، وہاں سے لوٹ کر اپنے گھر والوں سے جا کر کہا: جعفر کے گھر والوں کا خیال رکھو، کیوں کہ وہ غم میں ہیں، ”لا تغفلوا آل جعفر فإنهم قد شغلوا“ حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر غم کے آثار نمایاں تھے ”لما أتی وفاة جعفر عرفنا فی وجه رسول الله ﷺ الحزن“ (۲)

☆ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کی وفات پر ان کی بہن حمنہ بنت جحش کو تسلی دی تھی، اسی طرح ان کے ماموں اور آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر تسلی آمیز کلمات کہے اور ان کیلئے انا للہ پڑھی اور دونوں کیلئے دعائے مغفرت فرمائی ”یا حمنة احتسبی أخاك عبد الله بن جحش، قالت: إنا لله وإنا إليه راجعون، رحمه الله وغفر له، ثم قال: يا حمنة احتسبي خالك حمزة بن عبد المطلب، قالت: انا لله وانا اليه راجعون رحمه الله وغفر له“ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب مناقب جعفر بن أبی طالب، حدیث: ۱۵۴۸۸، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے تینوں معجم میں نقل کیا ہے اور کبیر کے رجال میں انس بن اسلم ہیں جن کو میں نہیں جانتا، اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) اسد الغابة: جعفر بن أبی طالب: ۳۴۳/۱

(۳) طبقات ابن سعد: حمنة بنت جحش: ۱۹۱/۸

☆ حضور اکرم ﷺ کے ایک چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو کثیر العیال تھے، ان کے تمام ہی فرزندوں سے حضور اکرم ﷺ کو بہت پیار تھا، ان کے ایک فرزند "قثم" تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو مکہ کا حاکم بنایا تھا، یہ اپنے لڑکپن میں اپنے چچازاد بھائی عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی سواری وہاں سے گذری تو آپ ﷺ نے ان سب کو سوار کرلیا، عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مجھے حضور ﷺ نے اپنے سامنے بٹھایا، اور قثم کو پیچھے بٹھانے کیلئے کہا، اور قثم کیلئے دعا دی "احملوا الی هذا، فوضعنی بين يديه ثم قال: احملوا الی هذا، فوضع قثم خلفه" (۱)

☆ نبی کریم ﷺ کا اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ شفقت کے برتاؤ کے اس واقعہ کو دیکھئے، عبد اللہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکوں عبد اللہؓ، عبید اللہؓ اور دیگر بچوں کی صف بندی دوڑ کے لئے فرماتے پھر فرمایا: جو سب سے پہلے مجھ سے آکر ملے گا تو میں اس کو یہ دوں گا، تو وہ دوڑ کر حضور ﷺ کے پاس آتے، اور آپ کی پیٹھ اور سینے پر گرتے، آپ ان کا بوسہ لیتے اور ان کو سینہ سے لگا لیتے" "من سبق لی فله كذا، فيستبقون إليه، فيقعون على ظهره وصدره، فيقبلهم ويلزمهم" (۲)

☆ حضور ﷺ کے چچازاد بھائیوں میں مشہور صحابی حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں ہجرت کے تین سال قبل شعبِ ابی طالب میں پیدائش ہوئی، پیدائش کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر دعا فرمائی، والد کے حکم سے دربارِ نبوی میں کثرت سے حاضری ہوتی تھی، جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی گیارہ برس کی عمر تھی، ایک دفعہ انہیں بلا کر حضور ﷺ نے گود میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعا بھی دی کہ:

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد، متمم، قثم بن العباس: ٢١٨/١

(۲) اسد الغابة: عبيد الله بن العباس، حديث: ٣٤٧٠: ٥١٩/٣

اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور اس کے ذریعہ علم کی روشنی پھیلا " اللّٰھم بارك علیه، اللّٰھم اجعل منه کثیرا طیبا " (۱)

اور ایک موقع سے فرمایا: اے اللہ! اس بچہ کو حکمت اور تفسیر کا علم عطا فرما "اللّٰھم فقهه فی الدین وعلمه التأویل" (۲)

یہ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے خوب دعائیں لی ہیں، ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہاں رات میں قیام کیا، جبکہ حضور ﷺ کی شب گذاری کی باری تھی، آپ ﷺ جب نماز کیلئے بیدار ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کیلئے وضو کا پانی رکھ دیا تھا، حضرت میمونہؓ جو حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا: ابن عباسؓ نے آپ کے وضو کیلئے یہ پانی رکھا ہے، تو آپ ﷺ نے ان کو دعا دی: "اے اللہ! اس بچے کو دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما "اللّٰھم فقهه فی الدین وعلمه التأویل" (۳)

حضور ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی کو تعلیم دی اور ان کو علم سے آراستہ کیا چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! میں تمہیں چند کلمات سکھلاتا ہوں، تم اللہ کی (اس کے احکام کی) حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کی حفاظت کرو تو تم اس کو (ہر وقت) اپنے روبرو پاؤ گے اور یہ بات تمہارے علم میں ہونی چاہئے کہ پوری امت بھی مل کر کوئی فائدہ پہنچانا چاہے اور اللہ ہی نہ چاہیں تو تمہارے مقدر میں جتنا لکھا گیا ہے اس سے کچھ بھی بڑھ کر تمہیں فائدہ نہ ہوگا، اور یہ بات بھی تمہارے علم میں رہے کہ پوری امت مل کر تمہیں کسی نقصان سے دوچار کرنا چاہے اور اللہ تعالیٰ ہی نہ چاہے تو پھر تمہارے مقسوم کے کچھ نقصان نہ ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اٹل فیصلہ ہے) قلم تقدیر اٹھا لئے گئے

(۱-۲) کنز العمال: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنه، حدیث: ۳۷۱۹۳

(۳) مسند احمد: مسند عبد اللہ بن عباس، حدیث: ۳۱۰۲

اور صحیفے خشک ہو چکے" یا غلام، إني أعلمك كلمات: احفظ الله يحفظ، احفظ الله تجده تجاه " (۱)

☆ آپ ﷺ کے ایک چچازاد بھائی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کو حضور ﷺ نے بچپن ہی سے اپنی پرورش میں رکھا تھا، یہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ یہ احسان فرمایا کہ اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے فرمایا اپنی دامادی کے شرف سے ان کو نوازا، دو دفعہ ان کے ساتھ رشتۂ مواخاۃ قائم فرمایا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہجرت کا مشقت آمیز سفر کر کے مدینہ پہنچے اور حضور اکرم ﷺ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلایا، لوگوں نے بتایا کہ وہ چلنے کے قابل نہیں ہیں، تو آپ ﷺ بنفسِ نفیس ان کے یہاں تشریف لے گئے، دیکھا کہ پیروں پر ورم آ گیا ہے اور دونوں پیر زخم خوردہ ہیں اور خون بہہ رہا ہے، انہیں دیکھ کر سینہ سے چمٹا لیا اور رو پڑے اور رحمت وشفقت کا معاملہ کیا، پھر اپنے دست مبارک سے لعاب دہن نکال کر پیروں پر لگایا اور ان کیلئے عافیت کی دعا کی، جس کے نتیجے میں بوقتِ شہادت ان کے پیروں میں کسی قسم کے درد کی شکایت نہیں ہوئی " فلما رآه اعتنقه وبكى، رحمة لما بقدميه من الورم، وكانتا تقطران دما، فتفل النبي ﷺ في يديه، ومسح بهما رجليه، ودعا له بالعافية " (۲)

☆ اور ایک موقع سے جب نبی کریم ﷺ نے ان کو بحیثیتِ قاضی یمن کی جانب روانہ کیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: آپ مجھے یمن بھیج رہے ہیں، اگر لوگ مجھ سے قضا کے متعلق سوال کریں تو میں کیا کروں؟ مجھے تو اس کا علم نہیں ہے، آپ ﷺ نے انہیں اپنے سے قریب کیا، پھر سینہ پر ہاتھ مارا اور یہ دعا دی کہ "اے اللہ! اس کی زبان کو ثبات اور اس کے قلب کو راہِ راست عطا فرما، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس ذات کی قسم جس نے

---

(۱) اسد الغابة : عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ : ۱۸۹/۳

(۲) اسد الغابة : فضائل علي رضی اللہ عنہ : ۸۷/۴

دانہ کو پھاڑ کر غلہ نکالا، اس کے بعد دو آدمیوں کے بیچ فیصلہ کرنے میں مجھے کبھی تردد نہ ہوا، " اللّٰهم ثبت لسانه، واهد قلبه ، فلا والذى فلق الحب ، وبر النسمة ما شككت فى قضاء بين اثنين بعد " (۱)

اپنے چچازاد بھائیوں پر اعتماد بھی نہایت ضروری ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضور ﷺ کو جو اعتماد تھا اس حوالے سے یہ واقعات ملاحظہ کیجئے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے جس وقت آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی تھی تو انہیں یہ تاکید کی تھی کہ آپ ﷺ کے بستر مبارک پر سو جائیں اور آپ کے پاس رکھی گئی امانتیں وہ صاحبِ امانت کے حوالہ کر کے مدینہ طیبہ آ جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے اس اعتماد اور بھروسہ کو پورا کیا اور ساری امانتیں اس کے اہل کے حوالہ کر کے تین روز بعد مدینہ آ گئے "وأمره أن ينام علىٰ فراشه، وأجله ثلاثا، وأمره أن يؤدى إلى كل ذى حق حقه ففعل، ثم لحق برسول الله صلى الله عليه وسلم" (۲)

☆ غزوۂ تبوک کے موقع سے کسی گھریلو مجبوری کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے حکم سے رہ گئے تھے، لوگوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ ان کو اب صحبتِ نبوی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، یہ سن کر ان کو بڑا افسوس ہوا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ ان کے حوالے آپ ﷺ کے کامل اعتماد کا غماز ہے "تم میرے حق میں ایسے ہی ہو جیسے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حق میں سیدنا ہارون علیہ السلام تھے" أما ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبوة بعدى" (۳)

☆ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحیثیت بڑے بھائی اور پرورش کنندہ ہونے کے ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے سواری کی دعا اور اس کے آداب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سکھائے تھے، ایک دفعہ یہ سواری پر

(۱-۳) اسد الغابة : فضائله : ۸۷/۴

سوار ہوئے اور سواری کی دعا پڑھی اور ہنس پڑے، لوگوں نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ: حضور ﷺ کو میں نے ایک دفعہ سواری پر سوار ہوتے ہوئے ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔ (۱)

☆ آپ ﷺ کے ایک پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام ؓ تھے، بچپن ہی میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر، خندق، حدیبیہ، فتح مکہ، حنین، طائف جیسے بڑے بڑے غزوات میں شرکت کی۔ (۲)

انہیں زبیر بن العوام ؓ کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "ان لکل نبی حواریا وحواری الزبیر بن العوام " (۳)

☆ چچازاد بھائی بہنوں کے ساتھ حسن سلوک کا واقعہ بھی ہمدردی اور خیر خواہی اور صلہ رحمی کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت سیدہ عمارۃ ؓ آپ کی چچازاد بہن حضرت سید الشہداء حمزہ ؓ کی بیٹی تھی، والد کی شہادت کے بعد مکہ مکرمہ میں ننھیال میں رہنے لگیں تھی، حضور اکرم ﷺ جب ۷ھ میں عمرۃ القضاء سے فراغت کے بعد مدینہ واپس ہو رہے تھے، تو آپ کو دیکھ کر پکارتی اور دوڑتی ہوئی آئیں، حضرت علی، جعفر اور زید بن حارثہ ؓ بھی وہیں کھڑے تھے، بچی کی پرورش کے سلسلہ میں اپنا دعوی پیش کیا، حضور ﷺ نے فیصلہ کرتے ہوئے حضرت جعفر ؓ کی پرورش میں دے دیا، کیوں کہ ان کی بیوی حضرت اسماء ؓ اس بچی کی خالہ تھیں، اور خالہ کے متعلق آپ ﷺ ہی کی حدیث شریف میں ہے، " الخالة بمنزلة الأم " (۴)

☆ آپ ﷺ کے ایک پھوپھی زاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عبد الاسد ہیں، جو ابو سلمہ کی کنیت سے مشہور ہیں، ان کی والدہ برّہ آپ ﷺ کی پھوپھی ہیں، ان کے ساتھ آپ ﷺ کا رضاعت کا رشتہ بھی تھا، ابتداءِ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا گیارہواں نمبر تھا، ان کے ساتھ

---

(۱) کامل ابن عدی : ۱۲۱/۵

(۲) اسد الغابة : الزبير بن العوام : ۱ / ۳۷۷

(۳) اسد الغابة: الزبير بن العوام : ۲ / ۳۰۷

(۴) السيرة النبوية لابن كثير: ذكر خروجه عليه السلام من مكة : ۳ / ٤٤٢، دار المعرفة للطباعة والنشر

حضور ﷺ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا واقعہ یہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد نہ صرف ان کی بیوہ (ام سلمہؓ) سے نکاح فرمایا، بلکہ ان کی اولاد عمر، سلمہ، زینب اور درہ کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ (۱)

☆ ابولہب جو نہ صرف دشمن خدا تھا، بلکہ دشمن نبی ﷺ بھی تھا، اس نے حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس کی اولاد نے جب اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے چچازاد بھائی ہونے کے ناتے ان کے ساتھ جو خیر خواہی اور حسن سلوک کیا وہ بھی ملاحظہ کیجئے: درّہ بنت ابی لہب اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ پہنچی تو کچھ عورتوں نے ان سے کہا: تم ابولہب کی بیٹی ہو جس کی بد دعا میں قرآن کی سورت تبت نازل ہوئی، اب تم کو ہجرت کر کے کیا فائدہ ہوگا، انہوں نے دربارِ رسالت میں پہنچ کر یہ شکایت کر دی، آپ ﷺ نے انہیں بٹھا کر پہلے تسلی دی، پھر نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے اور کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا کہ: میرے رشتہ داروں کو ستا کر مجھے تکلیف نہ دو، بخدا میرے رشتہ داروں کو ضرور میری شفاعت حاصل ہوگی "أيها الناس، مالي أوذى في أهلي؟ فوالله ان شفاعتي لتنال بقرابتي حتى ان صداء وحكما وسلهما لتناولها يوم القيامة" (۲)

☆ ایسا ہی ایک واقعہ ابولہب کی دوسری بیٹی سبیعہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت پیش کی کہ لوگ چیخ چیخ کر مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ جہنم رسید ابولہب کی بیٹی آئی ہے، آپ ﷺ نے سن کر غصہ میں بھر آئے اور فرمایا کہ: لوگوں کو کیا ہوا کہ مجھے اپنے رشتہ داروں کے سلسلہ میں تکلیف پہنچاتے ہیں، سن لو کہ جس نے میرے رشتہ داروں کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ کو تکلیف دی "ما بال الأقوام يؤذونني في نسبي وذوي رحمي، لا ومن اذى نسبي وذوي رحمي فقد اذاني، ومن اذاني فقد اذى الله عزوجل" (۳)

---

(۱) اسد الغابة: عبد الله بن عبد الاسد: ۲۹۵/۳

(۲) اسد الغابة: درة بنت أبي لهب: ۱۰۳/۷

(۳) اسد الغابة: سبيعة بنت أبي لهب: ۱۳۹/۷

☆ رسول اکرم ﷺ کے چچا ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے وقت ڈر کر بھاگ گئے تھے، آپ ﷺ نے ان کے متعلق دریافت فرمایا کہ: وہ دونوں کہاں ہیں؟ بتلایا گیا کہ قتل کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں میرے سامنے لاؤ، حضرت سیدنا عباس ؓ نے مقام عرفہ سے پکڑ کر حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ ﷺ نے پہلے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا، ان لوگوں نے قبول کرلیا، پھر ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ملتزم کے پاس لے آئے، دیر تک دعا فرمائی اور ہنستے ہوئے واپس آئے، حضرت عباس ؓ نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو فرمایا: میں نے انہیں اللہ سے مانگا کہ تو ان کو مجھے ہبہ کردے تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور مجھے عطا کئے گئے " نعم انی استوهبت ابنی عمی هذین ربی فوهبهما لی "(۱)

☆ حضرت سیدنا زبیر ؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے یہ خبر پھیلادی کہ آپ ﷺ کو کفار نے گرفتار کرلیا ہے، ان تک یہ خبر پہنچی تو ننگی تلوار لے کر مجمع کو چیرتے ہوئے نکلے، حضور ﷺ سے ان کی ملاقات مکہ کے اعالی میں ملاقات ہوئی تو راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی اور فرمایا: زبیر یہ ننگی تلوار کیسی ہے؟ تو فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ کسی نے آپ کو گرفتار کرلیا ہے، اس ارادہ سے نکلا تھا کہ اگر خبر درست ہو تو تلوار سے اس کی خبر لوں، آپ ﷺ ان سے خوش ہوئے، اور انہیں دعای دی " أخذ رسول الله فخرج الزبير يشق الناس بسيفه ورسول الله بأعلى مكة قال: فلقي النبي صلى الله عليه وسلم فقال: مالك يا زبير؟ قال: أخبرت أنك أخذت؟ قال: فصلى عليه ودعا له ولسيفه" (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد : ٤/٤٤، دار الكتب العلمية ، بيروت

(۲) مصنف ابن أبي شيبه : ماذكر في فضل الجهاد والحث عليه ،حديث : ١٩٥٢٠

سسرالی رشتہ داروں کے حقوق

انسانی زندگی میں نکاح وہ بابرکت تقریب ہے جس سے خاندان کے اَساسی ارکان مرد وعورت کے سسرال کا رشتہ ظہور میں آتا ہے۔

ویسے تو عمومی رشتہ کا حق ادا کرنا ہے "وَاٰتِ ذَا لْقُرْبٰی حَقَّهٗ" (۱)

لیکن سسرالی رشتہ کے بھی کچھ حقوق ہیں اور اس سسرالی رشتہ کو مقامِ امتنان میں ذکر کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا، فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا" (۲) اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا، پھر اس کو نسب والا اور سسرال والا بنایا اور تیرا رب بڑی قدرت والا ہے۔

مرد وعورت پر سسرال کے حقوق کی ادائیگی اس طرح یکساں فرض ہے جس طرح ان دونوں کی اپنی ذات کے حقوق ایک دوسرے پر یکساں فرض ہیں، اور ان کے ایک دوسرے کے اقرباء سے حسن سلوک ہی میں ان دونوں کی کامیاب زندگی کا راز پنہاں ہے۔

سسرالی اور رحم کے رشتوں کی پاس داری اور خیال انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس کا اندازہ ان احادیث سے ہوتا ہے "تم لوگ عنقریب ایک ملک (مصر) فتح کروگے جہاں قیراط کا رواج ہوگا وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا؛ کیونکہ ان کا تم پر حق اور ان سے تمہارا دامادی کا رشتہ بھی ہے اور رحم کا بھی" فانّ لكم ذمّة ورحمًا" (۳)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہؓ دونوں کا تعلق مصر سے تھا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا

---

(۱) بنو اسرائیل : ۲٦

(۲) سورة الفرقان : ٥٤

(۳) مسلم : باب وصية النبى ، حديث : ۱۹۷۰

پاس رکھا، جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر فتح کرنے گئے تو لڑائی رکی رہی، اور ان کے نمائندہ پادریوں سے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ لوگوں سے بھلائی کریں؛ کیونکہ آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا رحم کا تعلق ہے، پادریوں نے سنا تو بول اٹھے: سوائے انبیاء علیہم السلام کے اس جیسی دور کی رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہیں کرتا " قرابة بعيدة لا يصلُ مثلها الا الأنبياء"(۱)

☆ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غزوۂ بنو مصطلق میں قید ہو کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے زرِ کتابت مانگنے آئیں، آپ ﷺ نے ان کا زرِ کتابت ادا کر کے ان سے نکاح فرمالیا، جیسے ہی نکاح کا علم ہوا، رسول اللہ ﷺ سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے قبیلہ کے جتنے قیدی تھے سب کو رہا کر دیا، اور کہا کہ: جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا، وہ غلام نہیں بن سکتا، یعنی ان سے رشتہ داری کے بعد انہیں قیدی رکھنا حق قرابت کے خلاف ہے، اس واقعہ کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کیلئے جویریہؓ سے بڑھ کر برکت والی ہو، ان کی وجہ سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے تھے "أُعتق في سببها مائة أهل بيت من بني مصطلق"(۲)

☆ ایک بار نبی کریم ﷺ نے دروازے پر کسی عورت کی آواز سنی جو اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی، آپ ﷺ نے بڑے اشتیاق سے فرمایا: "اللّٰهمّ هالة، اللّٰهم هالة" یا اللہ یہ ہالہ ہیں۔ ہالہ یہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں اور شکل وصورت اور آواز میں ان سے مشابہ تھیں۔ (۳)

☆ رشتہ دار تو ایک طرف رہے، ہمارے رسول ﷺ اپنی بیویوں کی سہیلیوں کی آمد پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار حسانہ مزنیہ آپ ﷺ کے یہاں آئیں، آپ ﷺ

---

(۱) تاریخ الطبری: تاریخ الرسل، ذکر الخبر عن فتحها: ۱۰۷/۴، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر، بیروت

(۲) ابوداود: باب في بيع المكاتب اذا فسخت الكتابة، حديث: ۳۹۳۱

(۳) بخاری: باب تزويج النبي ﷺ، حديث: ۳۶۱۰

کافی دیر تک ان سے باتیں کرتے اور ان کے حالات دریافت کرتے رہے، یہ بھی پوچھا کہ: ہمارے بعد آپ لوگوں کا کیا حال رہا، جب وہ چلی گئیں تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یہ کون تھیں جس کی جانب آپ اس قدر توجہ فرما رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خدیجہ کی سہیلی تھیں، تعلقات کو نبھانا بھی ایمان ہے "انّ حسن العهد من الایمان" (۱)

☆ ایک مرتبہ ام المؤمنین ام حبیبہؓ سے ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے کیلئے تشریف لائے، ان دونوں بہن، بھائیوں کا آپس میں بہت پیار تھا، یہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ام حبیبہؓ سے فرمایا: کیا تمہیں معاویہؓ سے محبت ہے، عرض کیا: جی ہاں، بہت محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو مجھے بھی ان سے پیار ہے "فانی احب معاویة وأحبّ من یحبّه" (۲)

☆ آپ ﷺ امہات المؤمنینؓ کے بہن بھائیوں کی نیک عادات کا تذکرہ فرماتے جسے سن کر بیوی کا دل یقیناً مسرت اور خوشی سے لبریز ہو جاتا، چنانچہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے بھائی عبداللہ بن عمرؓ کا ایک خواب سن کر فرمایا: "أری عبد اللّٰه رجلًا صالحا" (۳) عبداللہ صالح نوجوان ہے۔

☆ آپ ﷺ نے امہات المؤمنینؓ کے بہن بھائیوں کی آمد پر بالکل روک ٹوک نہیں کی، جب جی چاہتا وہ اپنی بہنوں سے ملاقات کیلئے آجاتے، یہ بھی بیوی سے حسن سلوک اور سسرالی رشتہ کے حقوق کا حصہ ہے، اسماء بنت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے پاس اکثر آتی رہتی تھیں، آپ ﷺ نے کئی بار انہیں کچھ ہدایات فرمائیں، ایک بار فرمایا: "گن گن کر خرچ نہ کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا" "ولا تُحصی فیحصی اللّٰه علیك" (۴)

---

(۱) المستدرك: کتاب الایمان: حدیث: ٤٠، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور علامہ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) تاریخ دمشق، معاویه بن صخر: ٨٩/٥٩، دار الفکر، بیروت

(۳) مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل عبد اللّٰه، حدیث: ٦٥٢٤

(۴) مسلم: باب الحث علی الانفاق وکراهية الانفاق، حدیث: ١٠٢٩

☆ آپ ﷺ امہات المؤمنینؓ کے بھائیوں پر شفقت فرماتے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا گٹھلیاں اٹھائے گھر کی طرف آ رہی تھیں، اثنائے راہ آپ ﷺ کو چند صحابہ ہمراہ ملے، آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور ان سے کہا کہ: سوار ہو جاؤ۔ (۱)

☆ حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی ماں کی جانب سے بہن تھیں، نبی کریم ﷺ اپنے اکثر گھریلو معاملات میں ان سے رائے لیتے اور ان پر اعتماد فرماتے، چنانچہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے غسل اور تکفین کا انتظام انہوں نے ہی کیا تھا، حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کے وقت بھی ان کے ساتھ گئیں تھیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کی بیماری کے آخری ایام میں انہوں نے ایک دوا لاکر پلائی، اس وقت آپ ﷺ پر بیہوشی طاری تھی، جب ہوش آیا تو پتہ چلا کہ حضرت اسماءؓ نے دوا تجویز کی تھی اور دیگر تمام اہل خانہ کی رضامندی سے پلائی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جو لوگ مجھے دوا پلانے میں شامل تھے، ان سب کو دوا پلائی جائے۔

☆ حضرت عرباض بن ساریہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دیتے ہوئے سنا ہے ”اللّٰھمّ علّم معاویة الکتاب والحساب ووقه العذاب“ (۲)

☆ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومانؓ کے تعلق سے فرمایا تھا: ”من سرّہ أن ینظر الی امرأة من الحور العین فلینظر الی ام رومان“ (۳)

☆ ایک دفعہ حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ کی دلجوئی کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا، واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ کو کہہ دیا کہ ہم نے (مکہ سے مدینہ شریف) کی طرف ہجرت کرنے میں تم سے سبقت کی، پس ہم رسولِ خدا ﷺ

---

(۱) مسلم: کتاب الأدب، جواز ارداف المرأة الاجنبية اذا اعييت في الطريق، حديث: ٢١٨٢

(۲) الاستيعاب: واسم ابی سفيان صخر بن حرب: ٤٤/١

(۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ٢٧٧/٨

کے ساتھ تم سے زیادہ حقدار ہیں، یہ سن کر حضرت اسماءؓ غصہ میں آئیں، اور حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں: تو حضور ﷺ نے تسلی دلائی اور فرمایا کہ "له ولأصحابه هجرة واحدة ولكم أنتم أهل السفينة هجرتان" یعنی اس کے اور اس کے ساتھیوں کیلئے ایک ہجرت ہے، اور اے اہل سفینہ تمہارے لئے دو عدد ہجرتیں ہیں، تمہارے لئے دوگنا ثواب ہے۔ (۱)

حضور ﷺ بحیثیتِ داماد

آپ ﷺ نے گیارہ نکاح فرمائے ہیں، اور ان تمام سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بحیثیتِ شریف داماد آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کا سلوک وبرتاؤ نہایت شریفانہ رہا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا (آپ ﷺ کی خوش دامن صاحبہ) کے بارے میں آپ ﷺ نے توصیفی کلمات ارشاد فرمائے: "اگر کوئی دنیا کے اندر حور جیسی عورت کو دیکھ کر خوش ہونا چاہے تو ام رومان کو دیکھو" "من سرّه أن ينظر الى امرأة من الحور العين فلينظر الى ام رومان" (۲)

ان کی وفات ذوالحجہ ۶ھ میں ہوئی تو آپ ﷺ خود بنفسِ نفیس قبر میں اترے اور یہ بھی دعا فرمائی کہ: اے اللہ! ام رومانؓ تیری راہ میں اور تیرے رسول ﷺ کی خاطر کیا کیا مصیبتیں جھیلی ہیں تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں" اللّٰهم لم يخف عليك ما لقيت ام رومان فيك" (۳)

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے تو اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی درخواست پر ان کے حق میں آپ ﷺ نے صحت کی دعا فرمائی۔ (۴)

---

(۱) مسلم: باب فضائل جعفر واسماء بنت عميس، حديث: ۲۵۰۳

(۲) طبقات ابن سعد: ۲۷۷/۸، دار صادر بيروت

(۳) معرفة الصحابة: ۲۰۷، دار الجيل، بيروت

(۴) السيرة النبوية لابن كثير: ۳۱۵/۲

آپ ﷺ کے ایک خسر امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ بھی ہیں، آپ ﷺ کا سلوک ان کے ساتھ بھی نہایت شریفانہ تھا۔

جب ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر ؓ کی تمنا تھی کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ یا حضرت عثمان غنی ؓ سے ان کی شادی کردیں، مگر ان دونوں نے بھی خاموشی اختیار کی تو یہ کبیدہ خاطر ہوگئے اور اس کا اظہار انہوں نے دربارِ رسالت میں بھی کردیا، آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ: اس کی پرواہ نہ کرو، میں عثمان کیلئے تمہاری بیٹی سے بہتر بیوی اور تمہاری بیٹی کیلئے عثمان سے بہتر شوہر کا انتظام کروں گا اور پھر آپ ﷺ نے حضرت عثمان ؓ سے اپنی دختر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خود کے نکاح میں لیا، اس طرح آپ ﷺ حضرت عمر ؓ کی بیوہ بیٹی سے شادی کرکے ان کے وقار میں اضافہ کے خواہشمند تھے۔ (۱)

اسلام سے دور خسر اور سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے اخلاق ورواداری میں کوئی فرق آنے نہیں دیا۔

چنانچہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں ایک حضرت ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بھی ہیں، غزوۂ بنی مصطلق میں مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں ۵ھ میں شروع ہوئیں، کفار کی طرف سے حارث بن ابی ضرار ہی قیادت کررہے تھے، ادھر مدینہ میں آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ تیاری کے ساتھ روانہ ہوئے، تب تک وہ منتشر ہوچکے تھے، بالآخر مسلمانوں کو کامیابی ہوئی، اور چھ ہزار لوگ گرفتار ہوئے، جن کو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم کردیا، ان کی بیٹی جویرہ صحابیٔ رسول حضرت ثابت بن قیس ؓ کے حصہ میں آئیں تو انہوں نے گذارش کی کہ مجھ سے بدلِ کتابت کرکے مجھے چھوڑ دو، اس رقم کے سلسلے میں گفتگو کرنے کیلئے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آئیں، بعض روایات میں اس واقعہ کا دوسرا رخ یہ ملتا ہے کہ ان کے والد جو سردارِ عرب تھے

---

(۱) اسد الغابة : حفصة بنت عمرؓ: ۱/ ۱۳۳۱

کہا: میری بیٹی کو کنیز بنا کر رکھنے میں میری رسوائی ہے، لہٰذا اسے آزاد کر دیا جائے، آپ ﷺ نے اس معاملہ کو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا پر چھوڑ دیا، انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت وخدمت کو پسند کیا، آپ ﷺ نے ان سے نکاح فرمالیا۔ (۱)

آپ ﷺ کے ایک خوش نصیب خسر ابوسفیانؓ بھی تھے، جو اگرچہ فتح مکہ کے موقعہ پر ۸ھ کو مسلمان ہوئے، مگر ان کی دختر رملہ بنت ابوسفیان کنیت اُم حبیبہ اس سے بہت قبل ہی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں، اور ہجرتِ حبشہ کے موقع پر وہیں قیام کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آکر اُم المؤمنین کے دائمی شرف واعزاز سے فیضیاب ہو چکی تھیں، ان کے والد (آپ ﷺ کے خسر) اگرچہ بعد میں مسلمان ہوئے، مگر بعید از اسلام ہونے کے زمانے میں بھی آپ ﷺ کا ان کے ساتھ برتاؤ اخلاق ورواداری، اپنائیت اور دلجوئی کا رہا ہے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے، مکہ کے ایک میل کے فاصلہ پر مقام الظہران میں پڑاؤ ڈالا، ادھر قریش کو اطلاع ہوئی تو تحقیقِ احوال کیلئے ابوسفیان کو بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو فرمایا: کفر کے وجود کو مٹانے کا وقت آگیا، ویسے بھی آپ ﷺ کے سامنے ابوسفیان کے اسلام ومسلمان کے خلاف پوری داستان موجود تھی، اگر حضور ﷺ چاہتے تو انہیں قتل کروادیتے؛ لیکن اتنے بڑے دشمنِ اسلام کو بھی آپ ﷺ نے معاف فرمادیا، بلکہ الٹا احسان یہ فرمایا کہ: اعلان کروایا کہ ابوسفیان کو بھی پناہ اور جو اس کے ہاں پناہ لے اس کو بھی امن ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق کا یہی شریفانہ برتاؤ ابوسفیانؓ کی اہلیہ (آپ کی خوش دامن) کے ساتھ رہا ہے، یہ وہی خاتون ہیں جس نے آپ ﷺ کے چہیتے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کروایا تھا ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ کو چبا گئی تھیں، فتح مکہ کے موقع پر صفا کے مقام پر بیٹھ کر اسلام قبول کرنے والے مرد وخواتین کو اپنے ہاتھ پر بیعت کے وقت حضور ﷺ سے گفتگو کرتی رہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو،

---

(۱) الروض الانف : ۱۳۴-۲۲

انہوں نے کہا: یہ اقرار تو آپ ﷺ نے مردوں سے نہیں لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قتل نہ کرنا، انہوں نے کہا کہ: ہم نے اپنے بچوں کو پالا تھا اور جب بڑے ہوئے تو جنگِ بدر میں آپ ﷺ نے نہیں قتل کردیا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔ (۱)

ان کے اس اندازِ گفتگو کو آپ ﷺ نے برداشت کیا اور سنجیدگی سے ان کی گفتگو سماعت فرمائی اور بیعت کرلیا۔

حضور ﷺ بحیثیتِ خسر

حضور اکرم ﷺ نے ایک خسر کی حیثیت سے دامادوں کے ساتھ بھی اعلیٰ اور مثالی کردار ادا کیا ہے، جس میں داماد و خسر کے رشتہ کی نزاکت کی بھرپور رعایت بھی ہے، باپ کا پیار بھی، سرپرست کی شفقت و مہربانی بھی، ازدواجی زندگی میں مداخلت سے پرہیز بھی۔

آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں، بڑی صاحبزادی سیدہ زینب ؓ تھیں، ان کا نکاح آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ابو العاص بن ربیع ؓ سے فرمایا جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، ابتدائے نبوت کے زمانہ میں کفار نے ان کو بہت اکسایا کہ بنتِ رسول ﷺ کو طلاق دیں، مگر مزاج میں سلامتی تھی، اس لئے اس پر بالکل تیار نہ ہوئے، حضور ﷺ نے اس وصف کی مدح سرائی کی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ (۲)

آپ ﷺ کے یہی بڑے داماد ابو العاص ۶ھ میں قبیلہ قریش کے چند افراد کے ہمراہ بغرضِ تجارت ملکِ شام گئے ہوئے تھے تو شام کی سرحد کے ایک پہاڑ پر ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ (دومۃ الجندل کی تفصیلات احادیث و سیر کی کتابوں میں منقول ہیں) پناہ گزیں تھے، ان تمام افراد کے سامان کو ضبط کرلیا، اور انہیں گرفتار بھی کرلیا، البتہ داماد ابو العاص کو گرفتار نہیں کیا، وہ سیدھے مدینہ چلے جہاں حضرت زینب ؓ نے انہیں امان دی، اور آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: میری بیٹی نے جس کو

---

(۱) تفسیر البحر المحیط: ۲۷۳/۱۰

(۲) الروض الانف: ۱۰۴/۳

پناہ دی ہے بہتر ہے تم بھی ان کو پناہ دو، یہ تم پر حق ہے، نہ صرف یہ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی آپ ﷺ نے سفارش کی کہ ان کا مال جو تمہیں حاصل ہوا ہے اس پر اگرچہ تمہارا حق ہے تم اس بارے میں بااختیار ہو؛ لیکن میرا ان سے جو تعلق ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان پر احسان کر کے ان کا مال واپس لوٹا دو، حضور ﷺ کی سفارش کے بعد کیا مجال تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مال کو روک لیتے؟ سارا مال حتیٰ کہ اونٹ کی نکیل کی رسی بھی واپس لوٹا دی اور ابوالعاص اس کو لے کر مکہ لوٹے اور جس کا مال تھا وہ اسے واپس دے دیا۔

رسول اکرم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ وحسن سلوک سے اسلام سے محروم مگر سلیم الطبع داماد متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ اسی وقت وہ اسلام میں داخل ہو گئے، آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنی دختر سے فرمایا تھا کہ ”بیٹی ان کی عزت کرنا اور ان کو اچھا ٹھکانہ دینا“۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ رقیہؓ ہیں، ان کی پیدائش کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۳۳ برس تھی، ان کا نکاح آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ ہی میں حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے فرمادیا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو بیعتِ رضوان لی تھی، اس کا باعث ومحرک دراصل یہی تھا کہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا، ادھر یہ خبر گرم ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ بدسلوکی کی گئی ہے، آپ ﷺ نے ان کا بدلہ لینے کیلئے جہاد کی غرض سے بیعت لی اور ان کے ہاتھ کی جگہ اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ ”یہ عثمان کا ہاتھ ہے“ اس کو دیکھ کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رشک آمیز انداز میں فرمایا: ”عثمان کیلئے نبی ﷺ کا ہاتھ تمام اصحابِ رسول ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ بہتر ہے۔(۲)

ادھر جب سے کہ حضرت سیدہ رقیہؓ کی وفات ہوئی اس وقت سے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غمگین رہنے لگے تھے، اور انہیں اپنی بے بسی اور رسول اکرم ﷺ کی خاندانی نسبت سے محرومی کا احساس بڑا ستانے لگا تھا، ان کی دلبری کرنے کیلئے اگلے ہی سال ۳ھ اپنی تیسری بیٹی

---

(۱) الروض الانف: غزوة بدر الكبرىٰ: ۱۲۷/۵، دار احياء التراث العربي، بيروت

(۲) بخاري: باب مناقب عثمان بن عفان، حديث: ۳۶۹۸

حضرت ام کلثومؓ سے ان کا نکاح فرمایا، چنانچہ حضرت سعید بن مسیبؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضرت سیدہ رقیہؓ کی وفات کے بعد سے وہ غمگین رہنے لگے ہیں تو پوچھا: عثمان! کیا بات ہے؟ کیوں غمگین ہو؟ کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اب وہ اعزاز حاصل نہ رہا، آپ ﷺ کی دختر جو میری زوجہ تھیں وفات پا چکیں تو میری کمر ٹوٹ چکی ہے اور آپ ﷺ سے رشتہ دامادگی بھی باقی نہ رہا، یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اچانک آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے عثمان! یہ دیکھو جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں، مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ میں مرحومہ کی بہن ام کلثوم سے ان ہی کے مہر کے مطابق تمہارا نکاح کردوں" يا عثمان هذا جبريل عليه السلام يأمرني عن الله عزوجل ان ازوّجك اختها ام كلثوم على مثل صداقها، ولي على مثل عشرتها "(۱)

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو دوہری دامادگی کا اعزاز حاصل ہوا، آپ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو اس کو بھی تمہارے نکاح میں دے دیتا" " لو أنّ لنا ثالثةً لزوجنا عثمان بها " (۲)

اس سے بھی آگے کی بات یہ ہے کہ ابن عساکرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عثمان! اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں (یکے بعد دیگرے) تم سے ان کا نکاح کردیتا۔(۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ " لو كنّ عشرًا لزوجتهنّ عثمان " یعنی اگر میرے پاس دس بیٹیاں ہوتیں تو میں (یکے بعد دیگرے) عثمان کی تزویج میں دے دیتا۔(۴)

اور ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کے سامنے داماد کی تعریف فرمائی، حضرت عائشہؓ

(۱-۲) اسد الغابة : ۷/۳۷۴، دار الكتب العلمية ، بيروت

(۳) تاريخ دمشق : عثمان بن عفان : ۳۹/۴۳، دار الفكر ، بيروت

(۴) طبقات ابن سعد : ذكر ام كلثوم : ۸/۳۸

راوی ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے شوہر تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد محمد ﷺ سے بہت مشابہ ہیں“۔(۱)

ایک طرف اس میں جہاں داماد کی تعریف وتوصیف ہے وہیں دوسری طرف بیٹی کو داماد کی قدر ومنزلت بتا کر شوہر کی عظمت دل میں بٹھانا ہے۔

آپ ﷺ کی آخری اور چہیتی بیٹی خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہراؓ ہیں، آپ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غزوۂ بدر کے بعد اور غزوہ احد سے پہلے فرمایا۔

حضور ﷺ نے دامادوں کے ساتھ ایک شفیق، نرم دل باپ کا سا معاملہ فرمایا ہے: سیرت کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کسی بات پر ناراض ہو کر چلے اور مسجد کے فرش پر لیٹ گئے، ادھر حضور ﷺ تلاش کرتے ہوئے پہنچے تو دیکھا کہ پیٹھ برہنہ ہونے کی وجہ سے مٹی اس پر لگ گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”قم یا اباتراب“ (مٹی پر لیٹنے والے کھڑے ہو جا)۔(۲)

اسی طرح داماد کی ہر بات پر ناراضگی واختلاف آپ ﷺ کا بالکل شیوہ نہ تھا؛ چنانچہ بسا اوقات کسی کمزور اور غیر مناسب بات پر درگذر اور نظر انداز بھی فرمایا کرتے تھے، ایک موقع پر اپنے داماد کے مقام ومرتبہ کو اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ”یہ میرے چہیتے ہیں، ان کے حق کو پہچانو، اور ان کی حیثیت کے موافق ان کا اِکرام کرو۔(۳)

اسی طرح موقع محل دیکھ کر حالات وتقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ناراضگی ظاہر فرمائی، جب حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں ہوتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شادی کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے برملا اظہارِ ناراضگی فرمایا، ناراضگی مناسبِ حال بھی تھی کہ جس خاندان کی عورت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکاح فرمانا چاہتے تھے، وہ حضرت فاطمہؓ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی اور حضرت فاطمہؓ والدہ کی وفات کے حادثہ سے نڈھال تھیں،

---

(۱) تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی:۱۹۱

(۲) المعجم الکبیر: سہل بن سعد الساعدی: حدیث: ۶۰۲۱

(۳) ذخائر العقبی: ۶۲/۱

دو غم خوار بہنیں بھی یکے بعد دیگرے گذر گئیں تھیں، ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سوکن کو لے آنا یہ حضرت فاطمہ ؓ کو تکلیف دینے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی ناراضگی کا مستحق بنا سکتا تھا۔

زوجین کے درمیان زندگی کے نشیب وفراز میں تھوڑی سے نوک جھونک ہو جائے یہ تو عین قرین قیاس ہے، اس میں بحیثیتِ فریقِ ثالث کے جو کردار خسر کو ادا کرنا ہوتا ہے وہ حضور ﷺ کے اسوہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک موقع پر جب کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی سختی کی شکایت لے کر ابا حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں تو ان کے پیچھے پیچھے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی چلے آئے آپ ﷺ نے ایک طرف اپنی دختر کی بات باطمینان سنی؛ تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ کسی کا شوہر اپنی بیوی کے پیچھے پیچھے خاموش چلا آتا ہے، اس کا اثر داماد پر یہ پڑا کہ انہوں نے خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”میں آپ کے مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں کہوں گا“۔ (۱)

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دولت مند تھے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جفاکش اور غریب تھے؛ لیکن دونوں ہی سے آپ ﷺ کے تعلقات بہترین اور دونوں کے ساتھ سلوک یکساں اور برابر تھا، مالدار کے حق میں جھکاؤ پن اور غریب سے نظر انداز کا پہلو اس طرح کے دورُخی اور دو نظری کا ذرہ برابر شمہ بھی وہاں نہیں پایا جاتا تھا، بلکہ بعض عوامل وخصوصیات کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کا زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے، حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ خواتین میں رسول اللہ ﷺ کی چہیتی حضرت فاطمہ ؓ تھیں اور مردوں میں ان کے شوہر علی رضی اللہ عنہ ہیں

”کان أحبّ النساء الی رسول اللہ فاطمة ومن الرجال علی“ (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ٨/٢٦

(۲) ترمذی: باب ما جا فی فضل فاطمة، حدیث: ٣٨٦٨، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

خسر کی حیثیت چونکہ باپ کی سی ہوتی ہے اور نیز حضور اکرم ﷺ پیغمبر کے منصبِ جلیلہ پر بھی فائز تھے، ان دونوں حیثیتوں کے پیشِ نظر دامادوں کے ساتھ جہاں شفقت ومحبت ودلجوئی کا اہتمام فرمایا، اپنی دختر کو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی وہیں اپنی جانب سے ان کی اصلاح وتربیت کی بھاری ذمہ داری بھی خوب اچھی طرح انجام دی، چنانچہ ایک مرتبہ دونوں دامادوں کو لے کر مدینہ کے باہر گئے، حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پتھر کی اس چٹان پر چڑھ کر مجھے دن بھر کا حساب بتاؤ، عرب کی شدت کی گرمی میں پتھر کی چٹان پر چڑھ کر وہ تھوڑی ہی دیر میں گھبرا گئے، آپ ﷺ نے ان کی نازک مزاجی کی رعایت کرتے ہوئے انہیں نیچے اتار دیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہی حکم دیا، ظاہر ہے کہ غریب آدمی کی زندگی کا حساب ہی کتنا، بس وہ تھوڑی ہی دیر میں حساب سے فارغ ہو کر نیچے اتر آئے، پھر آپ ﷺ نے خود ہی وجہ بتلائی اور فرمایا کہ: ایسا میں نے اس لئے کیا کہ روزِ قیامت کا احساس ہو، اور اس روز وہی آدمی آرام سے رہے گا جس کا حساب کتاب کم سے کم ہو، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ (۱)

---

(۱) اخلاقِ رسولِ اکرم ﷺ: ۱/۲۷

رشتہ داروں کے مالی حقوق

سب سے پہلے تو انسان پر خود اپنا نفقہ واجب ہے کہ آدمی اپنے آپ کی ضروریات کو پورا کرے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پہلے اپنے سے شروع کرو، پھر اپنے زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرو، "ابدأ بنفسك فتصدق عليها؛ فإن فضل شيء فلأهلك" (۱)

کیوں کہ انسان کے ہاتھ میں اس کا وجود اللہ کی امانت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت وصیانت واجب ہے۔

دوسرے آدمی کا نفقہ آدمی پر تین اسباب سے واجب ہوتا ہے، ازدواجی رشتہ، قرابت مندی اور ملکیت، مالکیہ کے نزدیک نفقہ صرف والدین، بیٹے اور بیٹیوں کا واجب ہے، دادا، دادی، نانا، نانی یا پوتے، نواسے کا واجب نہیں، شوافع کے نزدیک علاوہ والدین کے والدین کا جو آبائی سلسلہ دادا، دادی، نانا، نانی اور اولاد ہی کی طرح اولاد کے ذیلی سلسلے پوتے، نواسے وغیرہ کا نفقہ بھی واجب نہیں، حنفیہ کے نزدیک ان رشتہ داروں کے علاوہ بعض حالات میں دوسرے محرم رشتہ داروں کا نفقہ بھی واجب ہوا کرتا ہے، غیر محرم رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں ہوتا، حنابلہ نے محرم ہونے کی بھی شرط نہیں رکھی، بلکہ غیر محرم رشتہ داروں جیسے چچازاد بھائی وغیرہ کا نفقہ بھی بوقت ضرورت واجب قرار دیتے ہیں۔

☆ بیوی کا نفقہ واجب ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے، اور کیوں نہ ہو خود قرآنِ کریم میں اس کی صراحت موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے صاحبِ گنجائش پر اپنی گنجائش کے مطابق نفقہ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۲)

---

(۱) نسائي: باب أي الصدقة أفضل، حديث: ٢٥٤٦

(۲) الطلاق: ۷

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ: تم پر بیویوں کے رزق اور ان کا لباس معروف طریقہ پر واجب ہے، "ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف "(۱)

☆ شوہر پر بیوی کا نفقہ تو بطورِ معاوضہ کے واجب ہوتا ہے، بیوی اپنے آپ کو شوہر کیلئے محبوس رکھتی ہے اور شوہر اس کے بدلے نفقہ ادا کرتا ہے، نفقہ کے واجب ہونے کا دوسرا سبب قرابت ورشتہ داری ہے، پھر قرابت کی بھی مختلف صورتیں ہیں ان میں سب سے اہم قرابت اولاد ہے، قرابت اولاد سے مراد اولاد اور والدین ہیں؛ کیوں کہ اولاد اور والدین کی حیثیت ایک دوسرے کیلئے ان کے وجود کے ایک حصہ کی ہے۔

فی الجملہ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہونے کے سلسلے میں فقہاء امت کا اجماع واتفاق ہے، یہ خود قرآن سے بھی ثابت ہے، اس لئے بچے کے دودھ پینے کی اجرت باپ پر واجب قرار دی گئی ہے۔ (۲)

بلکہ عورتوں کی کفالت بھی باپ کے ذمہ رکھی گئی ہے جو اس کے بچے کی پرورش کرنے میں مشغول ہوں اور ان کو دودھ پلاتی ہوں۔ (۳)

یہ حدیث سے بھی ثابت ہے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اخراجات کی ادائیگی میں کس قدر تنگی سے کام لیا کرتے تھے، ان کی بیوی حضرت ہندہ نے آپ ﷺ سے اس تنگی کی شکایت کی اور دریافت کیا کہ: کیا میں شوہر کی اجازت کے بغیر ان کے مال میں سے خرچ کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اتنی مقدار لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کیلئے کفایت کرجائے، "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف " (۴)

---

(۱) ابوداؤد: حدیث: ۱۹۰۵

(۲) الطلاق: ۲

(۳) البقرہ: ۲۳۳

(۴) بخاری: باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف، حديث: ٥٣٦٤

کن صورتوں میں اولاد کا نفقہ واجب ہوگا کن صورتوں میں واجب نہ ہوگا؟ اس کی بحیثیتِ مجموعی چار صورتیں ہیں:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ باپ مالدار ہو، بچے نابالغ ہوں، اگر بچے خود اتنی جائیداد کے مالک نہ ہوں جس سے ان کی کفالت ہوسکے تو لڑکوں کے کمانے کے لائق ہونے تک اور لڑکیوں کی شادی تک باپ پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی اور باپ کو تنہا کفالت کی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی اور اگر بچے خود بھی صاحبِ استطاعت ہوں اور مال ان کے پاس موجود ہو تو باپ ان کا مال ان پر خرچ کرسکتا ہے اور اگر مال ان کی دسترس میں نہ ہو اور قاضی کی اجازت سے باپ خرچ کرے یا اس نیت سے خرچ کرے کہ یہ پیسے بچے کی جائیداد سے وصول کرتے ہیں اور اس نیت پر گواہ بھی بنالے تو بعد کو جب بچے کا مال حاصل ہوجائے وہ اس میں سے اپنا پیسہ وصول کرسکتا ہے اور اگر قاضی کا فیصلہ بھی نہ ہو اور بعد میں وصول کرنے کی نیت سے گواہ بھی نہ بنایا ہو تو قانوناً اپنے پیسے واپس نہیں لے سکتا، اور دیانۃً اگر پہلے ہی سے واپس لینے کی نیت رہی ہو تو لے سکتا ہے۔

لڑکیاں بھی اگر سلائی کے ذریعہ اپنی ضرورت کے بقدر پیسے حاصل کرلیں تو باپ پر ان کا نفقہ واجب ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باپ مالدار ہو، اور اولاد بالغ ہوں تو اگر بچے خود اپنی کفالت کے لائق اور صاحبِ معاش ہوں تو ان کی کفالت باپ کے ذمہ نہ ہوگی، اگر بچے محتاج ہوں تو:

الف: نکاح تک لڑکیوں کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، اسی طرح شادی شدہ لڑکیاں مطلقہ یا بیوہ ہوجائیں تب بھی باپ ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔

ب: لڑکے مفلوج، نابینا، فاتر العقل یا معذور ہونے کی وجہ سے کسبِ معاش کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، یا ابھی حصولِ تعلیم میں مشغول ہوں تو ان کا نفقہ بھی باپ کے ذمہ ہوگا۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ باپ محتاج ہو، بچے بھی نابالغ محتاج ہوں؛ لیکن کسبِ معاش نہیں کرسکتے تو باپ کو کسبِ معاش کرنا چاہیئے اور نہ کرے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا اور اس پر مجبور کرنے کیلئے اسے قید کی بھی سزا دی جاسکتی ہے، پھر اگر باپ کفالت نہ کرسکتا ہو، اور دادا یا ماں یا ماموں یا چچا اس کی کفالت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس پر ان لوگوں کی کفالت واجب ہوگی اور وہ اس پر مجبور کیئے جائیں گے، البتہ جب اس کے والد کے حالات بہتر ہوجائیں تو ان قرابت داروں کو حق ہوگا کہ وہ اپنے کیئے ہوئے اخراجات ان سے وصول کرلیں۔

اولاد کی اولاد کا نفقہ

نفقہ کے سلسلے میں جو حکم اولاد کا ہے، وہی حکم دوسری فروع یعنی سلسلۂ اولاد کا بھی ہے کہ اگر باپ کا نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، اور کسب معاش سے بھی عاجز ہو اور دادا نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو دادا کو نفقہ ادا کرنا ہوگا، اسی طرح دادی اور نانی، ماں کے نہ ہونے کے وقت ماں کے درجہ میں ہوں گی جیسے باپ کو بلا شرکتِ غیر اولاد کا نفقہ ادا کرنا ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں دادا کو بھی بلا شرکتِ غیر پوتے، پوتی کا نفقہ ادا کرنا ہوگا۔ (۱)

☆ اگر کسی کے والدین بھی ہوں اور بچے بھی اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کا نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اول تو یہ کوشش ہونی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کی پرورش کی جائے، لیکن اگر ایسا ممکن ہی نہ ہو تو جو بچے کسبِ معاش کے لائق نہیں ہیں وہ مقدم ہیں۔ (۲)

☆ **والدین کا نفقہ :** قرابت کی وجہ سے جن لوگوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے، ان میں والدین کا نفقہ واجب ہونے پر بھی فقہاء کا اجماع واتفاق ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے: " وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا " (۳)

---

(۱) رد المحتار: ٦٧١/٢ (۲) درمختار: ٦٧٣/٢ (۳) الاسراء: ٢٣

اور والدین کی کفالت حسن سلوک میں داخل ہے، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی کی اپنی کمائی کا ہو، اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے ”إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه “ (۱)

والدین کا نفقہ اسی وقت واجب ہے جب کہ ان میں خود اپنی ضروریات مکمل کرنے کی صلاحیت نہ ہو، باپ اگر محتاج ہو اور کسب معاش کی صلاحیت رکھتا ہو، لیکن نہ کماتا ہو، جب بھی اس کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب ہے، وہ اپنے باپ کو کمانے پر مجبور نہیں کرسکتا، یہ حنفیہ کی رائے ہے، حنابلہ وغیرہ کے نزدیک بشمول والدین اقارب کا نفقہ اسی وقت واجب ہوتا ہے کہ وہ کمانے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو۔ (۲)

والدین کا نفقہ جس میں کھانا، پینا، رہائش سبھی شامل ہیں، بقدر کفایت واجب ہوتا ہے، اگر کسی شخص کے ماں باپ دونوں ہوں اور اس کی معاشی حالت اس بات کی متحمل نہ ہو، دونوں کی کفالت کرسکے تو تنگی کے ساتھ دونوں کی کفالت کرنی چاہیے؛ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو نفقہ کے اعتبار سے ماں کا حق مقدم ہے؛ کیوں کہ بظاہر ماں کیلئے کسبِ معاش مشکل ہے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: ہمارے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں تین دفعہ ماں کا اور چوتھی دفعہ باپ کا نام لیا، لیکن اگر باپ کسبِ معاش سے معذور ہو، اور ماں کسب معاش کی صلاحیت رکھتی ہو تو باپ کا حق مقدم ہوگا، کیوں کہ باپ ہی نے بچپن میں اس کی کفالت کا فریضہ انجام دیا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے تو مطلقاً باپ کو ماں پر مقدم رکھا ” قال بعضهم الأب احق “ (۳)

---

(۱) ابوداؤد: کتاب البیوع، باب الرجل یأکل من مال ولده، حدیث: ٣٥٢٨

(۲) المغنی: ٨/١٦٩

(۳) رد المحتار: ٢/٦٧٣

☆ **سوتیلی ماں کا نفقہ:** سوتیلی ماں کا نفقہ اگر باپ میں اس کے نفقہ کی ادائیگی کی صلاحیت نہ ہو تو مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے نزدیک بیٹے پر اس کا نفقہ واجب ہوگا؛ کیوں کہ یہ بھی باپ کی ضروریات میں داخل ہے، حنفیہ کا ایک قول بھی یہی ہے اور اسی کو علامہ حصکفی نے ترجیح دی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اگر باپ مریض یا معذور ہونے کی وجہ سے محتاجِ خدمت ہو تب اس کی بیوی کا نفقہ بیٹے کے ذمہ ہے؛ کیوں کہ وہ گویا باپ کی خادمہ ہے۔ (۱)

☆ **دادا، نانا وغیرہ کا نفقہ:** نفقہ کے وہ احکام جو والدین سے متعلق ہیں، دادا، دادی، نانا، نانی کو بھی شامل ہیں، اگر وہ محتاج ہوں تو پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں ان کا نفقہ ادا کریں گے۔ (۲)

☆ **دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ:** اقرباء میں بیٹے، پوتے، نواسے اور نواسیوں کا ذیلی سلسلہ "فروع" کہلاتا ہے، باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان کا آبائی سلسلہ "اصول" کہلاتا ہے، جن کے استحقاق کی تفصیلات اوپر ذکر کی گئیں، کیا ان کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کا بھی نفقہ واجب ہوگا تو اس سلسلہ میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم رشتہ دار کا نفقہ واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ محتاج ہو، نابالغی، نابینائی، مرض یا عورت ہونے کی وجہ سے کسبِ معاش کرنے سے عاجز ہو، مسلمان ہو اور جس کے ذمہ نفقہ واجب قرار دیا جائے، وہ صاحبِ گنجائش ہو، صاحبِ گنجائش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نصابِ زکوۃ کا مالک ہو، یعنی کسی بھی نوعیت کا اتنا مال ہو جو نصابِ زکوۃ کی قیمت کو پہنچ جائے، یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، امام محمدؒ کے نزدیک اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک ماہ کی ضروریات سے زیادہ مال اس کے پاس موجود ہو اور جو روز کماتا کھاتا ہو تو اس کے حق میں صاحب وسعت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر دن کا نفقہ ادا کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا بچ رہتا ہو۔

---

(۱) ہدایہ مع الفتح: ۴/ ۴۱۵

(۲) تلخیص از قاموس الفقہ: ۳۰۲-۳۱۷، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ

ذی رحم محرم کے نفقہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ یہ میراث کے تناسب سے واجب ہوگا، یعنی جو رشتہ دار، اس محتاج شخص کی موت کی صورت میں اس سے جتنی میراث پا سکتے ہیں، اسی تناسب سے نفقہ بھی ادا کریں گے، مثلاً اگر ایک شخص کی ایک حقیقی، ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک بہنیں ہوں تو حقیقی بہن پر تین خمس (۳/۵) اور باپ شریک اور ماں شریک بہن پر ایک ایک خمس (۱/۵) واجب ہوگا۔ (۱)

---

(۱) تلخیص از قاموس الفقہ : ۲۰۳-۲۱۷، مکتبہ نعیمیہ دیوبند

شوہر کی ذمہ داریاں

۱- ادائیگی مہر

مہر کی اہمیت شرعی نقطۂ نظر سے

شریعت نے عصمتِ انسانی کی اہمیت وقدر کو بتلانے کیلئے شوہر پر بیوی کیلئے ایک خاص مالی حق رکھا ہے، جس کو مہر کہا جاتا ہے، حدیث میں بعض مواقع سے اسے "صداق" یا کسی اور نام سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے "وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً" (۱) عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیئے جائیں۔

اور ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (۲) اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ ان کو اپنے مالوں کے ذریعے سے حاصل کرو۔

☆ شریعت کا اصل حکم تو یہ ہے کہ مہر جلد از جلد ادا کرنا چاہئے، اگر کوئی کسی عورت سے مہر کی ایک خاص مقدار پر نکاح کرے اور دل میں ادائیگی کا ارادہ بھی ہو اور کسی وجہ سے ادا نہ کر سکا ہو، اور بیوی نے اس سے مطالبہ بھی نہ کیا ہو، اسی حالت میں اس کی موت آجائے تو اس کے ترکہ سے حساب لگا کر بیوی کو مہر ادا کرنا واجب ہے، اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو اس کو بیوی کی میراث میں شامل کر کے ورثاء میں تقسیم کر دیں، جو لوگ مہر کی خاص مقدار پر نکاح کرتے ہیں اور اس کی ادائیگی کا ارادہ نہیں کرتے ایسے لوگوں پر شریعت نے سخت لعنت کی ہے اور ایسے شخص کو زانی اور بدکار قرار دیا ہے۔

---

(۱) النساء : ٤ (۲) النساء : ٢٤

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مہر کی ایک مقدار پر عورت سے نکاح کرے اور وہ اس مہر کی ادائیگی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ شخص زانی ہے: ''من تزوّج امرأة على صداقٍ وهو لا يريد أن يفي لها به فهو زانٍ'' (۱)

اور ایک دوسری روایت جو میمونِ کردیؒ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، اس میں ایسے شخص کو زانی، بدکار اور فریبی اور دھوکہ باز کہا گیا ہے'' أيّما رجلٍ تزوّج امرأة على ما قلّ من المهر أو كثر ليس في نفسه ان يؤدي اليها حقّها خدعها فمات ولم يؤدّ اليها حقّها، لقي الله يوم القيامة وهو زانٍ'' (۲)

جو بھی مرد کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر کی کسی مقدار پر نکاح کرتا ہے اور اس کا ارادہ ادا کرنے کا نہیں تو اس نے اس عورت کو دھوکہ دیا؛ لہٰذا اگر اسی حالت میں ادا نہ کر کے مر جاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کا شمار زانیوں میں ہوگا، اور جو بھی آدمی کسی سے اس ارادہ سے قرض لیتا ہے کہ ادا نہیں کرنا ہے، پھر قرض ادا نہ کر کے مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کا شمار چوروں میں ہوگا۔

☆ قرآنِ مجید میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بتلائی گئی ہے کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار متعین نہیں، ارشادِ خداوندی ہے: '' اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا '' (۳) اور تم اس کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون سے نکاح کیا تو اسے سو باندیاں بھیجیں اور ہر باندی کے ساتھ ایک ہزار درہم '' تزوّج الحسن بن علی

---

(۱) مجمع الزوائد: حدیث: ۷۵۶۶، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: اسے بزار نے محمد بن الحسین الجزریؒ سے روایت کیا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط اور صغیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد: باب فیمن نوی أن لا یقضی دینہ، حدیث: ٦٦٥٤

(۳) النساء: ۲۰

امرأة قال: فأرسل اليها بمائة جارية مع كلّ جارية الف درهم" (۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، جس کا وزن موجودہ زمانے کے گرام کے حساب سے تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام ہوتا ہے؛ لہٰذا اس گرام کے تولے حساب سے تین تولہ چھ سو اٹھارہ گرام ہوتے ہیں، احناف کے پیشِ نظر وہ روایت جس میں فرمایا گیا ہے "لا مهر اقلّ من عشرة دراهم" (۲)

مہر کے متعین کرنے میں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہئے، نہ اس قدر معمولی مہر ہو کہ اس کی کوئی قدر نہ رہے اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ اس کی ادائیگی دشوار ہو جائے؛ بلکہ اس قدر مہر مقرر کرے جس قدر مرد کی معاشی حالت متقاضی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہر باندھنے میں غلو کو ناپسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ: زیادہ مہر باندھنا دنیا کے اندر عزت کی چیز ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریم ﷺ تمہارے مقابلے میں اپنے ازواج کیلئے زیادہ مہر باندھنے کے مستحق تھے "فانّها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولٰكم بها نبّي الله صلى الله عليه وسلّم" میں نہیں جانتا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے براہِ راست کسی عورت سے نکاح کیا ہو، یا اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح کر دیا ہو، ساڑھے بارہ اوقیہ پانچ سو درہم سے زیادہ پر۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الصداق: حديث: ۷۵۰۳۰، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) سنن البيهقي الكبرىٰ: باب ما يجوز ان يكون مهرًا حديث: ١٤١٦٦، ابن ہمام نے "فتح القدیر: ۲/ ۴۱۷، میں کہا ہے کہ: پھر ہم نے اس روایت کو شیخ برہان الدین الحلبی کی "شرح بخاری" میں پایا، وہ یہ کہتے ہیں کہ: اس کو بغوی نے حسن کہا ہے، حافظ ابن حجر نے اس کو ایک دوسری سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ اس سند کے اعتبار سے حسن سے کم درجے کی نہیں ہے، اس کی یہ سند یہ ہے: علامہ حجر کہتے ہیں کہ: ابن ابی حاتم نے کہا: ہم سے عمرو بن عبد اللہ الاودی نے بیان کیا، ان سے وکیع نے، وہ عباد بن منصور سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے قاسم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ولا مهر اقل من عشرة : هامش نصب الراية : باب المهر: ۲/ ۱۹۲

(۳) ابوداؤد: كتاب النكاح، باب الصداق، حديث: ١٢٠٦، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے: ترمذی: حدیث: ۱۱۱۴

ادائیگی نفقہ

شوہر کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بیوی کو نفقہ (کپڑا، کھانا اور گھر) دیا کرے، اور بیوی کو ان ضروریات سے بے نیاز کر دے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ ، فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (۱) جس کی گنجائش ہو اس کو چاہئے کہ اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کی آمدنی نپی تلی ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہے اسی کے موافق خرچ کرے، خدا نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: حکیم بن معاویہ القشیریؒ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کے بیوی کے متعلقہ حقوق کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو کھائے تو اُسے کھلائے، جب تو پہنے تو اُسے پہنائے، " ان تُطعمها اذا طعمت، وتكسوها اذا كسوت " (۲)

اور ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے مرد کی اس ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا: " ان تُحسنوا اليهنّ في كسوتهنّ وطعامهنّ " (۳) کہ تم ان بیویوں کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو۔

ایسے ہی اس کیلئے دیگر طہارت و پاکیزگی کے سامان کا بھی نظم کرے؛ تا کہ وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھ سکے۔

شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کیلئے ایسی چیزوں کا بھی سامان مہیا کر دے جس سے وہ

---

(۱) الطلاق: ۷

(۲) ابوداؤد: كتاب النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: ۲۱٤۲ ، ابن الملقن نے البدر المنیر میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے: ۲۹۰/۸، دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض

(۳) ترمذی: الرضاع ، باب حق المرأة على زوجها ، حديث : ۱۱۶۳ ، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے، اور میل کچیل سے پاک رہے، جیسے کنگھی، تیل، بیری کی پتی، خطمی، اشنان اور صابون جیسا کہ وہاں رواج ہو جیسے اس زمانہ میں پاؤڈر، کریم، اور پھول وغیرہ اور جس سے بد بو دور کر سکے اتنی خوشبو کا فراہم کرنا ضروری ہے، اسی طرح بغل کی بو کو دور کرنے کا سامان بھی مہیا کرے۔ (۱)

اتنا پانی فراہم کرنا بھی شوہر پر ضروری ہے جس سے وہ اپنے کپڑے اور بدن کو دھو سکے۔ (۲)

عورت کے علاج و معالجہ کا خرچ بھی شوہر کے ذمہ ہے، اس بارے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: مجھے اس بارے میں بہت ساری فقہی کتابوں کی مراجعت کا موقع ہوا، سب کے یہاں صورت حال یکساں نظر آئی، یعنی علاج کے خرچے کو نفقہ قرار نہیں دیا گیا ہے، لیکن تلاش کے باوجود قرآن وسنت کی کوئی ایسی نص نہیں ملی جس میں یہ صراحت ہو کہ علاج کا خرچہ شوہر پر واجب نہیں، اس لئے احقر کو کچھ خیال یہ ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم میں نفقہ کے ساتھ ''بالمعروف'' کی قید لگائی ہے، جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کا تعین عرف پر مبنی ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دور میں عرفاً علاج، نفقہ کا حصہ ہے۔ (۳)

بیوی کے حقِ زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی درست نہیں

عبادت الٰہی یہ نہایت ہی اونچے درجے کی چیز ہے؛ لیکن اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ عورتوں کی حق تلفی کر کے اپنے آپ کو عبادات میں مصروف رکھا جائے، دن رات عورت سے علاحدہ رہ کر نماز، روزوں میں لگے رہیں، اس طرح کے کئی ایک واقعات حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کتابوں میں مذکور ہیں کہ وہ پوری رات عبادت میں گذار دیتے تھے، حقِ زوجیت کی ادائیگی کیلئے ان کے پاس کوئی وقت نہیں تھا، ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فلا تفعل، صم، وافطر ونم، فانّ لجسدك عليك

(۱-۲) رد المحتار: مطلب لا تجب على الاب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۲۹۱/۵، مكتبه زكريا ديوبند

(۳) فتاویٰ عثمانی: ۴۹۱/۲، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

حقًّا، وانّ لعینك علیك حقًّا، وانّ لزوجك علیك حقًّا " اس طرح نہ کرو، روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، عبادت بھی کرو، سو بھی جاؤ؛ کیونکہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ (۱)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ازواجِ مطہراتؓ کے پاس آئیں، وہ نہایت ہی پراگندہ حال اور بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھیں، ازواجِ مطہراتؓ نے ان سے کہا: تمہاری یہ کیا حالت ہوگئی ہے؟ تو انہوں نے کہا: وہ (یعنی شوہر) تو رات کے شب بیدار اور دن کے روزہ دار ہیں " واَمّا اللیل فقائم واَمّا النهار فصائم " حضور اکرم ﷺ کو ان کی اس بات کی اطلاع دی گئی، آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان کو ڈانٹ پلائی اور فرمایا: "مالك بی اسوة " (کیا میرے اندر تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ میری جان آپ پر قربان، اس واقعہ کے بعد وہ اچھی اور بہترین حالت میں آئیں، وہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں :

یا عین جودی بدمع غیر ممنون   علی رزیّة عثمان بن مظعون
علی امرءٍ بات فی رضوان خالقه   طوبٰی له من فقید الشخص مدفون
طاب البقیع له سکنی وغرقده   واشرقت ارضه من بعد تفتین
وأورثت القلب حزنًا لا انقطاع له   حتی الممات، فما ترقٰی له شئونی

اے آنکھ تو عثمان بن مظعون کے موت پر مسلسل آنسو بہاتے رہ
ایسے شخص پر جس نے اپنے خالق کی خوشنودی میں راتیں گذاریں، اس مدفون اور
غیر موجود شخص کا بہترین ٹھکانہ ہو۔

بقیع غرقدان کا بہترین ٹھکانہ ہو، ان کی زمین فتنوں کے بعد روشن ہوگئی اس نے دل پر ایسا غم ڈھایا ہے کہ موت تک ختم ہونے والا نہیں، ان کیلئے مسلسل آنسو بہتے رہیں گے۔ (۲)

---

(۱) بخاری: باب لزوجك علیك حق، حدیث: ۴۹۰۳

(۲) حلیة الأولیاء: مصعب بن عمیر الداری: ۱/۱۰۶، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۵ھ

چار مہینے سے زیادہ بیوی سے علاحدہ نہ رہے

شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے چار مہینے سے زیادہ علاحدہ نہ رہے، چار مہینے سے زیادہ دور رہنے پر جو نقصانات ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ ان احادیث اور واقعات سے لگایا جا سکتا ہے:

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کو دورانِ گشت کسی عورت کی آواز سنائی دی جو اس طرح کہہ رہی تھی: ”رات کافی لمبی ہو چکی ہے، اس کے دونوں اُفق بالکل سیاہ ہو گئے اور اس نے مجھے بیدار کر دیا ہے، میرا کوئی محبوب نہیں ہے کہ جس سے میں کھلواڑ کروں، اگر اللہ تعالیٰ کا خوف دامن گیر نہ ہوتا، تو اس جیسی چیز پھر کوئی نہیں ہوتی پھر اس کی وجہ سے اس تخت کے چاروں سمت ہل جاتے“۔

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا: تمہیں کیا ہو گیا؟ اس نے کہا: میرا شوہر کئی مہینوں سے میرے پاس موجود نہیں ہے، مجھے اس کی چاہ ہو رہی ہے، حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے بدکاری کا ارادہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنے اوپر قابو رکھو، ڈاک جانے ہی والی ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائے اور اُن سے کہنے لگے: میں تم سے اپنے ایک اہم معاملے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، تم اُس کے بارے میں مجھے بتانا، کتنی مدت میں عورت کو شوہر کی خواہش ہوتی ہے؟ انہوں نے اپنا سر نیچے کر لیا اور شرما گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ عزّ وجل حق بات کہنے سے نہیں حیاء کرتا، انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے تین مہینے یا چار مہینے بتلایا، حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر روانہ کی کہ فوجیوں کو چار مہینے سے زیادہ روکے نہ رکھا جائے ” ان لا تحبس الجیوش فوق أربعة أشهر “ (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا تلجوا علی المغیبات فانّ الشیطن یجری من أحدکم مجری الدم“ ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے شوہر موجود نہ ہوں؛ چونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے

---

(۱) کنز العمّال: حقوق متفرقہ: حدیث: ۴۵۹۲۴

اندر ایسے دوڑتا ہے جیسے جسم میں خون دوڑتا ہے، ہم نے کہا آپ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رہا میرا سوال تو اللہ نے مجھے اس پر غلبہ دیا تو وہ مسلمان ہوگیا۔ (۱)

ابوصالح سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی تو انہوں نے ان کو اجازت مرحمت کردی تو حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، تو کہا کہ: نہیں ہیں، تو وہ لوٹ گئے، پھر دوسری مرتبہ اجازت چاہی، تو فرمایا: کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں؟ تو کہا کہ: ہاں موجود ہیں تو اندر آئے، ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میری عدم موجودگی میں اندر کیوں نہیں آئے، تو انہوں نے کہا: "أنّ رسول الله نهانا أن ندخل على المغيبات" نبی کریم ﷺ نے ہمیں ان عورتوں کے پاس جن کے شوہر نہ ہوں جانے سے منع کیا ہے۔ (۲)

اس بارے میں فقہاء کی یہ تصریحات بھی ملحوظ رہیں: "يسقط حقها بمرّة ويجب ديانة ولا يبلغ مدة الايلاء" عورت کا حق ایک مرتبہ جماع سے ساقط ہوجاتا ہے، اور واجب ہے دیانۃ اور ایلاء کی مدت (چار مہینے) کو نہیں پہنچنا چاہئے۔

اس کے تحت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: "ويجب أن لا يبلغ به مدة الايلاء الّا برضاها وطيب نفسها به" اور یہ ضروری ہے کہ ایلاء کی مدت کو نہ پہنچ جائے مگر یہ کہ اس کی خوشی اور دل کی رضا سے ہو۔ (۳)

ان فقہی عبارات کے تحت علامہ تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

لیکن یہ مسئلہ حق جماع سے متعلق ہے اور اس میں تصریح ہے کہ عورت اپنی رضامندی سے

---

(۱) ترمذی: باب من مّا جاء في كراهية الدخول على المغيبات: حديث: ۱۱۷۲، حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے سوائے مجالد بن سعید کے یہ مختلف فیہ ہیں: فتح الباری: ۳۳۱/۹

(۲) مسند احمد: حديث: ۱۷۸۵۷، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے ابوصالح کے انہوں نے فاطمہ سے نہیں سنا ہے؛ بلکہ انہوں نے عمرو سے سنا ہے: مجمع الزوائد: باب الدخول على النساء: حديث: ۱۲۸۲۶

(۳) الرد المحتار على الدر المختار: ۳۷۸/۴-۳۷۹، دار عالم الكتب، الرياض

اپنا حق ترک کر سکتی ہے؛ لیکن یہ درست ہے کہ مطلق سفر کے بارے میں فقہاء کرام کی کوئی تصریح احقر کی نظر سے نہیں گذری، لیکن فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ علی اختلاف الروایات چار مہینے یا پانچ مہینے یا چھ مہینے تک سفر پر رہنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ یہ عورت کے حق کی وجہ سے ہے اور یہ جب عورت کا حق ہے تو وہ اس سے دست بردار بھی ہو سکتی ہے، رہا یہ معاملہ کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ بیوی کی اجازت سے سپاہیوں کو چار مہینے سے زیادہ سفر پر بھیجا جا سکتا ہے، تو اس بارے میں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے لشکر کے سپاہیوں کیلئے ایک ضابطہ طے کرنا تھا کہ ان کو کتنی مدت کے بعد واپس بلایا جائے، اس کیلئے انہوں نے چار ماہ کی مدت علی الاطلاق مقرر فرمادی، اس کی تدقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ کس کی بیوی اس سے زائد کیلئے راضی ہے اور کس کی بیوی راضی نہیں۔

البتہ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ گھر سے باہر رہنے میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، جہاں فتنے کا اندیشہ ہو، وہاں اس طرزِ عمل کی ہرگز حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہئے، آپ کا یہ فرمانا بھی بجا اور درست ہے کہ احیاناً ضرورت کے مواقع پر طویل سفر اختیار کرنا اور بات ہے اور عمل کو معمول بنالینا دوسری بات ہے اور چونکہ ایسی صورت میں فتنے کے امکانات بہت قوی ہوجاتے ہیں، اس لئے اس سے احتراز ہی کرنا چاہئے، خلاصہ یہ کہ جہاں فتنے کا ظن غالب ہو، وہاں تو بیوی کی اجازت کے ساتھ بھی سفر اختیار کرنا جائز نہیں اور اس میں مدت کی کوئی قید نہیں اور جہاں ظن غالب نہ ہو؛ لیکن معتد بہ احتمال ہو وہاں بھی حتی الامکان اس سے احتراز ہی لازم ہے۔ (۱)

ماں باپ سے کب ملاقات کروائے؟

بیوی کو اپنے والدین سے ملنے سے نہ روکا جائیگا، ہر ہفتہ میں ان کو ایک مرتبہ ملنے کی اجازت ہے اور دیگر محارم کو ایک سال میں ایک مرتبہ سے زیادہ ملنے کی اجازت نہیں، اگر کسی قسم کا شر اور فتنے کا اندیشہ ہو تو شوہر کو بیوی کے والدین کے گھر پر آنے سے روکنے کی بھی

---

(۱) فتاویٰ عثمانی: کتاب النکاح: ۳۱۱/۲، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اجازت ہے، لیکن دور سے دیکھنے اور بات کرنے سے منع نہیں کیا جائیگا، شامی میں ہے: "ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کلّ جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کلّ سنة لها الخروج ولهم الدخول" (۱)

اور نہ روکے والدین کو ہر ہفتہ اس کے پاس آنے سے اور دیگر محارم اس کے پاس ملاقات کیلئے سال میں ایک دفعہ آسکتے ہیں اور وہ ان سے ملاقات کیلئے سال میں ایک دفعہ جاسکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے "لا یمنعهم من النظر الیها و کلامهما فی ایّ وقت اختار لما فیه من قطیعة الرحم ولیس فی ذلك ضرر" (۲)

شوہر اپنی بیوی کے والدین کو اس کے دیکھنے اور اس سے بات چیت کرنے سے نہ روکے جب بھی ماں باپ چاہیں، کیونکہ بالکل روکنے میں قطع رحمی لازم آتی ہے۔

علاحدہ رہائش کا مطالبہ

یہ بات بالکل واضح ہے کہ عورت کا حق ہے کہ شوہر اسے علاحدہ ٹھکانہ فراہم کرے (چاہے کرایہ کا ہو) لیکن سمجھ دار بیوی کو چاہئے کہ شوہر کے تمام حالات کا اولاً جائزہ لے، اس کے والدین کی صحت کیسی ہے، اس کے بھائی بہن کی تربیت ونگرانی، تعلیم ونکاح کے مسائل کیا باقی ہیں، شوہر کی آمدنی یا تنخواہ علاحدہ رہنے کے خرچ کا تحمل کرسکتی ہے یا نہیں؟ کیا خود اس کے اندر اپنے بچوں کے نہلانے دھلانے پڑھانے سکھانے اور امورِ خانہ داری کو سنبھالنے کی استعداد پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ وغیرہ مسائل کو سنجیدگی کے ساتھ سوچے بغیر اور ساس سسر کو ضرورت کا احساس دلا کر باہم اعتماد کی فضا قائم کئے بغیر الگ مکان کی فکر بہت سے انتشار اور پھوٹ کا سبب بنتی ہے اور نہایت خود غرضی اور بے رحمی ہے، جب تک حالات بن نہ پائیں، شوہر کے والدین اجازت نہ دیں، شوہر کے بھائی کی بیویوں اور شوہر کی بہنوں کے ساتھ خدمت تواضع اور معافی کا معاملہ کریں، انسان خصوصاً عورت کے ساتھ صحت مرض، حمل ولادت وغیرہ

---

(۱) الرد المحتار علی الدر المختار: ۳۷۸/۵-۳۷۹

(۲) الهدایة: ۴۲/۲، المکتبة الاسلامیة

کے اونچ نیچ لگے ہوئے ہیں، سماج سے کٹ کر کوئی زندگی نہیں گذار سکتا، اگر الگ مکان میں رہ رہے ہوں تو اپنے والدین کی طرح شوہر کے والدین کی مزاج پرسی اور ہر قسم کا تعاون کرتے رہے۔

بیوی کو چاہئے کہ شوہر کے احوال اور اس کی وسعت اور گنجائش کو علاحدہ مکان اور رہائش کے مطالبہ کے وقت پیشِ نظر رکھے، جب تک اس کے احوال درست نہ ہوں موجودہ زندگی اور احوال کو سہتی رہے، اس حوالے سے یہ اثر نصیحت خیز ہے۔

حضرت محمد بن حنفیہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: وہ صاحبِ عقل وحکمت نہیں ہے جو اس شخص کے ساتھ رواج کے مطابق تعلقات نہ رکھے جس کے ساتھ بہرحال اس کو رہنا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے کشائش کا راستہ نکال دے ”لیس بحکیم من لا یعاشر بالمعروف من لا یجد من معاشرته بدًا، حتی یجعل اللّٰہ له فرجة أو مخرجًا“ (۱)

علاحدہ گھر کا مطالبہ کر کے بیوی اپنے شوہر اور اس کی ماں کے درمیان بلاضرورت جدائیگی اور دوری پیدا کر کے اس وعید کی مستحق نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص ماں اور اس کے لڑکے کے درمیان جدائیگی کرے تو اللہ عزوجل روزِ قیامت اس کے اور اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی پیدا کر دیتے ہیں ”من فرّق بین والدة وولدھا فرّق اللّٰہ بینه وبین اَحِبَّتِهٖ یوم القیامة“ (۲)

بیوی کے کاموں میں دلچسپی لیں

خوشگوار زندگی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ شوہر بیوی کے کاموں میں توجہ اور دلچسپی لے، مطلب یہ ہے کہ گھریلو کاموں میں تھوڑا ہاتھ بٹائے یا کم از کم اپنی جانب سے گھریلو معاملات میں کچھ مشورہ دے، اس طرح بیوی کے دل کو جیتا جا سکتا ہے۔

---

(۱) الأدب المفرد: باب التؤدة فی الأمور، حدیث: ۸۸۸، اس کو البانی نے صحیح کہا ہے۔

(۲) ترمذی، باب فی کراھیة التفریق بین السبی، حدیث: ۱۵۶۶، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اہل خانہ کی ضروریات کا خیال کرتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، ان کی بیوی بیمار حالت میں ہیں، انہیں سردی لگی اور وقت کے پیغمبر آگ ڈھونڈنے کیلئے چل پڑے، پروردگار کو یہ عمل پسند آیا اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔

نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ تھی، کبھی گھر میں آٹا گوندھ دیتے، گھر کی دیگر ضروریات کو پورا کرتے، حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کے گھر میں معمولات کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ: ”اپنے سر سے جوئیں نکالتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے، اپنے کپڑے سی لیتے اپنی خدمت خود کر لیتے، اپنے جوتے سی لیتے اور وہ تمام کام کرتے جو مرد اپنے گھر میں کرتے ہیں، وہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے ہوتے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو چھوڑ کر چلے جاتے ”ویکون فی مهنة اهله، اذا حضرته الصلاة قام الی الصلوة “ (۱)

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے اپنے غلاموں کے کاموں میں مدد کرنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا: حضرت سلام بن عمرو رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، ان سے اس کام میں مدد لو جو تم پر بھاری پڑے، اور ان کا تعاون کرو اس کام کی ادائیگی میں جو ان پر بھاری پڑے، ”استعینوهم علی ما غلبکم وأعینوهم علی ما غلبوا “ (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: خادم کے کام میں مدد کرو؛ کیونکہ اللہ کا بندہ جو اس کے نزدیک عامل ہے (یعنی) خادم وہ محروم نہیں رہتا ” اعینو العامل من عمله “ (۳)

---

(۱) ترمذی: باب مما فی صفة اوانی الحوض: حدیث: ۲۴۸۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب هل یعین عبده، حدیث: ۱۹۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس روایت کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب ما یکره من حبس الرقیق: ۷۲۱۴

(۳) الأدب المفرد: باب هل یعین عبده، حدیث ۱۹۱، البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے خادم کے کاموں میں مدد اور تعاون کرنے کو کہا ہے تو بیوی کے کاموں میں مدد وتعاون کس اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے اس کا خود ہی اندازہ لگالیں۔

شوہر بیوی پر بے جا شک نہ کرے

شوہر بیوی پر بے جا شک نہ کرے، شوہر میں غیرت اور حیا تو ہونی چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے کسی کے ساتھ دوستانہ یا میل جول یا ہنسی مذاق ہرگز برداشت نہ کرے؛ لیکن بے جا بغیر کسی یقینی اور حقیقی بات کے محض اپنے شک وگمان کی بناء پر بیوی پر الزام تراشی، روزانہ کی تو تو میں میں، لڑائی جھگڑا اور بات کا بتنگڑ بنانا اور ہر وقت بے جا شک کی سوئی بیوی کی جانب کرکے اس کو لعن طعن اور ملامت کا نشانہ بنانا، اسے ہر وقت کڑوی اور کسیلی سناتے رہنا یہ کسی بھی طرح درست نہیں، اسی کو حدیث میں یوں فرمایا:

حضرت جابر بن عتیک ؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک غیرت وہ ہے جو اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہے اور ایک غیرت وہ ہے جو اللہ کو ناپسند ہے، جو غیرت اللہ کو پسند ہے یہ غیرت ہے جو شک کی جگہ میں اور تہمت کی جگہ میں ہو (مثلاً: شوہر یہ دیکھے کہ کوئی اجنبی شخص اس کی بیوی کے پاس آمد ورفت رکھتا ہے یا وہ کسی اجنبی مرد کے پاس آتی جاتی ہے اور دونوں کے درمیان مزاح ومذاق کا تبادلہ ہوتا ہے، اگر اس طرح کی کوئی شک وشبہ والی بات نہ ہو، بس یوں ہی بغیر کچھ دیکھے اور سمجھے محض شک کی بنیاد پر الزام تراشی ایسی غیرت اللہ کو ناپسند ہے، یہ محض بدگمانی کے قبیل سے ہے) اور ایک غیرت جو اللہ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہے وہ ہے جو بغیر کسی شک کی جگہ کے ہو "وامّا الّتی یحبّها الله فالغیرة فی الریبة وامّا الّتی یبغضها الله فالغیرة فی غیر ریبة"(۱)

---

(۱) نسائی: الاختیال فی الصدقة: حدیث: ۲۵۵۸، حاکم نے اس حدیث کو صحیح السند کہا ہے: المستدرك: کتاب الزکاة، حدیث: ۱۵۲۵

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اگر کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں اس کو بلا جھجک تلوار سے ختم کر دوں گا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” اتعجبون من غيرة سعد لأنا أغير منه والله أغير منى “ (۱)

کیا تم سعد کی غیرت اور حمیت سے تعجب کرتے ہو، اللہ کی قسم! میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ عزوجل مجھ سے زیادہ غیرت رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے معراج کی رات ایک سفید محل دیکھا، جس کے صحن میں ایک لڑکی تھی، میں نے کہا: یہ محل کس کا ہے؟ تو بتلایا گیا کہ: عمر کا، میں نے اس میں داخل ہو کر اس کو دیکھنے کا ارادہ کیا، معاً مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ پر غیرت کر سکتا ہوں؟ ”بأبی انت وامی یا رسول الله او علیك اغار “ (۲)

مطلب یہ ہے کہ موقع اور محل کے لحاظ سے غیرت مطلوب اور محمود ہے، اس کو یہاں مقام مدح میں ذکر کیا گیا ہے۔

عورت کی رائے کا احترام کیا جائے

صلح حدیبیہ کا موقع ہے، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم تقریباً پندرہ سو کی تعداد میں ساتھ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خدائی بصیرت، دور اندیشی سے بظاہر دب کر کفار سے صلح کر لی، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم طبعی طور پر غمزدہ تھے، صلح نامہ لکھے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا” قوموا فانحروا“ کھڑے ہو جاؤ، اور

---

(۱) بخاری: باب من رأى مع امرأته رجلاً، حدیث: ٦٤٥٤

(۲) مسند احمد: مسند جابر بن عبد الله، حدیث: ١٥٠٤٤، شعیب الارنؤوط نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

اپنے جانوروں کو ذبح کرکے واپس چلو؛ لیکن تین مرتبہ کہنے پر بھی نڈھال صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے نہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر صحابہ کی اس حرکت کا ذکر کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت حسن ظن اور مزاج فہمی کے ساتھ یہ رائے دی کہ آپ ان سے کچھ نہ کہئے، کھڑے ہوکر اپنا اونٹ ذبح کردیجئے اور حلق کرالیجئے، ” اخرج، ثم لا تكلّم أحداً منهم كلمة حتى تنحر بدنك وتدعوا حالقك فيحلقك “ حضور اکرم ﷺ نے ان کی رائے قبول کی، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ (۱)

چنانچہ آپ ﷺ نے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے مطابق باہر نکل آئے، اپنی قربانی کی اور احرام اُتارنے کیلئے بال منڈھوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کی اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

قرآنِ کریم میں ہے کہ بلقیس جو سورج پرست تھیں اور قوم سبا کی سربراہ تھیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد کے ذریعہ خط بھیج کر اسلام کی دعوت دی تو اس عورت نے سارے مرد وزراء سے رائے لی ” مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنَ “ (۲)

اس طرح سارے مرد اس کے حوالے ہوگئے کہ ہم تمہارے فیصلہ پر راضی ہیں، جب عورت مشورہ اور رائے لینے کے ذریعہ سے مردوں کو اپنے سے جوڑ سکتی ہے تو مرد کو تو ضرور عائلی مسائل میں بیوی کی رائے لینا چاہئے، اس طرح جوڑ باقی رہتا ہے۔

☆ گھر والوں کو دیندار بنائیں

شوہر کو چاہئے کہ شریعت کی پابندی خود بھی کرے اور اپنی بیوی واولاد سے بھی کروائے، شریعت کی پابندی نہ کرنے کا براہِ راست اثر سارے گھر پر پڑتا ہے، بیوی اور اولاد نافرمان

---

(۱) بخاری: باب الطيب للجمعة: حديث: ۱۰۲، مع تحقيق محمد زهير بن ناصر

(۲) النمل: ۳۲

ہو جاتی ہے؛ اس لئے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخن تک سنتوں کا اہتمام ہو، خصوصاً پردہ وغیرہ کا اہتمام کروایا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گھر میں تشریف لاتے تو کسی قدر آواز سے یہ الفاظ دُہراتے: لو كان لابن ادم واديا من مال لا بتغى واديًا ثالثا ولا يملأ فمه الا التراب وما جعلنا المال الا لاقامة الصلوة وايتاء الزكوة و يتوب الله على من تاب (۱)

آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر دولت و مال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں تو وہ تیسرے کی حرص کرے گا، اس کی حرص کے منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دولت تو اپنی یاد دِلانے اور مسکینوں کی مدد کرنے کیلئے پیدا کی ہے، جو اللہ کی طرف لوٹے تو اللہ بھی اس کی طرف لوٹے گا، ان الفاظ کی روزانہ تکرار سے مقصود یہ تھا کہ تمام اہل بیت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا ہیچ ہونا یاد رہے۔

حضرت فضلؒ تابعین میں سے ایک بزرگ تھے، وہ فرماتے تھے کہ: جب بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں مجھ سے کوتاہی ہوئی تو میں نے اس کا اثر اپنی بیوی میں یا اپنی باندی میں یا اپنی سواری کے جانور میں دیکھا، یعنی میں نے اللہ کے حکم کو ماننے میں سستی اور غفلت کی تو جو چیزیں میرے ماتحت تھیں انہوں نے میرے حکم کو ماننے میں کوتاہی کی "انی لأعصي الله فأعرف ذلك في خلق دابتي وزوجتي" (۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی، ان میں ایک وصیت یہ فرمائی کہ: "ولا ترفع عنهم عصاك" ان کو ادب سکھانے کے پیشِ نظر ان سے اپنی لاٹھی اُٹھا کر مت رکھنا، مطلب یہ ہے کہ: اپنے گھر والوں کو ادب و اخلاق کے سکھانے میں کمی کوتاہی نہ کرے اور لاٹھی اٹھا کر مت رکھ دینا کہ وہ مطمئن ہو کر

---

(۱) مسند احمد : ٥٥/٦

(۲) حلية الأولياء : الفضيل بن عياض ، حديث : ١١/٢١

احکام خداوندی کو فراموش کردیں، مقصد یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو اللہ تعالی کے احکام پر لگانے کی ہر وقت فکر رکھو، دین کے بارے میں ان کا خیال رکھنا خواہ ان کو گوار گذرے یا ناگوار، نمازیں پابندی سے پڑھاؤ، رمضان کے روزے رکھواؤ، حرام کاموں سے بچاؤ، گناہوں سے پرہیز کرواؤ، اخلاق وآداب سکھواؤ، خواہ اس کیلئے مار پیٹ کرنی پڑے، اور فرمایا:

"وأخَفْهم في الله" (۱)

اوران کو (اللہ کے احکام وقوانین) کے بارے میں ڈراتے رہنا (، مطلب یہ ہے کہ محض ڈنڈے ہی کے زور سے کام نہ چلاؤ، اس میں گھر والے صرف تم سے ڈریں گے، بلکہ یہ کرو کہ خدا سے ڈریں، ان کے دل میں خدائے پاک کا خوف بٹھانے کی کوشش کرو، اگر خدا کا خوف بیوی بچوں کے دل میں بٹھادیا تو فرائض کی ادائیگی اور گناہ چھوڑنے میں اور نوافل اور اذکار میں لگنے میں انہیں تکلیف محسوس نہ ہوگی۔

اور ایک جگہ میاں بیوی کے آپس میں ایک دوسرے کو خیر کی ترغیب دینے کی صورت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مرد پر اللہ رحم فرمائے جو رات کو اٹھے اور نوافل ادا کرے، اپنی بیوی کو جگائے اور وہ بھی نوافل ادا کرے اور اگر بیوی اٹھنے میں سستی کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر اُسے جگائے "رحم الله رجلًا قام من اللّيل فصلّى وأيقظ امرأته فصلّت، فان أبت رشّ في وجهها الماء" اللہ رحم فرمائے اس عورت پر جو رات کے وقت اٹھے اور نفل پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی جگائے اور وہ بھی نفل پڑھے اور اگر شوہر اٹھنے میں دیر کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر اسے جگائے۔(۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو جگاتا ہے اور وہ دونوں مل کر

---

(۱) المستدرك: ذكر أميمة مولاة رسول الله، حديث: ٦٨٣٠، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عمرو بن واقد ہیں، ان کو بخاری اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ثوری کہتے ہیں: وہ صدوق تھے: مجمع الزوائد: باب الكبائر: حديث: ٣٩٦

(۲) ابوداؤد: باب قيام الليل، حديث: ١٣٠٨

دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تو شوہر کا نام ذکر کرنے والوں میں اور بیوی کا نام ذکر کرنے والیوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ شب میں خدا کے حضور کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہتے، پھر جب سحر کا وقت آتا تو اپنی رفیقۂ حیات کو جگاتے اور کہتے: اُٹھو اُٹھو، نماز پڑھو، اور پھر یہ آیت پڑھتے "وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا" (۱)

جس کے سامنے قبر کے حالات بیان ہوتے رہتے ہوں، میدانِ حشر کا عالم بیان کیا جاتا ہو، دوزخ کے سخت عذاب کی کیفیت بیان کی جاتی ہو وہ شخص گناہوں کی جرأت کیسے کرے گا اور کیونکر خدائے پاک کی رضا اور ہمیشہ کے آرام وراحت کی جگہ یعنی جنت کا طالب نہیں ہوگا۔

بیوی سے محبت کا اظہار کرے

شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے محبت والفت کا اظہار بھی کرتا رہے، کوئی ایسا قول یا عمل کرے جس سے بیوی کی محبت کا اظہار ہوتا ہو، اس سے آپس کے تعلقات پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، نبی کریم کو اپنی ازواج سے بے انتہا محبت تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پیالہ لے کر اس جگہ سے پانی پیتے جہاں سے میں نے پانی پیا ہوتا، "ویضع فمه حيث وضعت فمي في القدح" (۲)

سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ "كنتُ اتعرّق العظم وانا حائض فيأخذ رسول الله فيضع فمه حيث كان فمي" میں حالتِ حیض میں (کھانے کے دوران) ہڈی کو چوستی تو آپ ﷺ جہاں سے میں نے اس ہڈی کو چوسا ہوتا تھا وہاں منہ رکھ کر ہڈی کو چوستے۔ (۳)

---

(۱) کنز العمال: فضائل الفاروق: حديث: ۳۵۷۵۸

(۲) نسائي: كتاب الطهارة، باب مؤاكلة الحائض والشراب من سؤرها، حديث: ۲۷۹
اس روایت کو البانی نے صحیح السند قرار دیا ہے۔

(۳) ابن ماجه: كتاب الطهارة، باب ما جاء مؤاكلة الحائض وسؤرها، حديث: ٦٤٣،
محقق شعیب الارنؤوط نے اس حدیث کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی بی بی عاتکہؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد کو بھی ترک کر دیا تھا، اس خیال سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا، پہلے تو انہوں نے ٹال دیا؛ لیکن جب ان کی طرف سے سخت اصرار رہا تو اطاعتِ والدین کے خیال سے طلاق دی اور یہ اشعار کہے :

اعاتك لا انساك ما ذرّ شارق　　وما ناح قمری الحمام المطوق
اعاتك قلبی كل يوم وليلة　　اليك لما تخفی النفوس معلق
ولم ار مثلی طلق اليوم مثلها　　ولا مثلها فی غير حرم تطلق

اے عاتکہ! سورج چمکتا اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا
اے عاتکہ! میرا دل ہر دن اور ہر رات بصد ہزار تمنا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے
مجھ جیسے شخص نے اس جیسی عورت کو طلاق نہ دی ہوگی اور نہ ایسی عورت کو بغیر گناہ طلاق دی

حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ان اشعار کا سخت اثر ہوا اور انہوں نے رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔ (۱)

بیوی کے اچھے کاموں کی تعریف کرے

☆ شوہر بیوی کے اچھے کاموں کی تعریف کرے مثلاً: آپ نے کھانا بہت اچھا بنایا، اب یہ کھانے کی تعریف کرنا بھی سنت ہے، نبی کریم ﷺ کے سامنے جب کھانا آتا، اگر کھانا ناپسند ہوتا تو آپ ﷺ خاموش رہتے اور آپ ﷺ کھانا تناول نہ فرماتے، مگر زبان سے کچھ نہ کہتے؛ لیکن اگر کھانا اچھا ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے: کھانا اچھا ہے "ما عاب رسول الله طعامًا قطّ ان اشتهاه أكله ان كرهه تركه" (۲)

اگر کسی کام پر تنقید کرنی ہو تو اس کے اچھے کام کی تعریف بھی کی جائے، اگر تعریف کرتے ہوئے کبھی ایک دفعہ تنقید کی جائے تو وہ قابلِ اصلاح سمجھ کر اصلاح کرلے گی، نبی کریم ﷺ کا

---

(۱) الاستيعاب فی معرفة الأصحاب: ۱۰۷/۲

(۲) بخاری: باب ماعاب النبیا طعامًا قط: حدیث: ۵۰۹۳

طریقۂ کار بھی یہی تھا کہ ایک صحابی تھے، تہجد کی نماز میں ان کیلئے اٹھنا مشکل تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کو بلایا اور نام لے کر فرمایا کہ: یہ آدمی بڑا ہی اچھا ہے، مگر تہجد کا پابند ہوتا تو کیا بات تھی " نعم الرجل عبد الله لو كان يقوم من الليل " (۱)

بیوی کے عزیز واقارب سے بے اعتنائی نہ کرے

☆ بیوی کے عزیز واقارب سے بے اعتنائی اور بے التفاتی نہ برتے، بیوی کی طرح ان کے اہل خانہ سے بھی محبت رکھے، یہ نہ کہے کہ تم سے تو مجھے پیار ہے مگر تمہارے ابو، یا تمہاری امی، یا تمہارے بھائی مجھے اچھے نہیں لگتے، ہر شخص کو اپنے والدین، بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ جذباتی لگاؤ ہوتا ہے، یہی حال بیوی کا ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت خدیجہؓ پر غیرت آتی تھی حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ان کا کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے، کبھی بکری ذبح فرماتے تو اس کا گوشت حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بھیجا کرتے تھے بعض مرتبہ میں نے کہا " كانه لم يكن في الدنيا امرأة الا خديجة " کیا دنیا میں خدیجہ کے علاوہ کوئی عورت نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے، "انها كانت وكان له منها ولد" ان کا مقام اونچا ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ (۲)

بیوی کے ساتھ وقت گذاری کرے

خوشگوار زندگی کیلئے یہ اصول بھی ملحوظ رہے کہ بیوی کے ساتھ وقت گذاری کریں، یوں نہیں کہ دفتر کی مصروفیات کے بعد دیر رات تک دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں گذار دیں، جب آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جائیں تو بستر پر آ کر دھڑام سے لیٹ جائیں، بیوی سے بات نہ کریں، خیر وخیریت دریافت نہ کریں، صحیح یہی ہے کہ رات کے اوقات اپنے اہل کے ساتھ گھروں میں گذاریں، اسی میں سکون وعافیت ہے۔

---

(۱) بخاری: باب فضل قيام الليل: حديث: ۱۰۷۰

(۲) بخاری: باب تزويج النبی، حديث: ۳۶۰۷

قرآن مجید میں تین چیزیں باعث سکون بتلائی گئی ہیں :

۱- ایک بیوی شوہر کیلئے سکون کا باعث ہوتی ہے: چنانچہ قرآن مجید فرمایا: " اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا " (۱) تم میں سے تمہارے لئے جوڑا اس لئے بنایا کہ تم سکون حاصل کرو۔

۲- گھر انسان کیلئے سکون کا باعث ہوتا ہے، اس لئے اس کو مسکن کہتے ہیں " وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا " (۲) اور اللہ نے تمہارے گھروں میں سکون رکھا۔

۳- " هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا " (۳) وہ جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو۔

کچھ تجربہ کی باتیں

اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں کی بے جا حمایت نہ کرے، بیوی کا احسان سمجھے کہ وہ اپنے علاحدہ مکان کے حق کو معاف کر رہی ہے اور ماں باپ، بھائی بہنوں کی یعنی نند اور دیور کی خدمت کر کے مجھ پر احسان کر رہی ہے، میکے آنے جانے، علاج ومعالجہ اور خرچ وغیرہ دینے کے معاملہ کو شوہر اپنے ذمہ میں رکھے؛ کیوں کہ وہی اس کا ذمہ دار ہے، ہر وقت ہر چیز میں ماں سے اجازت لینے پر مجبور نہ کرے، یہ بات ضرور ہے کہ ماں کی رائے سے اپنی رائے ملانا اور اطلاع واعتماد میں رکھنا بہت ضروری ہے، بیوی کے خاندان کو ذلیل ورسوانہ کرے، اگر نند اور دیور اور جیٹھ جٹھانی سے مزاجوں کی موافقت نہ ہو رہی ہو تو ایک ہی گھر میں رہنے اور ایک ہی چولہے سے کھانے پر اصرار نہ کرے، بیوی کے ماں باپ کیلئے

---

(۱) الروم : ٢١

(۲) النحل : ٨٠

(۳) یونس : ٦٨

تحفے تحائف دیا کرے، نہ ہی سسرال کو اپنا دشمن سمجھے کہ وہاں کے کھانے پانی کو بھی قبول نہ کرے اور نہ ہی اتنا بے غیرت بن جائے کہ وہیں کی روٹیوں پر پلنے کو طئے کر چکا ہو، خدائے مجازی ہو کر بھی بیوی کو معاف نہ کرے تو وہ کیسا شوہر ہے؟ ضرور کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق رکھے، قدم قدم پر ان سے پوچھ کر چلتا رہے اور بیوی کو بھی کسی اللہ والے سے وابستہ کرے، کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ دونوں ناراضگی کی حالت میں نہ سوئیں تو ایک بڑھ کر معاملہ صاف کرالے۔

شوہر بیوی کی خوبیاں اور قربانیاں دیکھے، گھر آنے کے بعد دن بھر کی کہانیاں سننے کیلئے وقت دے، بیوی کی خوبیوں کا اعتراف بھی کریں، بیوی کے خاندان کو اپنا خاندان سمجھے، کبھی ساس، سسر، نسبتی برادر، نسبتی ہمشیرہ کو برا نہ کہیں، سسرالی مہمان آنے پر ان کا اپنائیت سے اکرام کرے، والدہ اور بیوی کی شکایت اہتمام سے سن کر ہمیشہ حل کرنے کا اطمینان دِلائے، بیوی کو اگر ماں کے ساتھ رکھ رہا ہو تو الگ سے کچھ خرچ بھی دے دیا کرے، ماں باپ کی گھریلو ضرورتوں کا خیال ضرور رکھے مگر یہ مسئلہ میں بیوی کو ان کے ساتھ ماتحت نہ کر دے، ماں کو اعتماد میں لے کر اطاعت میں کام کرے، اپنی بہنوں اور بھائیوں کو بیوی شوہر کے رشتہ میں دخل دینے نہ دے، بیوی سے محبت میں یا ماں سے محبت میں دوسرے پر ظلم ہونے نہ دیں، ایک غصہ میں ہو تو دوسرا خاموش ہو، دونوں ایک ساتھ غصہ نہ کریں، آپریشن، بی پی اور شوگر نارمل کر کے ہوا کرتا ہے، اگر نظام جسم غیر معتدل ہو تو آپریشن مفید نہیں ہوتا، نصیحت معتدل فضا میں مؤثر ہوتی ہے، گرم سرد فضا میں نہیں، گھر والی کی گھریلو ضروری اشیاء بروقت فراہم کر دے۔

بیوی کی ذمہ داریاں

جس طرح شوہر کے ذمے کچھ حقوق و فرائض ہیں، ایسے ہی عورت سے متعلق کچھ حقوق ہیں جس کی رعایت کرنا زندگی کے اس طویل سفر کو طے کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔

”وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ“ (۱) عورتوں کا حق مردوں پر ایسے ہی ہے جیسا کہ دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔

مرد امیر ہے

جب یہ معلوم ہو چکا کہ مرد و عورت زندگی کے سفر کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، زندگی کا سفر دونوں کو مل کر ایک ساتھ طے کرنا ہے، اب زندگی کے طویل سفر میں انتظام کے خاطر یہ بات لازم ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک شخص کو سربراہ اور ذمہ دار بنایا جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تین شخص سفر کر رہے ہوں تو ایک شخص کو امیر بنالو؛ تا کہ وہ سارے انتظامات میں اس کے ماتحت ہو ”اذاخرج ثلاثة فی سفر فلیؤمّر أحدهم“ (۲)

لہٰذا جب ایک چھوٹے سے سفر میں امیر بنانے کی تاکید کی گئی ہے تو زندگی کا یہ طویل سفر جو ایک ساتھ گذارنا ہے، اس میں یہ کیسے ہوتا کہ یہ سفر بغیر کسی امیر اور سربراہ کے طے ہو جاتا، زندگی کے اس سفر میں مرد کو سربراہ بنایا جائے یہ زیادہ قرین قیاس ہے، مرد خلقت، فطرت،

---

(۱) البقرة: ۲۲۸

(۲) ابوداؤد: کتاب الجهاد، باب فی القوم یسافرون ویؤمّرون أحدهم، حدیث: ۲۶۰۸، علامہ نووی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ کہا کہ: ابوداؤد نے اس روایت کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: المجموع: ۴/۳۳۰

قوت، صلاحیت ہر اعتبار سے عورت سے فائق اور برتر ہے، اس کے مقابل عورت پر زندگی کا ایک طویل وقفہ ایسا گذرتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک بیکار ہوکر رہ جاتی ہے، دوسروں کی محتاج ہوجاتی ہے، یعنی حمل، رضاعت، بچوں کی تربیت، حیض ونفاس کا زمانہ، اسی کو فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (۱) مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے، اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

اسی کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں یوں فرمایا ہے:

”ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوّام بنایا جائے، اور فطرت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مرد کو عورت پر غلبہ حاصل ہو؛ اس لئے کہ مرد عقل میں کامل، سیاست میں ماہر، حمایت میں مضبوط اور ننگ وعار کو دور کرنے کی صلاحیت کا مالک ہے، اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے، مرد عورت کو کپڑا، روٹی اور گھر مہیا کرتا ہے۔“ (۲)

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ ”قوّام“ کا جو لفظ یہاں اللہ عز وجل نے استعمال کیا ہے ”امیر“ ”حاکم“ ”یا بادشاہ“ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے؛ چونکہ ”قوّام“ کے معنی ذمہ دار کے آتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی گذارنے کا طریقہ وہ طے کرے گا، اسی کے منصوبے کے مطابق زندگی گذاری جائے گی، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ شوہر آقا ہے اور بیوی اس کی کنیز یا لونڈی، اسلام میں ”امیر“ یا ”حاکم“ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تخت پر بیٹھ کر حکم چلائے؛ بلکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ (۳)

---

(۱) النساء: ٣٤

(۲) حجة الله البالغة : حقوق الزوجية ، ١٣٦/٢

(۳) کنز العمال: اداب متفرّقة، حديث: ١٧٥١٧، علي المتقي الهندی کہتے ہیں: اس روایت کو عجلونی نے کشف الخفاء میں ذکر کیا ہے اور اس کے متعدد طرق کو بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ: یہ حدیث ضعیف ہے اور کہا ہے کہ: یہ کہا جاتا ہے کہ یہ روایت تعدد طرق کی وجہ سے حسن درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

مرد، عورت کیلئے ''قوّام'' ہے؛ لیکن ساتھ میں دوستی کا تعلق بھی ہے، انتظامی طور پر ''قوّام'' ہے؛ لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، ایسا تعلق نہیں ہے جیسا آقا اور کنیز کے درمیان ہوتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے دو دوست کسی سفر پر جا رہے ہوں، اور ایک دوست نے دوسرے دوست کو امیر بنالیا ہو؛ لہٰذا شوہر اس لحاظ سے تو امیر ہے کہ ساری زندگی کا فیصلہ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسے نوکروں، ملازموں کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ بلکہ اس دوستی کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں، ان آداب اور تقاضوں میں نازکی کی باتیں بھی ہوتی ہیں، جن کو حاکم ہونے کے خلاف نہیں کہا جاسکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :

ہمارے یہاں بعض مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حاکم ہیں؛ لہٰذا ہمارا اتنا رعب ہونا چاہئے کہ ہمارا نام سن کر بیوی کانپنے لگے، اور بے تکلفی کے ساتھ بات نہ کرسکے، میرے ایک ہم سبق دوست تھے، انہوں نے ایک مرتبہ بڑے فخر کے ساتھ مجھ سے یہ بات کہی کہ جب میں کئی مہینوں کے بعد اپنے گھر جاتا ہوں تو میرے بیوی بچوں کی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ میرے پاس آجائیں، اور مجھ سے بات کریں، بڑے فخر کے ساتھ وہ یہ بات کہہ رہے تھے میں نے پوچھا: آپ جب گھر جاتے ہیں تو کیا کوئی درندہ، شیر یا چیتا بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بیوی بچے آپ کے پاس آنے سے ڈرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ: یہ نہیں؛ بلکہ اس لئے کہ ہم ''قوّام'' ہیں ہمارا رعب ہونا چاہئے، اچھی طرح سمجھ لیں کہ ''قوّام'' ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچے پاس آنے اور بات کرنے سے بھی ڈریں؛ بلکہ اس کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے اور دوستی کا تعلق کس طرح ہونا چاہئے اس کا نمونہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ملتا ہے، جیسا کے اس بارے میں حضور اکرم ﷺ کے بیویوں کے ساتھ سلوک کے واقعات پہلے گذر چکے۔

بیوی شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرے

اللہ عزوجل نے مرد کو عورت کے مقابل جو فضیلت اور شرافت سے نوازا ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے بیوی کو شوہر کی تعظیم بجالانا چاہئے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی مخلوق کیلئے سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے "لو كنتُ امر أحدًا أن يسجد لأحدٍ لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها" (۱)

حضرت عبداللہ وضاحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ایک بیوی ہے جب میں اس کے پاس جاتا ہوں تو مجھ سے کہتی ہے: میرے سردار اور میرے گھر کے سردار! تم کو مبارک ہو، "مرحبًا بسيدى وسيدى اهل بيتى" اور جب وہ مجھے غمزدہ دیکھتی ہے تو کہتی ہے: کیا تمہیں دنیا نے غم واندوہ میں مبتلا کر رکھا ہے، آخرت کا معاملہ ہی تمہارے لئے بہت زیادہ بھاری ہے، "ما يحزنك الدينا، وقد كفيت أمر الأخرة" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اسے یہ بتلا دینا کہ وہ اللہ کیلئے کام کرنے والوں میں سے ایک ہے، اور اس کیلئے مجاہد کا آدھا ثواب ہے۔ (۲)

عورت شوہر کی محبت اور خوش نودی کو شوہر کی اطاعت وفرمابرداری ہی کے ذریعے حاصل کرسکتی ہے، یعنی جائز امور میں اطاعت کرکے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت پنج وقتہ نماز پڑھے رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار ہو تو

---

(۱) ترمذی: الرضاع، حق الزوج على المرأة، حدیث: ۱۱۵۹، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ روایت حسن اور غریب ہے، حاکم اور علامہ ذہبی نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے: المستدرك: كتاب البر والصلة: حدیث: ۷۳۲۵

(۲) كنز العمال: الفصل الثانی فی ترغیبات تختص بالنساء، حدیث: ۴۵۵۱۵۰، علامہ سیوطی نے جامع الکبیر میں فرمایا ہے کہ: اس روایت کو خرائطی نے مکارم الاخلاق میں روایت کیا ہے، اور اس روایت کے ایک راوی زافر بن سلیمان کے بارے میں ابن عدی کہتے ہیں کہ: ان کی بیشتر روایتوں کے متابعات نہیں ہوتے اور حدیثوں کو اس کے ضعف کے باوجود نقل کرتے ہیں۔

وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے ”المرأۃ اذا صلّت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها ، واطاعت بعلها فلتدخل من أىّ أبواب الجنّة شاءت “ (۱)

حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک پھوپھی نبی کریم ﷺ کے پاس کسی ضرورت سے آئیں، وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہوگئیں تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم شوہر والی ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا اس کے ساتھ کیسا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سوچ لو تم کتنا حق ادا کر رہی ہو؟ کیوں کہ وہی تمہاری جنت اور دوزخ ہے ” فانظری این انت منه، فانّما هو جنّتك ونارك “ (۲)

قاضی شریحؒ نے اپنے ساتھی شعبی سے کہا: میں نے اپنی اہلیہ کی جانب سے بیس سال کی مدت میں کوئی مبغوض اور ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی، شعبی نے تعجب سے کہا: یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ قاضی شریح نے کہا: میں پہلی رات جب اپنی بیوی کے پاس گیا، تو اس کے قریب گیا اور اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا، تو بیوی نے کہا: ابو امیہ! رک جاؤ، پھر کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں اور درود وسلام اللہ کے رسول ﷺ پر...... میں ایک غریب اور اجنبی عورت ہوں اور مجھے تمہارے اخلاق کا کوئی علم نہیں، تم کو جو چیزیں محبوب ہیں اس کو بتلاؤ کہ میں اس کی پیروی کروں اور تمہاری ناپسندیدہ چیزیں بتاؤ کہ میں اس کو ترک کردوں ”انّی امرأۃ غریبة لا علم لی باخلاق فبیّن لی ما تحبّ فاتبعه وما تكره فاترکه “ میں نے کہا: حمد وصلاۃ کے بعد! تم نے ایسی بات کہی اگر تم اس پر ثابت قدم رہتی ہو تو اس میں تمہارا اچھا ہے، اور

---

(۱) حلیة الاولیاء: الربیع بن صبیح، ۶/۳۰۸، دار اکتاب العربی بیرروت، الطبعة الثانیة علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہیں، ان کی حدیث حسن درجے کی ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب حقّ الزوج علی المرأۃ ، حدیث: ۷۶۳۵

(۲) مسند احمد: حدیث محصین بن محصن، حدیث: ۱۹۰۲۵، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ اس روایت کے حسن ہونے کا احتمال ہے، حصین بن محصن مختلف فیہ ہیں۔

اگر اُسے تم چھوڑ دوگی تو اس کا وبال بھی تم ہی پر ہوگا، مجھے فلاں فلاں چیزیں پسند ہیں اور فلاں فلاں چیزیں ناپسند ” أحبّ كذا وكذا وأكره كذا وكذا “ (۱)

بیوی شوہر کی جائز اُمور میں اطاعت کے ذریعہ اس کی خوشنودی اور رضامندی کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

اسی کو یوں بیان فرمایا گیا:

تقوی کے بعد مسلمانوں کیلئے بہترین چیز جو اس کیلئے قابل استفادہ ہے، وہ نیک عورت ہے کہ اگر اسے شوہر حکم کرے تو بجالائے، اس کو دیکھے تو خوش کردے، اس کو قسم دے تو پورا کر دکھائے، اور اگر شوہر موجود نہ ہو تو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے ”ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرًا من زوجة صالحة ان أمرها اطاعته وان نظر اليها سرّته ، وان أقسم عليها أبرّته ، وان غاب عنها حفظته في نفسها ومالها “ (۲)

حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن بھی اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں: حضرت حولاء رضی اللہ عنہا عطر فروش تھیں، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں اور کہا: میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں اور بناؤ سنگار کرکے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جاکر سوتی ہوں؛ لیکن پھر بھی وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور پھر اعراض کرلیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ آئے تو ان سے بھی اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو، ” اذهبي أيتها المرأة فاسمعي واطيعي زوجك “ (۳)

---

(۱) عشرة النساء للنسائي: ۱/ ۱۲۹

(۲) ابن ماجه: باب افضل النساء: حديث: ۱۸۵۷، عجلونی کہتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ اور طبرانی نے ابوامامہ سے سند ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے؛ لیکن اس کے شواہد موجود ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی بھی کوئی اصل ہے: كشف الخفاء: ۲/ ۱۸۱، دار احياء التراث العربي

(۳) اسد الغابة: تذكرة حولاء العطارة: ۷/ ۷۷، دار الكتب العلمية، بيروت

ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے فرمایا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ بولیں، میں نے اس کو اس لئے بنایا ہے کہ آپ ﷺ کیلئے بناؤ سنگار کروں "صنعتُهنّ أتزيّن لك يارسول الله " (۱)

ایک صحابیہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپ ﷺ نے ان کے پہننے سے منع فرمایا، بولیں " انّ المرأة اذا لم تزين لزوجها صفلت عنده " عورت جب اپنے شوہر کیلئے بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے تو اس کی نگاہوں سے گر جاتی ہے۔ (۲)

شوہر کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کی خدمت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے والدۂ محترمہ حضرت مولانا ابوالحسن ندوی فرماتی ہیں:

"جس کے ساتھ تمہاری شادی ہوئی ہے اگر وہ مفلس ہے تو اسے تونگر سمجھو، اس کی عزت کرو، جو کہیں اس کے خلاف نہ کرو، بغیر ان کی اجازت کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤ، ان کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھو، جو کچھ تمہیں دیں خوش ہو کے لے لو اور جس کام کو کہیں ایسی خوبی کے ساتھ انجام دو کہ وہ خوش ہو جائیں، انہیں اس قدر آرام دو کہ وہ بے فکر ہو جائیں اور انہیں اپنی قلیل آمدنی سے تکلیف نہ ہو زندہ ہو کر رہیں، اپنے ہم نشینوں میں عزت پائیں، ان کی ضروریات اپنی ضروریات سے پہلے پوری کرو، انہیں جہاں تک ممکن ہو اچھا کھلاؤ، کپڑے ان کی مفلسی کے دور میں خود سی کر پہناؤ، ان کے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہو، کسی پر نہ ڈالو، چائے، ناشتہ اور کھانا وقت سے پہلے تیار رکھو، کوئی بات فکر کی اس وقت ان سے نہ کہو، بے ضرورت فرمائش نہ کرو، اگر وہ نہ کر سکیں گے تو ان کو اور تم کو دونوں کو ملال ہوگا، تمہاری قسمت ہے تو ضرور ملے گا، فرمائش بے کار ہے، جو ضرورت ہو حتی المقدور تم ہی پوری کرو،

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الزكوة، باب الكنز ما هو وزكوة الحلي، حديث: ۱۵٦۵، حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے: المستدرك: كتاب الزكاة، حديث: ۱٤۳۷

(۲) نسائی: كتاب الزينة، حديث: ۵۱٤۲، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس روایت کی سند ضعیف ہے اس کے ایک راوی ابی زید کی وجہ سے جو ابوہریرہ کے صاحب ہیں، البانی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

مردوں کو تکلیف نہ دو، بعضے متحمل مزاج نہیں ہوتے، انہیں سخت تکلیف ہوتی ہے"۔ (۱)

پھر آگے فرماتی ہیں کہ: جب مرد گھر آئیں تو آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ ہونے پائے، معلوم نہیں کس خیال میں آئے ہوں اور کیا خیال پیدا ہو جائے، کھانے کے وقت ایسی دلچسپی کی باتیں کرو کہ وہ خوش ہو کر کھائیں...... اگر اللہ نے تمہیں کچھ بھی لیاقت دی ہے تو ان کے غم غلط کرو، مصیبت بٹاؤ، لگی بجھاؤ، آرام دو، تکلیف میں شریک ہو، انہیں فکرمند دیکھو تو کوشش کرو کہ یہ پریشانی دور ہو جائے، اگر قرض دار ہو جائیں تو تم اپنی دست کاری و محنت سے سبکدوش کر دو، یا تمہارے پاس نقد ہو تو ہاتھ میں رکھ دو، یا زیور اتار کر دے دو کہ یہ ادائے قرض کیلئے ہے، اگرچہ وہ تمہارے میکہ کا کیوں نہ ہو، تم بلا تکلف اتار دو اور کچھ خیال نہ کرو؛ لیکن ان پر اپنا احسان نہ رکھو، یہ نہ سمجھو کہ ہم نے ایسا کیا ہے ورنہ سب کیا کرایا بے کار ہے۔ (۲)

شوہر کی شکر گذار اور اِطاعت شعار اور خدمت گذار رہیں

خانہ کعبہ بنانے سے پہلے دو دَفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بھی مکہ میں آئے ہیں مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں دفعہ گھر میں نہیں ملے اور اور زیادہ دیر ٹھہرنے کا حکم نہ تھا، سو پہلی بار جب تشریف لائے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر میں ایک بی بی تھیں اس سے پوچھا کہ کس طرح گزر ہوتا ہے کہنے لگی کہ بڑی مصیبت میں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہارے خاوند آئیں ان سے میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں، چنانچہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو سب حال معلوم ہوا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد تھے اور وہ چوکھٹ تم ہو، وہ یوں کہہ گئے ہیں کہ تجھ کو چھوڑ دوں، چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس بی بی کو طلاق دے کر پھر ایک اور بی بی سے نکاح کیا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ آئے ہیں تو یہ دوسری بی بی گھر میں تھیں، اس دوسری بی بی نے بڑی خاطر کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بھی گذران کا حال پوچھا،

---

(۱) حسن معاشرت : ۳۵-۳۶

(۲) حسن معاشرت : ۳۶-۳۷

انہوں نے کہا: خدائے تعالیٰ کا شکر ہے بہت آرام میں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کیلئے دعا کی اور فرمایا کہ جب تمہارے شوہر آئیں تو تو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قائم رکھیں چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آنے کے بعد یہ حال معلوم ہوا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی بی بی سے فرمایا کہ: یہ میرے باپ تھے یوں کہہ گئے ہیں کہ تم کو اپنے پاس رکھوں۔ (۱)

فائدہ: دیکھو! ناشکری کا پھل پہلی بیوی کو کیا ملا، ایک نبی ناراض ہوئے دوسرے نبی نے اپنے پاس سے الگ کر دیا اور شکر وصبر کا پھل دوسری بیوی کو کیا ملا کہ ایک نبی نے دُعا دی دوسرے نبی کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا، بیبیو! کبھی ناشکری نہ کرنا جس حالت میں ہو، صبر وشکر سے رہنا۔ (۲)

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کی خدمت گذاری

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت ہے جب حضرت ایوب علیہ السلام کا تمام بدن زخم ہوگیا اور سب نے پاس جانا چھوڑ دیا، یہ بی بی اس وقت خدمت گزاری میں مصروف رہتیں اور ہر طرح کی تکلیف اٹھاتیں، ایک بار ان کو آنے میں دیر ہوگئی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام نے غصہ میں قسم کھائی، اچھا ہو جاؤں تو ان کو سو لکڑیاں ماروں گا جب آپ کو صحت ہوگئی تو اپنی قسم پورا کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے یہ آسان حکم کر دیا کہ تم ایک جھاڑو لو، جس میں سو سینکیں ہوں اور ایک دفعہ مار دو۔ (۳)

فائدہ: دیکھو! کیسی صابرہ بی بی تھیں کہ ایسی حالت میں بھی برابر اپنے خاوند کی خدمت کرتی رہیں اور بیماری میں ان کی قسم سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مزاج نازک ہوگیا تھا وہ اس کو بھی سہتی تھیں اس خدمت اور صبر کی برکت تھی کہ اللہ میاں نے ان کو لکڑیوں سے بچوالیا،

---

(۱) قصص الأنبياء: ذكر مهاجرة إبراهيم بابنه اسماعيل وأمه: ۲۰۷/۱، مطبعة دار التأليف، القاهرة

(۲) بہشتی زیور اختری: ۸، آٹھواں حصہ

(۳) قصص الأنبياء: ذكر ما وقع من الأمور العجيبة في حياة أيوب: ۳۶۸/۱

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی پیاری تھیں کہ خدائے تعالیٰ نے حکم کو کیسا آسان کر دیا، اب یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اس طرح اگر کوئی قسم کھائے تو جھاڑو مارنے سے قسم پوری نہ ہوگی؛ بلکہ ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا ہوگا، بیبیو! خاوند کی تابعداری اور اس کی نازک مزاجی کو خوب سہار کیا کرو، تم بھی ایسی ہی پیار بن جاؤ گی۔(۱)

وہ اُمور جن میں شوہر کی اطاعت شرعاً واجب ہے

۱- مرد عورت کے نفس پر مطلقاً حاکم ہے، عورت کو اپنے نفس کے بارے میں انکار کا بالکل کسی وقت میں اختیار نہیں، سوائے ان چیزوں کے جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

۲- نہ بلا اجازت اور شوہر کی رضامندی اور بلا عذرِ شرعی کے مرد کے گھر سے کہیں باہر جاسکتی ہے۔

۳- اور نہ کسی غیر محرم کو بلا اجازت گھر میں بلاسکتی ہے۔

۴- نہ خلوت میں کسی غیر محرم کے پاس بیٹھ سکتی ہے، گرچہ پردہ حائل ہو۔

۵- نہ تنہائی میں کسی غیر محرم سے بات چیت کرسکتی ہے۔

۶- نہ بلا اجازت کسی غیر محرم کے سامنے ہوسکتی ہے۔

۷- نہ بلا اجازت زینت ترک کرسکتی ہے؛ کیوں کہ زینت بھی مرد کا حق ہے، جیسے مرد کی زینت عورت کا حق ہے۔

۸- نہ بلا اجازت نفلی روزے رکھ سکتی ہے اور تہجد پڑھ سکتی ہے، ان امور میں شوہر کی اطاعت مطلقاً واجب ہے، ورنہ وہ ناشزہ، غیر مطیع و نافرمان کہلائے گی۔

۹- عورت مرد کے مال میں بلا اجازت کسی کو بطور صلہ یا ہدیہ دینے کی حقدار نہیں، الا بالمعروف یعنی عرف میں عورتیں جس قدر بلا اجازت دینے کی مستحق ہیں۔(۲)

---

(۱) بہشتی زیور اختری: ۹، آٹھواں حصہ

(۲) میاں بیوی کے حقوق: از مولانا مفتی عبد الغنی، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، دینی بک ڈپو

شوہر کی اطاعت کے حدود

شوہر کی اطاعت نیک کاموں میں ہے، ناجائز امور اور حق تلفی اور نقصان دہ اور تکلیف وضرررساں امور میں اطاعت نہیں۔

جیسا کہ حضرت نواس ابن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مخلوق کے کسی ایسے حکم کی بھی تابعداری جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی ہو، ” لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق “(۱) یعنی ناجائز امور میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور ایک شخص کو اس کا سردار بنادیا اور لوگوں کو اس کی اطاعت کی تاکید کی پس اس نے آگ جلائی اور ان سے کہا آگ میں کود جاؤ پس کچھ لوگوں نے اس کی یہ بات ماننے سے انکار کیا اور کہا ہم تو آگ سے بھاگ کر اسلام میں آئے اور بعض لوگوں نے اطاعت امیر کی بنا پر آگ میں داخل ہونا چاہا یہ خبر جناب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ آگ میں کود جاتے تو وہ ہمیشہ اسی میں رہتے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے اطاعت تو صرف معروف میں ہے ” لا طاعة في معصية الله أإنما الطاعة في المعروف “ (۲)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ”مرقاۃ الصعود“ میں ” انما الطاعة في المعروف“ حدیث کے تحت لکھا ہے کہ: امام کا حکم شریعت کے حکم کے تابع ہے، اگر امام کسی امر واجب کا شرعی حکم دے تو اس میں امام کی اطاعت بھی واجب ہے اور اگر کسی امر مندوب (مستحب) کا حکم دے تو اس میں امام کی اطاعت بھی مندوب ہے، واجب نہیں، اور اگر کسی امر مباح کا

---

(۱) شرح السنة للامام البغوی: باب العتق علي الخدمة: ۱۰/۴٤، المكتب الاسلامی دمشق

(۲) ابوداؤد: باب الطاعة فی المعروف ، حديث: ۲٦۲٥

حکم دے تو اس میں اطاعت مباح ہے نہ واجب، نہ مندوب اور اگر کسی امر مکروہ کا حکم دے تو اس میں اطاعت مکروہ ہے، اور اگر کسی امر حرام کا حکم دے تو اطاعت حرام ہے۔ (۱)

اور شامی میں ہے کہ امیر کی اطاعت ہر امر میں واجب ہے بشرطیکہ معصیت اور خلافِ شرع نہ ہو، اور صریح مضر ونقصان رساں اور تکلیف دہ بھی نہ ہو؛ بلکہ نافع ہو اور مباح ہو۔ (۲)

تو اس سے شوہر کی اطاعت کا حکم بھی خود بخود معلوم ہوا کہ حکم جس درجہ کا ہو تو اطاعت بھی اسی درجہ ہوگی، امر واجب، مستحب، مباح کی اطاعت واجب، مستحب اور مباح ہوگی، اور امر مکروہ، حرام کی اطاعت مکروہ اور حرام ہوگی، مثلاً شوہر بے پردہ ہونے کو کہے، یا نامحرم کے سامنے بلائے، اس طرح کے امور میں شوہر کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

شوہر کی جنسی خواہش کی تکمیل کی جائے

شوہر کی جنسی خواہش کی تکمیل یہ بھی عورت کا ایک اہم فریضہ ہے؛ اس لئے بیوی کو چاہئے کہ شوہر جب اس کو اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے بلائے تو برضا ورغبت اس کیلئے تیار ہو جائے، اس حوالے سے شوہر کی اطاعت کس قدر ضروری ہے کا اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت طلق بن علی ؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کیلئے بلائے تو وہ فوراً اس کیلئے حاضر ہو جائے اگرچہ کہ وہ تنور پر بیٹھی (روٹی پکارہی ہو) " اذا الرجل دعا زوجته لحاجته خلت له وان كانت على التنور " (۳)

بلکہ ایک روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ ”اگر اس کے حکم کو وہ بجا نہ لائے تو گنہ گار ہوگی“ حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے کہ ”شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ

---

(۱) از: حاشیہ ابوداؤد: ۱/۳۵۳، مطبوعہ مجتبائی، کتاب الجہاد

(۲) میاں بیوی کے حقوق: ازمولانا مفتی عبدالغنی، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، دینی بک ڈپو

(۳) ترمذی: حق الزوج على المرأة، حديث: ۱۱۶۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

آنے سے انکار کردے تو فرشتے اس پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں "اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه فأبت أن تجئ لعنها الملائكة حتی تصبح" (۱)

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عورت اللہ عز وجل کا حق اس وقت تک ادا نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے، اگر وہ اس وقت اونٹ کے پالان پر ہو اور وہ اس سے اس کے نفس کا سوال کرے تو اُسے اس کے حق سے نہ روکے "المرأہ لا تؤدی حق اللّٰه حتی تؤدی حق زوجها كله ولو سألها وهو علی ظهر قتبٍ لم تمنعه حقها" (۲)

شوہر کے گھر کی نگرانی کرے

عورت کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ شوہر کے گھر کی نگرانی اور حفاظت کرے، اس کی حفاظت اور نگرانی میں بچوں کی تربیت، شوہر کے مال وجائیداد کی حفاظت اور خود اپنی عفت وعصمت کا تحفظ، یہ تمام باتیں داخل ہیں، اسی کی جانب اللہ عز وجل کے اس ارشاد میں اشارہ ہے "حٰفِظٰتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" (۳) ان پوشیدہ امور کی حفاظت کرے، جس کی حفاظت اللہ نے کر رکھی ہے۔

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "كلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته" تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے، اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا، اور پھر آگے آپ ﷺ نے فرمایا: "والمرأة راعية علی بيت زوجها وولده" اور وہ اپنے شوہر کے بچوں اور اس کے گھر پر نگہبان ہے۔ (۴)

---

(۱) بخاری: کتاب النکاح، اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حدیث: ۴۸۹۷

(۲) ابن ماجه: باب حق الزوج علی المرأة، حدیث: ۱۸۵۳، اس روایت کو حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے مغیرہ بن مسلم کے وہ ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب حق الزوج علی المرأة، حدیث: ۷۶۳۴

(۳) النساء: ۳۴

(۴) بخاری: باب الجمعة فی القریٰ والمدن، حدیث: ۸۵۳

اگر چہ شوہر اور اس کے گھر کی حفاظت کا یہ وصف تمام صحابیات میں موجود تھا؛ لیکن قریش کی عورتیں اس حوالہ سے خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا " نساء قريش خير نساء ركبن الابل ، احناه على الطفل، وارعاه على زوج في ذات يده " قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔ (۱)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، ایک بار وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہنے لگا کہ: اپنے سایۂ دیوار میں مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے، تو وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئیں، فیاضی اور کشادہ دِلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں؛ لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر حکم نہیں دے سکتی تھیں، بولیں: اگر میں اجازت دے دوں گی اور زبیر رضی اللہ عنہ انکار کر دیں تو بڑی مشکل پڑے گی، زبیر کی موجودگی میں آؤ، اور مجھ سے سوال کرو، وہ اسی حالت میں آیا اور کہا: ام عبد اللہ! میں محتاج آدمی ہوں، آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج آدمی کو خرید و فروخت سے روکتی ہو، وہ تو پہلے سے چاہتی تھیں کی اجازت دے دیں۔ (۲)

شوہر کی بغیر اجازت کے گھر سے باہر نہ جائے

☆ بیوی بلا اجازت شوہر کے عام حالات میں گھر کے باہر نہ جائے، ارشادِ خداوندی ہے " اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِنۡ وُجۡدِكُمۡ " (۳) عدت گذارنے والی عورتوں کو اپنی حیثیت کے موافق ہے رہنے کا مکان دینا۔

---

(۱) بخاری: باب الى من ينكح واى نساء خير، حديث: ٤٧٩٤

(۲) مسلم: كتاب الأدب، باب جواز ارداف المرأة الأجنبية اذا عييت في الطريق، حديث: ٢١٨٢

(۳) الطلاق : ٦٥

اسی لئے عورتوں کو اندرونِ خانہ رہنے کو کہا گیا ہے: "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى" اے نبی ﷺ کی بیویو! اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، اور اس طرح زینت دکھاتی نہ پھرو جس طرح اگلی عورتیں جاہلیت کے زمانے میں دکھاتی تھیں۔ (۱)

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: "ومنها ملك الحبس والقيد وهو صيروتها ممنوعة عن الخروج والبروز" (۲)

شوہر کا ایک حق "حبس" اور بیوی کو روکے رکھنے کا ہے یعنی وہ اپنی بیوی کو نکلنے اور گھر سے باہر جانے سے روک سکتا ہے۔

مجبوری کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً: بیوی کے والدین شدید بیمار ہوں اور کوئی تیماردار موجود نہ ہو تو شوہر کی ممانعت کے باوجود تیمارداری کیلئے والدین کے پاس جانا جائز ہے، "ولو أبوها زمنًا فاحتاج فعليها تعاهده ولو كافرًا وان ابى الزوج" (۳) اگر عورت کا باپ مثلاً اپاہج ہو، اور بیٹی کی خدمت کا محتاج ہو تو عورت پر اس کی دیکھ بھال واجب ہے، گو وہ کافر ہو، اور شوہر اس کی اجازت نہ دیتا ہو۔

اسی طرح والدین سے ملاقات وغیرہ کیلئے بھی (اگر والدین خود بیٹی کے پاس آنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں) تو جا سکتی ہے، کتنی مدت میں جا سکتی ہے، یہ رواج پر موقوف ہے۔

اس کے علاوہ خواتین اپنی اہم ضروریات کیلئے گھر سے باہر جا سکتی ہیں، جیسے: بیمار پڑ جائیں اور گھر سے باہر نکلے بغیر علاج ممکن نہ ہو وغیرہ، ابنِ نجیم مصری نے لکھا ہے کہ اگر عورت کو کوئی مسئلہ درپیش ہو اور شوہر معلوم کر کے اس کو مطلع نہ کر سکے تو تحقیق مسئلہ کیلئے کسی عالم یا مفتی کے پاس جا سکتی ہے۔ (۴)

---

(۱) الأحزاب: ٣٣

(۲) بدائع الصنائع: ٢/٣٣١

(۳) رد المحتار: ٢/٦٦٤

(۴) البحرا لرائق: ٤/١٩٥

عورتوں کو ہدایت

بہتر ہے کہ فون اس زمانے میں شوہر کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کریں؛ بلکہ اس کے فون سے اپنی ضروریات پوری کرلیں تو بہتر ہے، شوہر کی موجودگی میں اپنے رشتہ داروں سے طویل گفتگو نہ کریں؛ بلکہ شوہر کو وقت دیں، بیوی شوہر کو یاد رکھنا چاہئے کہ دونوں ایک دوسرے کے ماں باپ کے احترام کے بغیر اپنے رشتہ کو مضبوط نہیں کر سکتے، جب کبھی میکہ آئیں تو اپنی ساس کی خیر خیریت ضرور لے لیا کریں اور ساس کیلئے کوئی نہ کوئی ہدیہ ضرور لے جائیں، شوہر جب غصہ میں ہو تو خاموش ہو جائے، جائز چیزوں میں صرف شوہر کی اطاعت کریں، اچھی طرح جان لے کہ خاموش رہنے سے نقصان نہیں ہوتا، زبان میں ہڈی نہیں، اس سے ہڈی تو کیا رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے، ساس سے جلد جدا ہونے کی فکر نہ کرے، اخیر بڑھاپے میں اسے بھی تو اپنی اولاد کا سہارا چاہئے، سسرال میں میکے کی تعریف ہرگز نہ کرے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بہشتی زیور میں عورتوں کو بہت ساری نصیحتیں اور مفید ہدایات اور انتظامی اور خانگی امور سے متعلق چند ایک ہدایات دی ہیں جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بہترین جہیز

(مولانا سید عبد الحق صاحب رحمہ اللہ نے اپنی بیٹی سلمہا اللہ تعالیٰ کے عقد نکاح کے وقت جو کہ سنت کے طریق پر کیا گیا تھا چند ہدایتیں بوقتِ رخصتی لکھ کر دیں، جس کو افادۂ عام کیلئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنے کتاب ’’بہشتی زیور‘‘ کے چھٹویں حصہ میں شامل کیا تھا وہ یہ ہیں):

حامدًا ومصلیًا: پیاری دختر ’’أسعدك الله تعالىٰ في الدارين متفاولا باسمك الميمون‘‘ ابھی تک تم اپنی مادرِ مشفقہ (مشفق ماں) اور اپنے مہربان والد کے

سایۂ عاطفت میں پرورش پاتی رہی ہو، تمہارے والدین تمہارے آرام وراحت کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے رہے ہیں، تمہاری تعلیم وتربیت ودرستی واخلاق اور ہر قسم کے بہبودی کے ذمہ دار تھے، آج تم ایک نئی دنیا میں قدم رکھتی ہو جہاں تمہارے تمام اخلاق وعادات اور حرکات وسکنات کی ذمہ داری تم خود پر عائد ہوگی، اس لئے میں چند ہدایتیں تم کو کرتا ہوں کہ اگر تم ان پر کار بند ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ دین اور دنیا کی کامیابی تم کو نصیب ہوگی، وہ ہدایتیں یہ ہیں:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

سب سے مقدم اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کی اطاعت ہے، اس کا ہمیشہ دل سے خیال رکھو، خداوند تعالیٰ اور رسولِ مقبول ﷺ کے خلاف اگر کوئی کام کہے کہنے والا خواہ کوئی ہوئی ہو، اس کا کہنا ہر گز مت مانو، دیکھو ماں باپ کی اطاعت کی قرآن مجید میں حد درجہ تاکید آئی ہے اور جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے؛ لیکن خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف اگر ماں باپ بھی کہیں تو ان کا کہنا نہ مانو اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے، "فَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِاللّٰهِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا" اگر ماں باپ تجھے میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرنے پر مجبور کریں جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت اس بات میں مت کر اور دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتی رہ، ہم نے جو چہل حدیث تمہارے واسطے تالیف کی ہے اور اسے تم نے ترجمہ کے ساتھ یاد بھی کر لیا ہے، اس میں یہ حدیث: "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ چاہئے، پس جب تمہیں تہ دل سے اطاعتِ الٰہی کا خیال رہے گا تو جو احکامِ خداوندی ہیں تم خود ان کی پابند رہوگی، شرائع اور احکامِ الٰہی بہت ہیں، جن کی کسی قدر تفصیل تم نے دینی رسالوں خصوصاً بہشتی زیور میں پڑھی ہے، ان سب کی یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں؛ البتہ ان میں جو نہایت اہم ہیں ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

نماز کی پابندی

بعد اعتقادِ توحید الٰہی و رسالت پناہی محمد مصطفیٰ ﷺ کے جو چیز اہم اور قرآن شریف میں جا بجا اس کی تاکید آئی ہے وہ نماز ہے، نماز اسلام کا ایسا رکن اور فرض اہم ہے کہ عاقل، بالغ سے یہ کسی وقت ساقط نہیں ہوتا، پس نماز پنجگانہ نہایت پابندی کے ساتھ ہمیشہ وقت پر سفر و حضر میں برابر ادا کرتی رہو، اکثر مستورات پابند نماز ہونے پر بھی سفر کی حالت میں زیادہ اہتمام نماز کا نہیں رکھتیں، اس کا تم خیال رکھو کہ سفر میں بھی تمہاری نماز قضا نہ ہو، سفر یا ریل کا ہوتا ہے یا بس وغیرہ کا، اگر اپنی گاڑی سے سفر ہو تو اپنی سواری ایک طرف ٹھہرا دو اور ایک طرف ہو کر برقع یا بڑی چادر سے نماز پڑھ لو، اگر وضو نہیں ہے تو کسی بھی آڑ میں وضو کرلو، اور اگر ریل کی سواری ہے تو اور تم ایسی گاڑی میں سوار ہو جو مستورات کیلئے مخصوص ہے تو اس میں تم کو جبکہ تم نے پورا عزم نماز پڑھنے کا کر ہی لیا ہے خواہ کیسی کشمکش ہو نماز پڑھنے کی جگہ مل جائے گی، ریل اکثر اسٹیشنوں پر اتنی دیر ٹھہرتی ہی ہے کہ دو یا تین رکعت نماز پڑھ لیجاوے: کیوں کہ سفر شرعی میں یا دو رکعت نماز فرض ہے یا تین رکعت، پس اس قدر مہلت ضرور مل جاتی ہے، اگر سنن و نوافل مذکورہ بالا سفر میں نہ ہو سکیں تو کچھ مضائقہ نہیں؛ مگر فرض و واجب سفر کی حالت میں بھی نہ چھوڑو، اور اگر تم ایسی گاڑی پر سوار نہیں ہو جو عورتوں کیلئے مخصوص ہو تو ایسی صورت میں ضرور ہے کہ تمہارا شوہر یا محرم تمہارے پاس بیٹھا ہوگا، وہ ضرور تمہارا کفیل ہوگا، غرض عزم بالجزم کے سامنے کوئی روک نہیں جو نہایت مضبوطی کے ساتھ نماز کا پابند ہوگا خواہ عورت ہو مرد، سفر میں بھی نماز ادا کرے گا، ریل کی سواری گو اختیاری سواری نہیں ہے؛ مگر ترکِ نماز کے واسطے ہرگز عذر نہیں ہے، ہم بہت خوش ہیں کہ تم نماز نہایت اطمینان کے ساتھ جس میں پورے طور سے تعدیل ارکان ہوتی ہے ادا کرتی ہو، اللہ تعالیٰ تم کو مزید توفیق حسنات عنایت فرمائے، فرائض کے سوائے سنن مؤکدہ کا التزام بھی رکھو اور ہو سکے تو اور سنن و نوافل جو حدیث سے ثابت ہیں پڑھا کرو، تہجد کی نماز کا بہت بڑا ثواب ہے، اور ہمارے حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ تہجد کی نماز پڑھی ہے، اگر کبھی رات میں

پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے تو دن میں اس کو پڑھا ہے، آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی تہجد کی نماز پڑھتی تھیں، تہجد کا وقت مقبولیتِ دعا اور نزولِ رحمت کا وقت ہے۔

تلاوتِ قرآن کا اہتمام

کسی ایک نماز کے بعد تلاوتِ قرآن شریف بھی کرتی رہو، صبح کی نماز کے بعد وقتِ تلاوت مقرر رکھو تو اچھا ہے، تم نے قرآن شریف اور قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا ہے، تلاوت کے وقت ترجمہ کا بھی دھیان رکھو، اور جہاں سمجھ میں نہ آوے اسے پوچھ لو یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ تم قرآن شریف پڑھنے میں حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرتی ہو، اور عین اور حائے حطی اپنے مخارج سے ادا ہوتے ہیں، ورنہ عموماً عورتوں سے قرآن شریف پڑھنے میں مخارج سے حروف ادا نہیں ہوتے، حائے حطی اور ہائے ہوز اور عین کی جگہ الف یعنی ہمزہ نکلتا ہے۔

روزہ کا اہتمام

روزہ کی نسبت تمہیں تاکید کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم خود علاوہ رمضان شریف کے اور نفلی روزے بھی رکھتی ہو، جیسا کہ اکثر لڑکیوں کی عادت ہے اور خاص اس بات میں عورتوں کی ہمت مردوں سے زیادہ ہے؛ لیکن کہنے کی ضرورت یہ ہے کہ روزے کو پاک وصاف رکھو، غیبت سے تو پرہیز ہر حالت میں ضروری ہے، کیوں کہ غیبت سخت گناہِ کبیرہ ہے، اس کیلئے قرآن شریف اور حدیث شریف میں سخت وعید ہے؛ لیکن خاص کر روزہ میں بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے کہ کسی کی غیبت نہ ہو؛ غیبت سے روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ایسے روزہ کی پرواہ نہیں ہے جس میں آدمی جھوٹ اور غیبت وغیرہ میں مبتلا ہو۔

زکوۃ کی اہمیت

زکوۃ فرض ہے جیسے کہ تم نے دینی رسالوں میں پڑھا ہے اور اس کی شرائط کی تفصیل اور سونے چاندی کی مقدارِ نصاب کا حال اور مصارفِ زکوۃ کی طرف سے بے پرواہی ہوتی ہے

اول تو مال ایک عزیز چیز ہے، یوں بھی انسان کا دل اسے الگ کرنے نہیں چاہتا، دوسرے سستی اور لاپرواہی سے زکوۃ ادا نہیں کی جاتی ہے، اس کے ادا کرنے کا بہت خیال رکھنا چاہئے، تمہیں جو زیور ہم نے دیا ہے وہ قدرِ نصاب کو پہنچ گیا ہے، اس کی زکوۃ ہمیشہ ادا کرنی چاہئے، اگر شوہر بی بی کی جانب سے دے دے تو جائز ہے، اگر کوئی عورت جس پر زکوۃ فرض ہے اپنے مال میں سے زکوۃ دے، اور اس کا شوہر منع کرے تو اس میں شوہر کا کہنا نہ ماننا چاہئے جیسا کہ اوپر حدیث میں مذکور ہوا، ”لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق“ یہ مسئلہ صرف آگاہی کے واسطے لکھ دیا ہے، ورنہ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں ہرگز ایسا موقع پیش نہ آئے گا۔

حج کی فرضیت

حج فرض ہے استطاعت ہونے پر اور جس شخص پر حج فرض ہو جائے اور وہ حج ادا نہ کرے تو اس کیلئے سخت وعید حدیث میں آئی ہے، ایسے شخص کے نا مسلمان مرنے کی وعید مخبر صادق ﷺ نے فرمائی ہے، ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس جو زیور ہے، وہ اس قدر نہیں ہے کہ حج تم پر فرض ہو، عورت کیلئے علاوہ زادِ راہ کے محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا بھی شرط ہے جیسا کہ تم نے دینی رسائل میں پڑھا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی قدرت دے کہ حج فرض ہو جائے تو بلا تامل و تساہل حج ادا کرنا چاہئے۔

اب ہم چند باتیں تمہار معاشرت کے متعلق ذکر کرتے ہیں:

شوہر کی فرمانبرداری عورت پر واجب ہے اور احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے اور رسولِ مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اگر میں کسی انسان کیلئے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے؛ مگر چونکہ ہماری شریعت میں سجدہ تعظیم بھی حرام ہے؛ اس لیے آپ نے سجدہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی، اس حدیث سے خیال کرنا چاہیے کہ کس قدر شوہر کی فرمانبرداری کا حکم ہے، اور جو عورت شوہر کی نافرمانبردار ہو، اور شوہر اس سے ناراض ہو وہ عورت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہتی ہے تاوقتیکہ شوہر کو

رضامند نہ کرے، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی شوہر فرائض کے ادا کرنے سے ناراض ہو تو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیے، جیسا کہ مکرر حدیث "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" ذکر کی گئی ہے یہاں بھی صرف آگاہ کے واسطے یہ مسئلہ ذکر کر دیا، ورنہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں یہ موقع پیش نہ آئے گا، تین وصف جس عورت میں ہوں اس سے کبھی اس کا شوہر ناخوش نہ ہوگا جن کو سعدی علیہ الرحمہ نے بوستان کے اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

زن خوب و فرماں بر و پارسا کند مرد درویش را بادشا

(خوبصورت اور فرماں بردار، پرہیزگار عورت فقیر مرد کو بادشاہ بنا دیتی ہے،
یعنی بادشاہی کا لطف اس مرد کو عورت سے حاصل ہوتا رہتا ہے)

ان میں آخری کی دو صفتیں اختیاری ہیں اگر کسی عورت میں پہلی صفت نہ بھی موجود ہو تو آخری کے دو وصف موجود ہونے سے میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار رہیں گے اور پہلی صفت موجود ہو، اور دو آخری کی مفقود ہوں تو ایسی عورت دنیا میں بدنام اور آخرت میں اس کیلئے سخت عذاب ہے جو عورت شوہر کی فرمانبردار نہ ہو، یا تند مزاج ہو، بات بات میں جھگڑا پیدا کرے تو اس کیلئے بھی سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے

زن بد در سرائے مرد نکو ہمدریں عالم است دوزخ او

(بدزبان عورت نیک مرد کے گھر میں اسی عالم میں یعنی دنیا میں اس کیلئے دوزخ ہے)۔

اور واقعی بات بھی یہ ہے کہ جس گھر میں زن وشوہر کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں وہ گھر مثل جہنم کے ہو جاتا ہے علاوہ اس کے کہ لوگ ان پر ہنستے ہیں خود زن وشوہر کی زندگی وبال جان ہو جاتی ہے، چنانچہ یہ کیفیت ہم نے کہیں کہیں دیکھی ہے اور جس گھر میں زن وشوہر کے تعلقات خوشگوار ہیں وہ گھر اگرچہ غربت اور افلاس کا گھر ہو لیکن وہ دولت خانہ اور بادشاہ محل سے بہتر بلکہ نمونہ جنت بن جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ کبھی شوہر کی خفگی ایسی وجہ سے ہو جو تمہارے خیال میں واجب نہیں ہے اور ممکن ہے کہ واقعی ایسا ہو تو اس حالت میں بھی تم نہایت

تحمل اور وقار سے برداشت کرو حتی کہ تمہاری زبان سے تو کیا کسی اشارہ اور ادا سے بھی یہ بات نہ معلوم ہو کہ غصہ بے حد تھا، تمہارا تحمل آخر کار خود اس کو آگاہ کر دے گا کہ یہ غصہ ناواجب تھا، اور اس کا انجام بہت اچھا اور تم پر وفور مہربان کا سبب ہوگا جبکہ اس برتاؤ سے دشمن بھی دوست ہو جاتا ہے تو شوہر تو شوہر ہی ہے، اس تحمل میں اس بات کا ضرور خیال رہے کہ آنکھ بھوؤں نہ چڑھے بلکہ ہشاش بشاس رہنا چاہیے، اور کلام میں حرکات وسکنات میں ناراضگی کا اظہار ہرگز ہرگز نہ ہو۔

شوہر کے ساتھ گفتگو اور خطاب میں شوہر کے مرتبے کا لحاظ رکھو یہ بات بے تکلفی میں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

خطاب میں ایسا لفظ جس سے سوءِ ادب معلوم ہو، ہرگز مت استعمال کرو۔

اگر شوہر کچھ کہے تو اول غور سے سنو، پھر ادب کے ساتھ مناسب جواب دو، نہ بہت بلند آواز سے اور نہ اس پست آواز سے کچھ سنائی نہ دے۔

اگر کسی واقعہ کا علم شوہر کو نہ ہو یا مغالطہ ہو تو اس واقعہ کی نسبت غلط فہمی کو بہت ادب واحترام کے ساتھ رفع کرو، ایسے الفاظ نہ ہوں جن سے شوہر کے اس واقعہ کی نسبت علم کی تحقیر ہو۔

اور اگر بمقتضائے بشریت تم سے غلطی ہو یا فروگذاشت کسی امر میں ہو جائے تو اس کا اقرار کر کے معافی مانگ لو، اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔

تمہیں کوئی چیز دریافت کرنی ہو، خواہ وہ مسائل دین سے تعلق رکھتی ہو، خواہ معاملات دنیا سے تو اسے بکشادہ پیشانی دریافت کرو، اور اچھے طرح سمجھ کر تسکین کرلو۔

در طلب کردن حقیقت کار — از خدا شرم دار و شرم مدار

(کسی مسئلہ کے دریافت کرنے میں شرم نہ کرنی چاہئے،
شرم خدا سے کرنی چاہئے کہ گناہ نہ ہو)۔

عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں، یہ عادت بہت بری ہے۔

شوہر یا خسر کی جانب سے جو کھانے پینے کو ملے اس کو شکر کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

اور گو کتنا ہی قلیل ہو، اس پر بھی شکر واجب ہے، لاکھوں ایسے ہوں گے جن کو نہ تم جیسا کھلانے کو، اور نہ تم جیسا پہننے کو ملتا ہوگا اور نہ تم جیسا آرام ہوگا۔

کھانے پہننے میں دولت مندی میں ہرگز کسی کی حرص مت کرو۔

رشک وحسد سے بچو کہ اس میں علاوہ سخت گناہ کے خود انسان عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔

دنیا کے اسباب میں ہمیشہ اپنے سے کمتر پر اور دین کے کاموں میں ہمیشہ اپنے سے بالاتر پر نظر رکھو، اس سے تم کو دنیا میں راحت اور نیک کی توفیق ہوگی۔

ہدایت سسرال کے گھر والوں کے ساتھ آداب معاشرت

خوش دامن کا ادب ہر امر میں مثل اپنی والدہ مشفقہ کے کرو، اور ہر حال میں ان کی رضا مندی کو مقدم سمجھو، خواہ تم کو تکلیف ہو یا راحت، مگر ان کی خلاف مرضی ایک قدم مت چلو، زبان سے کوئی ایسا لفظ مت نکالو جس سے ان کو کلفت ہو، ان سے جب بات کرو، اور خطاب کرو تو ایسے الفاظ سے خطاب مت کرو جیسے اپنی برابر والیوں سے خطاب کرتی ہو، بلکہ ان الفاظ سے خطاب کرو جو بزرگوں کیلئے استعمال کیے جاتے ہیں، (چنانچہ ہم نے آدابِ شوہر میں اس کا بیان کر دیا ہے)، اگر خوشدامن تم کو کسی امر میں تنبیہ کریں تو ان کے کہنے کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے، اگر بالفرض ناگوار اور تلخ بھی کہیں جس کی امید نہیں ہے تب بھی اس کو شربت خوشگوار کے گھونٹ کی طرح پی جاؤ، اور ہرگز درشتی سے جواب نہ دو، اور ان کی خدمت مثل اپنی والدہ کے کرو، اگر کسی کو کوئی کام کہہ دیں تم اس کو اپنی طرف سے انجام دو، سسر کی تعظیم واحترام مثل اپنے والد مہربان کے کرو، اور جس طرح خوشدامن کے ساتھ کلام کرنے میں ادب کا بیان ہم نے کیا ہے یہاں بھی اس طرح لحاظ رکھو، مثلاً اگر کوئی تم سے دریافت کرے کہ وہ کہاں گئے ہیں تو تم اس کے جواب میں کہو کہ فلاں جگہ تشریف لے گئے ہیں، اگر کوئی پوچھے کہ فلاں امر کی نسبت انھوں نے کیا کہا ہے؟ تم جواب میں کہو کہ ایسا فرمایا ہے ان کو آرام پہنچانے اور ان کی خدمت کرنے میں جہاں تک ممکن ہو، سعی کرو۔

کسی تقریب میں جانا ہو یا کسی عزیز سے ملنے جانا ہو تو اپنے سسر و شوہر سے اجازت لو، اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو خوشدامن سے اجازت چاہو، اگر اجازت دیں تو جاؤ، ورنہ مت جاؤ، اگر کسی تقریب میں جانے کو کہیں تو جاؤ، گو تمہارا جی نہ چاہتا ہو، یہ نہیں ہو سکتا کہ خدانخواستہ وہ تمہیں ایسی جگہ جانے کو کہیں جہاں منہیاتِ شرعیہ ہوں جس گھر یا مجلس میں منہیاتِ شرعیہ ہوں وہاں جانا منع ہے۔

اگر کوئی بی بی تم سے مرتبہ اور عمر میں بڑی ہے جیسے شوہر کے بھائی کی بیوی، اس کے ساتھ گفتگو اور نشست و برخاست میں اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھو، اور اس کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہو کر رہو کہ گویا سگی بہنیں ہیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، تم اگر ایسا برتاؤ رکھو گی تو ضروری ہے کہ طرفِ ثانی سے بھی ایسا ہی برتاؤ ہوگا اور اگر عمر و مرتبہ میں تم سے چھوٹی ہے تو اس کے ساتھ محبت اور پیار کا برتاؤ رکھو، اور اس کو نہایت نرمی و ملایمت سے اچھی اچھی باتوں کی تعلیم دیتی رہو، اور وہ کوئی کام کرے تو تم خود مدد دے کر وہ کام کرا دو، اسی طرح شوہر کی بہن بھانجی وغیرہما کے ساتھ علی قدر المراتب سلوک اور مدارات سے پیش آؤ مگر اس میں حدِ اعتدال کو ضرور ملحوظ رکھو، کیونکہ حد اعتدال سے زیادہ مدارات میں نباہ مشکل ہے۔

اپنے گھر میں بیبیوں کے ساتھ جب بیٹھو یا کسی دوسرے گھر کسی تقریب میں عورتوں میں شامل ہو تو کسی کی نسبت پس پشت ایسی بات مت کہو کہ اگر وہ سنے تو برا مانے، اس کو غیبت کہتے ہیں، غیبت کرنے کا سخت گناہ ہے، اس کی نسبت اول بھی ہم نے روزے کے بیان میں ذکر کیا ہے، اور اب یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض آدمی کہا کرتے ہیں، ہم کوئی جھوٹ بات نہیں کہتے، یہ بات تو فلاں شخص میں موجود ہے، یاد رکھو یہ نفس کا ایک مکر ہے، غیبت کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو عیب کس کا بیان کیا وہ اس میں نہ ہو بلکہ کسی کی واقعی عیب کا بیان کرنا غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس شخص میں نہیں ہے تو دو چند گناہ ہوتا ہے تہمت کا اور غیبت کا۔

گھر میں جو بچے ہیں خواہ وہ تمہارے سسر کی اولاد ہوں یا ایسے قریب رشتہ داروں کے جو اس گھر میں رہتے ہیں ان کے ساتھ نہایت شفقت و مہربان سے پیش آؤ، حدیثِ شریف میں

آیا ہے کہ جو شخص بڑوں کا ادب نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، ہمارے حضورِ اقدس رسولِ مقبول ﷺ کو بچوں کے ساتھ بہت محبت تھی، حتیٰ کہ ایک مرتبہ ایک بچے نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب بھی کر دیا تھا، بعض عورتیں جن کو بچوں سے محبت ہوتی ہے بچے کو اس بہانے سے بلاتی ہیں آ تمہیں ہم ایک چیز دیں، حالانکہ کوئی چیز دینے کا قصد نہیں ہوتا، صرف بلانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسا کہنا ایک قسم کا جھوٹ بولنا ہوتا ہے ایسا مت کرو، ایک بی بی نے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے بچے کو کچھ دینے کو کہہ کر بلایا، مگر اس نے خالی بہکایا نہ تھا: بلکہ کوئی چیز اس کو دی بھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ہو سکے تو تم کو اس کی مدد کر دینی چاہئے۔

اس سے درشتی اور سخت کلامی سے پیش نہ آؤ، وہ بیمار ہو، یا اسے کوئی تکلیف ہو تو اس میں اس کی پوری ہمدردی کرو جیسا کہ تم نے اپنی والدہ کا برتاؤ خادمہ عورتوں کے ساتھ دیکھا ہے، اگر کبھی خادمہ کے سر میں ذرا درد بھی ہوا ہے تو خود اس کا کام کر لیا ہے اور ایسی حالت میں اُسے تکلیف نہیں دی، ہاں یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ خادمہ بالکل آرام طلب اور کام چور ہو جائے ایسا کر دینا گویا خادمہ کے حق میں دشمنی ہے کہ پھر وہ جہاں جائے گی آقا کی موردِ عتاب رہے گی۔

کوئی اچھی تحفہ چیز کھانے پینے کی آئے تو اس میں سے اس کو بھی کسی قدر دینی چاہئے، تم نے یہ برتاؤ بھی اپنی والدہ کا دیکھا ہے کہ گو کتنی ہی قلیل چیز ہو، مگر اس میں بھی وہ خادمہ کا حصہ ضرور لگاتی ہیں، ہمیں اس سے کمالِ مسرت ہوتی ہے کہ ایثار کی صفت تم میں فطرۃً ہے، اس صفت میں اللہ تعالیٰ اور ترقی دے، اپنے شوہر اور سب گھر کی بیبیوں کے ساتھ یہ برتاؤ رکھو، گھر میں جو عورتیں اور باہر مرد مہمان ہوں، ان کی مہمان دار حسب مرضی شوہر بہت کشادہ دِلی اور ایثار سے کرنی چاہئے، مہمان کی خاطر اپنے معمولی کھانے کی نسبت تکلف بھی جائز ہے، جو حدِ اسراف تک نہ پہنچے، اگر مہمان کوئی متقی خدا کے نیک بندوں میں سے ہو تو اس کی مہمانی کو موجبِ خیر و برکت سمجھنا چاہئے، اور یوں تو کسی مہمان سے بھی دل تنگ نہ ہونا چاہئے، ہمارے نبی ﷺ نے کافر کو بھی مہمان کیا ہے، مہمان کی مدارات اور اس کے ٹھہرانے میں

التجا کرنے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ مگر اس قدر اصرار کہ مہمان کیلئے موجب اضرار ہو، یہ بہت بری بات ہے کہ مہمان کو خاص کوئی ضرورت درپیش ہے اور وہ اس کی وجہ سے رخصت ہونا چاہتا ہے؛ مگر میزبان صاحب ہیں کہ اصرار کررہے ہیں اور خدا اور رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دے رہے ہیں، یہ خود بھی اچھی بات نہیں ہے جس میں مہمان کا دل تنگ ہو، اور اس کا حرج بھی ہو، ہمارے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ ایسے اصرار کو ہرگز پسند نہ فرماتے تھے، مہمان کے ساتھ جو مدارات کی جائے اس کو ہرگز اپنی طرف سے احسان مت سمجھو؛ بلکہ اس نے تم پر احسان کیا ہے کہ اپنا مقسوم رزق تمہارے یہاں کھایا اور تم کو ثواب میں داخل کیا ہے۔

شکر بجا آر کہ مہمان تو   روزی خود میخورد از خوانِ تو

اسی طرح اگر کسی کے ساتھ سلوک کرو تو اس پر احسان مت دھرو، قرآن شریف سے ثابت ہے کہ احسان دَھرنے سے سلوک کرنے کا ثواب باطل ہوجاتا ہے، پس یہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے ہونا چاہئے۔

انتظامِ خانہ داری

بعد حسنِ معاشرت جس کا اوپر ذکر ہوا، گھر کی بہبود اور اس کی رونق کیلئے ایک نہایت ضروری چیز انتظام خانہ داری، اگر عمدہ طور سے ہے تو باوجود قلتِ معاش کے بھی گھر پر رونق معلوم ہوتی ہے، اور اس گھر پر ناداری معلوم نہیں ہوتی، اور اگر یہ انتظام درست نہیں ہے تو باوجود دولت مندی کے بھی گھر پر نکبت اور نحوست معلوم ہوتی ہے، ہم نے بچشمِ خود بعض دولت مند گھروں کو دیکھا ہے کہ انتظام خانہ داری کا مستورات میں سلیقہ نہ ہونے سے ان کے گھر کی حالت مفلسوں کے گھروں سے بدتر ہے، بہت بڑی بات اس میں اخراجات کا اندازہ اور ان کے مواقع کا لحاظ رکھنا ہے، اعتدال سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ آمدنی کے لحاظ سے خرچ زیادہ نہ ہو، اور نہ اس قدر کم کہ کنجوسی کی نوبت پہنچے، کنجوسی کرنے والوں اور حدِ اعتدال سے زیادہ خرچ کرنے والوں دونوں کی مذمت قرآن شریف میں آئی ہے،

مال اور پیسے کی ایسی محبت کہ آدمی پیسہ پیسہ جوڑے اور ننانوے کے پھیر میں پڑا رہے علاوہ شرعاً مذموم ہونے کے اس سے خود زندگی وبال جان بن جاتی ہے، البتہ میانہ روی ایک ایسی چیز ہے کہ نہ تو اس سے انسان کنجوس کہلاتا ہے اور نہ مسرف، اور نہ ضرورت کے وقت اپنی حاجت سے بند رہتا ہے، اخراجات کے موقع کا لحاظ خود صرف کرنے والے انسان کا کام ہی کہ وہ خیال کرے کہ کس موقع میں کس قدر خرچ کرنا چاہئے، اس کی نسبت جزئیات کا محفوظ کرنا دشوار ہے۔

روزہ مرہ کے مصارف کا حساب اگر حسب مرضی شوہر لکھ لیا کرو اور روزمرہ یا ہفتہ میں ایک بار اس کو شوہر کے ملاحظہ میں پیش کر دیا کرو تو بہت کچھ موجب اطمینان ہے، حساب ایک ایسی چیز ہے کہ دنیا اور دین دونوں کیلئے کار آمد ہے۔

غلہ وغیرہ اجناس جو گھر میں آویں اس کو تول لیا کرو اور اسی طرح روپئے پیسے کا شمار کر لیا کرو، اور اگر کسی کو قرض دینے یا کسی سے لینے کا اتفاق ہو تو اس کو بھی لکھ لیا کرو، اور اس کے واپس آنے پر بھی۔

اسی طرح دھوبی کے یہاں جو کپڑے دیئے جائیں وہ بھی بغیر لکھے نہ دیئے جائیں۔

اور زیادہ تر خوبی کی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس پارچہ وغیرہ نقد زیور ہو، سب لکھا رہے کہ یہ بہت کار آمد ہے، من جملہ انتظام خانہ داری کے اثاث البیت کی ترتیب ہے کہ جو چیز جہاں رکھنے کی ہے اس کو اسی جگہ رکھنا مناسب ہے، فرش، پلنگ، چوکی وغیرہ وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ پر رکھے جاویں، اور جس چیز کے نکالنے کی ضرورت ہو تو بعد رفع ضرورت اس کو اسی جگہ رکھنا لازم ہے۔

اسی طرح تمام ظروف روزہ مرہ کے استعمال کے اور دیگر روزمرہ کے کام کی چیزوں کا خیال رکھو، ایسا نہ ہونا چاہئے کہ لوٹے ایک طرف کو لڑکتے پھرتے ہیں، رکابیاں کہیں پڑی ہیں، دیگچیاں دھوئی بے دھوئی ہیں کہ مکھیاں بھنکتی ہیں، گھڑے الگ کھلے پڑے ہیں کہ کوے ان میں پانی پیتے اور بیٹ کرتے ہیں۔

کپڑوں کو ہمیشہ تہ کر کے رکھو، ایسا نہ ہو کہ ادھر ادھر بکھرتے پھریں، اگر اونی کپڑے ہیں یا ریشمی تو ان کی ہمیشہ خبر گیری کرنی چاہئے، خاص کر موسم برسات میں بہت خیال رکھو کہ ان کو کِرم یعنی کیڑا لگ جاتا ہے، اگرچہ انتظامی قوت انسان میں فطرتی ہوتی ہے؛ لیکن کوشش اور سعی کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔

گھر میں جو بی بی لیاقت والی اور صاحبِ سلیقہ ہو، ہمیشہ اس سے انتظامِ خانہ داری سیکھتی رہو، اور بغور اس کے انتظام کو دیکھتی رہو، اور پھر اس کی پیروی کرو۔

اب ہم ان چند کلمات پر ختم کرتے ہیں اور مکرر یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تم ان ہدایات پر عمل کروگی تو انشاء اللہ تعالیٰ تم کو دونوں جہاں میں کامیابی نصیب ہوگی اور دنیا میں ایسی آرام وراحت سے رہوگی کہ گھر نمونۂ جنت بن جائے گا اور یہ ہماری طرف سے تمہارے لئے تمہاری شادی نکاح کا بہترین جہیز ہے، اس کو تم ہفتہ میں دو تین بار دیکھ لیا کرو، اگر دو تین بار ممکن نہ تو ایک بار ضرور بالضرور پڑھ لیا کرو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا کی برکتیں نصیب فرمادے اور تم کو شامل کر کے یہ دعا کرتے ہیں ”رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیا حَسنَةً وفِیْ الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّار“ ہم تم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ جب تک تمہارے والدین زندہ ہیں ان کیلئے سلامتی ایمان اور عاقبت بخیر ہونے کی دعا کرو، اور بعد اس جہاں سے ان کے رخصت ہونے کے ان کو دعائے مغفرت سے یاد رکھو، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین، والصلاة والسلام علی رسوله خیر الخلائق محمد وآله وأصحابه أجمعین. (۱)

بندہ ناچیز عبد الحق عفا اللہ عنہ،
قصبہ پور قاضی، ضلع مظفر نگر، ۱۴ر محرم ۱۳۳۰ھ

---

(۱) اختری بہشتی زیور عکسی، چھٹا حصہ: ۸۷، کتب خانہ اختری، متصل مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور

بعض باتیں عیب اور تکلیف کی جو عورتوں میں پائی جاتی ہیں:

(۱) ایک عیب یہ ہے کہ بات کا معقول جواب نہیں دیتیں جس سے پوچھنے والے کو تسلی ہو جائے، بہت سے فضول باتیں ادھر ادھر کے اس میں ملا دیتی ہیں اور اصل بات پھر بھی معلوم نہیں ہوتی، ہمیشہ یاد رکھو کہ جو شخص کچھ پوچھے اس کا مطلب خوب غور سے سمجھ لو، پھر اس کا جواب ضرورت کے موافق دے دو۔

(۲) ایک عیب یہ ہے کہ کوئی کام ان سے کہا جائے تو سن کر خاموش ہو جاتی ہیں، کام کہنے والے کو یہ شبہ رہتا ہے کہ خدا جانے انہوں نے سنا بھی ہے یا نہیں سنا، بعض دفعہ غلطی سے اس نے یوں سمجھ لیا کہ سن لیا ہوگا اور واقع میں سنا نہ ہو تو اس بھروسہ پر وہ کام نہیں ہوتا اور یہ پوچھنے کے وقت یہ کہہ کر الگ ہو گئیں کہ میں نے نہیں سنا، غرض وہ کام تو رہ گیا، اور بعض دفعہ غلطی سے اس نے یوں سمجھ لیا کہ نہیں سنا ہوگا دوبارہ اس نے پھر کہا تو اس غریب کیلئے (مذاق کیا جاتا ہے) لیے جاتے ہیں کہ سن لیا سن لیا کیوں جان کھائی ہے، غرض جب بھی آپس میں رنج ہوتا ہے اگر یہ پہلے ہی دفعہ میں اتنا کہہ دیتیں کہ اچھا تو دوسرے کو خبر تو ہو جاتی۔

(۳) ایک عیب یہ ہے کہ نوکرانی کو جو کام بتلا دیں گے یا اور کسی سے گھر میں کوئی بات کہیں گے دور سے چلا کر کہیں گے اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو بے حیائی اور بے پردگی کہ باہر دروازے تک بلکہ بعضے موقع پر سڑک تک آواز پہنچتی ہے، دوسری خرابی یہ کہ دور سے کچھ بات سمجھ میں آئی اور کچھ نہ آئی جتنی سمجھ میں نہ آئی اتنا کام نہ ہوا، اب بی بی خفا ہو رہی ہے کہ تو نے یوں کیوں نہ کیا، دوسری جواب دے رہی ہے کہ میں نے تو سنا نہ تھا غرض خوب تو تو میں میں ہوتی ہے اور کام بگڑا، سو الگ اس طرح ان کی نوکرانیاں ہیں کہ جس بات کا جواب باہر سے لا دیں گی دروازے سے چلاتی ہوئی آئیں گی اس میں بھی کچھ سمجھ میں آیا اور کچھ نہ آیا، تمیز کی بات یہ ہے کہ جس سے بات کرنا ہو اس کے پاس جاؤ یا اس کو اپنے پاس بلاؤ، اور اطمینان سے اچھی طرح سمجھا کر کہہ دو اور سمجھ کر سن لو۔

(۴) ایک عیب یہ ہے کہ چاہے کسی چیز کی ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن پسند آنے کی دیر ہے ذرا پسند آئی اور لے لی خواہ قرض ہو جائے؛ لیکن کچھ پرواہ نہیں اور اگر قرض بھی نہ ہوا تب بھی اپنے پیسے کو اس طرح بیکار کھونا کونسی عقل کی بات ہے، فضول خرچ بھی ہے جہاں خرچ کرنا ہو، اول خوب سوچ لو کہ یہاں خرچ کرنے میں کوئی دین کا فائدہ یا دنیا کی ضرورت بھی ہے اور اگر خوب سوچنے سے ضرورت اور فائدہ معلوم ہو خرچ کرو نہیں تو پیسہ مت کھوؤ، اور قرض تو جہاں تک ہو سکے ہرگز مت لو چاہے تھوڑی تکلیف بھی ہو جائے۔

(۵) ایک عیب یہ ہے کہ جب کہیں جاتی ہیں خواہ شہر کے شہر میں یا سفر میں ٹالتے ٹالتے بہت دیر کر دیتی ہیں کہ وقت تنگ ہو جاتا ہے اگر سفر میں جانا ہے تو منزل پر دیر میں پہنچیں گی، اگر راستہ میں رات ہو گئی تو جان و مال کا اندیشہ ہے اگر گرمی کے دن ہوئے تو دھوپ میں خود بھی تپیں گی اور بچوں کو بھی تکلیف ہو گی اگر برسات ہے اول تو برسنے کا ڈر دوسرے گارے کیچڑ میں گاڑی کا چلنا مشکل اور دیر میں دیر ہو جاتی ہے اگر سویرے سے چلیں ہر طرح کی گنجائش رہے اور اگر بستی ہی میں جانا ہوا جب بھی کہاروں (گاڑی لے جانے والے) کو کھڑے پریشان، پھر دیر میں سوار ہونے سے دیر میں لوٹنا ہو گا اپنے کاموں میں حرج ہو گا کھانے کے انتظام میں دیر ہو گی کہیں جلدی میں کھانا بگڑ گیا کہیں میاں تقاضا کر رہے ہیں، کہیں بچے رو رہے ہیں، اگر جلد سوار ہو جاتیں تو یہ مصیبتیں کیوں ہوتیں۔

(۶) ایک عیب یہ ہے کہ سفر میں بے ضرورت بھی اسباب بہت سا لاد کر لے جاتی ہیں جس سے جانور کو بھی تکلیف ہوتی ہے جگہ میں بھی تنگ ہو جاتی ہے اور سب سے زیادہ مصیبت ساتھ کے مردوں کو ہوتی ہے ان کو سنبھالنا پڑتا ہے کہیں کہیں لادنا بھی پڑتا ہے مزدور کے پیسے ان ہی کو دینے پڑتے ہیں غرضیکہ تمام تر فکر ان بیچاروں کی جان پر ہوتی ہے یہ اچھی خاصی گاڑی میں بن کر بیٹھی رہتی ہیں، اسباب ہمیشہ سفر میں کم لے جاؤ ہر طرح کا آرام ملتا ہے، اس طرح ریل کے سفر میں خیال رکھو بلکہ ریل میں زیادہ اسباب لے جانے سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

(۷) ایک عیب یہ ہے کہ گاڑی وغیرہ میں سوار ہونے کے وقت مردوں سے کہہ دیا کہ منہ ڈھانک لو یا ایک گوشہ میں چھپ جاؤ، اور جب سوار ہو چکیں تو ان لوگوں کو دوبارہ اطلاع نہیں دی جاتی کہ اب پردہ نہیں ہے اس میں دو خرابیاں ہوتی ہیں کبھی تو وہ بیچارے منہ ڈھانکے ہوئے بیٹھے ہیں خواہ مخواہ تکلیف ہو رہی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اٹکل سے سمجھتے ہیں کہ بس پردہ ہو چکا اور یہ سمجھ کر منہ کھول دیتے ہیں یا سامنے آجاتے ہیں اور بے پردگی ہوتی ہے یہ ساری خرابی دوبارہ نہ کہنے کی ہے نہیں تو سب کو معلوم ہو جائے کہ دوبارہ کہنے کی بھی عادت ہے بس سب آدمی اس کے منتظر رہیں اور بے کہے کوئی سامنے نہ آئے۔

(۸) ایک عیب یہ ہے کہ ابھی سوار ہونے کو تیار نہیں ہوئیں اور آدھ گھنٹہ پہلے سے پردہ کرا دیا یا راستہ رُکوا دیا بے وجہ خدا کی مخلوق کو تکلیف ہو رہی ہے اور یہ ابھی گھر میں چوچلے بگھار رہی ہیں۔

(۹) ایک عیب یہ ہے کہ جس گھر میں جاتی ہیں گاڑی ڈولی سے اتر کر جھپ سے گھر میں جا گھستی ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس گھر کا کوئی مرد اندر ہوتا ہے اس کا سامنا ہو جاتا ہے تم کو چاہیے کہ ابھی گاڑی سے یا ڈولی سے مت اُترو پہلے کسی نوکر وغیرہ کو گھر میں بھیج کر دکھوالو، اور اپنے آنے کی خبر کر دو، کوئی مرد وغیرہ ہوگا تو علیحدہ ہو جائے گا جب تم سن لو کہ اب گھر میں کوئی مرد وغیرہ نہیں ہے تب اتر کر اندر جاؤ۔

(۱۰) ایک عیب یہ ہے کہ آپس میں دو عورتیں جو باتیں کرتی ہیں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک کی بات ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری شروع کر دیتی ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ایک دم سے بولتے ہیں وہ اپنی کہہ رہی ہے اور یہ اپنی ہانک رہے ہیں نہ وہ اس کی سنے نہ یہ اس کی، بھلا ایسی بات کرنے ہی سے کیا فائدہ ہمیشہ یاد رکھو کہ جب ایک بولنے والے کی بات ختم ہو جائے اس وقت دوسر کو بولنا چاہیے۔

(۱۱) ایک عیب یہ ہے کہ زیور اور کبھی روپیہ پیسہ بھی بے احتیاط سے کبھی تکیے کے نیچے

رکھ دیا کبھی کسی طاق میں کھلا رکھ دیا، تالا کنجی ہوتے ہوئے سستی کے مارے اس میں حفاظت سے نہیں رکھتیں پھر کوئی چیز جاتی رہی تو سب کا نام لگاتی پھرتی ہیں۔

(۱۲) ایک عیب یہ ہے کہ ان کو ایک کام کے واسطے بھیجو تو جا کر دوسرے کام میں لگ جاتی ہیں جب دونوں سے فراغت ہو جائے تب لوٹتی ہیں اس میں بھیجنے والے کو سخت تکلیف اور الجھن ہوتی ہے کیونکہ اس نے تو ایک کام کا حساب لگا رکھا ہے کہ یہ اتنی دیر کا ہے جب اتنی دیر گزر جاتی ہے پھر اس کو پریشانی شروع ہوتی ہے اور یہ عقلمند یہ کہتی ہیں کہ آئے تو ہیں ہی، لاؤ دوسرا کام بھی لگے ہاتھ کرتے چلیں، ایسا مت کرو، اول پہلا کام کر کے اس کی فرمائش پور کردو، پھر اپنے طور پر اطمینان سے دوسرا کام کرلو۔

(۱۳) ایک عیب سستی کا ہے کہ ایک وقت کے کام کو دوسرے وقت پر اٹھا رکھتی ہیں اس سے اکثر حرج اور نقصان ہو جاتا ہے۔

(۱۴) ایک عیب یہ ہے کہ مزاج میں اختصار نہیں اور ضرورت اور موقع کو نہیں دیکھتیں کہ یہ جلدی کا وقت ہے مختصر طور پر اس کام کو نبٹا لو ہر وقت ان کو اطمینان اور تکلف ہی سوجھتا ہے، اس تکلف میں بعض دفعہ اصل کام بگڑ جاتا ہے اور موقع نکل جاتا ہے۔

(۱۵) ایک عیب یہ ہے کہ کوئی چیز کھو جائے تو بے تحقیق کس پر تہمت لگا دیتی ہیں یعنی جس نے کبھی کوئی چیز چرائی تھی بیدھڑک کہہ دیا کہ بس جی اس کا کام ہے حالانکہ یہ کیا ضروری ہے کہ سارے عیب ایک ہی آدمی نے کیے ہوں اس طرح اور بری باتوں میں ذرا سے شبہ سے ایسا پکا یقین کر کے اچھا خاصا گھڑ مڑھ دیتی ہیں۔

(۱۶) ایک عیب یہ ہے کہ پان تمباکو کا خرچ اس قدر بڑھا لیا ہے کہ غریب آدمی تو سہار ہی نہیں سکتا اور امیروں کے یہاں اتنے خرچ میں چار پانچ غریبوں کا بھلا ہو سکتا ہے اس کو گھٹانا چاہیے خرابی یہ ہے کہ بے ضرورت بھی کھانا شروع کر دیتی ہیں پھر وہ لت لگ جاتی ہے۔

(۱۷) ایک عیب یہ ہے کہ ان کے سامنے دو آدمی کسی معاملہ میں بات کرتے ہوں اور ان سے نہ کوئی پوچھے؛ مگر یہ خواہ مخواہ دخل دیتی ہیں اور صلاح بتلانے لگتی ہیں جب تک تم سے کوئی صلاح نہ لے تم بالکل گونگی بہری بن بیٹھی رہو۔

(۱۸) ایک عیب یہ ہے کہ محفل میں سے آکر تمام عورتوں کی صورت شکل ان کے زیور اور پوشاک کا ذکر اپنے خاوند سے کرتی ہیں بھلا اگر خاوند کا دل کسی پر آگیا اور وہ اس کے خیال میں لگ گیا تو تم کو کتنا بڑا نقصان پہنچے گا۔

(۱۹) ایک عیب یہ ہے کہ ان کو کسی سے کوئی بات کرنا ہو تو وہ دوسرا آدمی چاہے کیسے ہی کام میں ہو یا وہ کوئی بات کر رہا ہو کبھی یہ انتظار نہ کریں گی کہ اس کا کام یا بات ختم ہولے تو ہم بات کریں بلکہ اس کی بات یا کام کے بیچ میں جا کر ٹانگ اڑا دیتی ہیں یہ بری بات ہے ذرا ٹھہر جانا چاہیے جب وہ تمہاری طرف متوجہ ہو سکے اس وقت بات کرو۔

(۲۰) ایک عیب یہ ہے کہ ہمیشہ بات ادھوری کریں گی، پیغام ادھورا پہنچا دیں گی جس سے مطلب غلط سمجھا جائے گا بعض دفعہ اس میں کام بگڑ جاتا ہے اور بعض دفعہ دو شخصوں میں اس غلطی سے رنج ہو جاتا ہے۔

(۲۱) ایک عیب یہ ہے کہ ان سے بات کی جائے تو پورے طور سے متوجہ ہو کر اس کو نہیں سنتیں اس میں اور کام بھی کر لیا کسی اور سے بھی بات کر لی نہ تو بات کرنے والے کا بات کر کے جی بھلا ہوتا ہے اور نہ اس کام کے ہونے کا پورا بھروسہ ہوتا ہے؛ کیونکہ جب پوری بات سنی نہیں تو اس کو کریں گی کس طرح۔

(۲۲) ایک عیب یہ ہے کہ اپنی خطا یا غلطی کا کبھی اقرار نہ کریں گی جہاں تک ہو سکے گا بات کو بنا دیں گی خواہ بن سکے یا نہ بن سکے۔

(۲۳) ایک عیب یہ ہے کہ کہیں سے تھوڑی چیز ان کے حصہ کی آئے یا ادنی درجہ کی چیز آئے تو اس کو ناک ماریں گی، طعنہ دیں گی ایسی چیز بھیجنے کی کیا ضرورت تھی بھیجتے ہوئے شرم نہ آئی یہ بری بات ہے اس کی اتنی ہی ہمت تھی تمہارا تو اس نے کچھ نہیں بگاڑا اور

خاوند کے ساتھ بھی ان کی یہ عادت ہے کہ خوش ہو کر چیز کم لیتی ہیں اس کو رد کر کے عیب نکال کر تب قبول کرتی ہیں۔

(۲۴) ایک عیب یہ ہے کہ ان کو کوئی کام کہو، اس میں جھک جھک کر لیں گی پھر اس کام کو کریں گی، بھلا جب وہ کام کرنا ہے پھر اس واہیات سے کیا فائدہ نکلا، ناحق دوسرے کا بھی جی برا کیا۔

(۲۵) ایک عیب یہ ہے کہ کپڑا پورا سل جانے سے پہلے پہن لیتی ہیں بعض دفعہ سوئی چبھ جاتی ہے بے ضرورت تکلیف میں کیوں پڑے۔

(۲۶) ایک عیب یہ ہے کہ آنے کے وقت اور چلنے کے وقت مل کر ضرور روتی ہیں چاہے رونا نہ بھی آئے مگر اس ڈر سے روتی ہیں کہ کوئی یوں نہ کہے کہ اس کو محبت نہیں۔

(۲۷) ایک عیب یہ ہے کہ اکثر تکیہ میں یا ویسے ہی سوئی رکھ کر اٹھ جاتی ہیں اور کوئی بے خبری میں بیٹھتا ہے اس کو چبھ جاتی ہے۔

(۲۸) ایک عیب یہ ہے کہ بچوں کو گرم سرد سے نہیں بچاتیں اس سے اکثر بچے بیمار ہو جاتے ہیں پھر تعویذ گنڈے کراتی پھرتی ہیں۔ دوا علاج یا آئندہ کو احتیاط پھر بھی نہیں کرتیں۔

(۲۹) ایک عیب یہ ہے کہ بچوں کو بے بھوک کھانا کھلا دیتی ہیں یا مہمان کو اصرار کر کے کھلاتی ہیں پھر بے بھوک کھانے کی تکلیف ان کو بھگتنی پڑتی ہے۔

بعض باتیں سلیقہ اور آرام کی

(۱) جب رات کو دروازہ گھر کا بند کرنے لگو تو بند کرنے سے پہلے گھر کے اندر خوب دیکھ بھال لو کہ کوئی کتا بلی تو نہیں رہ گیا، کبھی رات کو جان کا یا چیز بستی کا نقصان کر دے یا اور کچھ نہیں تو رات بھر کی کھڑ کھڑ ہی نیند اڑانے کو بہت ہے۔

(۲) کپڑوں کو اور اپنی کتابوں کو کبھی کبھی دھوپ دیتی رہا کرو۔

(۳) گھر صاف رکھو اور ہر چیز اپنے موقع پر رکھو۔

(۴) اگر اپنی تندرستی چاہو تو اپنے کو بہت آرام طلب مت بناؤ، کچھ محنت کا کام اپنے ہاتھ سے کیا کرو، سب سے اچھی چیز عورتوں کے واسطے چکی کا پیسنا یا موسل سے کوٹنا یا چرخہ کا تنا ہے اس سے بدن تندرست رہتا ہے۔

(۵) اگر کس سے ملنے جاؤ تو وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر تک باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہو جائے یا اس کے کس کام میں حرج ہونے لگے۔

(۶) سب گھر والے اس بات کے پابند رہیں کہ ہر چیز کی ایک جگہ مقرر کرلیں اور وہاں سے جب اٹھائیں تو برت کر پھر وہاں ہی رکھ دیں تاکہ ہر آدمی کو وقت پر پوچھنا ڈھونڈنا نہ پڑے اور جگہ بدلنے سے بعض دفعہ کسی کو بھی نہیں ملتی سب کو تکلیف ہوتی ہے اور جو چیزیں خاص تمہارے برتنے کی ہیں ان کی جگہ بھی مقرر رکھو تاکہ ضرورت کے وقت ہاتھ ڈالتے ہی مل جائے۔

(۷) راہ میں چارپائی یا اور کوئی برتن اینٹ پتھر سل وغیرہ مت ڈالو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اندھیرے میں یا بعض دفعہ دن ہی میں کوئی جھپٹا ہوا روز کی عادت کے موافق بے کھٹکے چلا جا رہا ہے وہ الجھ کر گر گیا اور جگہ بے جگہ چوٹ لگ گئی۔

(۸) جب تم سے کوئی کس کام کو کہے تو اس کو سن کر ہاں یا نہیں ضرور زبان سے کچھ کہہ دو تاکہ کہنے والے کا دل ایک طرف ہو جائے نہیں تو ایسا نہ ہو کہ کہنے والا تو سمجھے کہ اس نے سن لیا ہے اور تم نے نہ سنا ہو یا وہ سمجھے کہ تم یہ کام کر دو گی اور تم کو کرنا منظور نہ ہو تو ناحق دوسرا آدمی بھروسہ میں رہا۔

(۹) نمک کھانے میں کس قدر کم ڈالا کرو کیونکہ کم کا تو علاج ہو سکتا ہے لیکن اگر زیادہ ہو گیا تو اس کا علاج ہی نہیں۔

(۱۰) دال میں ساگ میں مرچ کتر کر مت ڈالو بلکہ پیس کر ڈالو کیونکہ کتر کر ڈالنے سے بیج اس کے ٹکڑوں میں رہتے ہیں اگر کوئی ٹکڑا منہ میں آجاتا ہے تو ان بیجوں سے منہ میں آگ لگ جاتی ہے۔

(۱۱) اگر رات کو پانی پینے کا اتفاق ہو تو اگر روشنی ہو تو اس کو خوب دیکھ لو نہیں تو لوٹے وغیرہ کو کپڑا لگا لو تا کہ منہ میں کوئی ایسی ویسی چیز نہ جائے۔

(۱۲) بچوں کو ہنسی میں مت اچھالو، اور کسی کھڑکی وغیرہ سے مت لٹکاؤ، اللہ بچائے کبھی ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور ہنسی کی گل پھنسی ہو جائے، اس طرح ان کے پیچھے ہنس میں مت دوڑو شاید گر پڑیں اور چوٹ لگ جائے۔

(۱۳) جب برتن خالی ہو جائے تو اس کو ہمیشہ دھو کر الٹا رکھو اور جب دوبارہ اس کو برتنا چاہو تو پھر اس کو دھو لو۔

(۱۴) برتن زمین پر رکھ کر اگر ان میں کھانا نکالو تو ویسے ہی دسترخوان پر مت رکھ دو پہلے اس کے تلے دیکھ لو، اور صاف کر لو۔

(۱۵) کسی کے گھر مہمان جاؤ تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کرو بعض دفعہ چیز تو ہوتی ہے بے حقیقت مگر وقت کی بات ہے گھر والا اس کو پورا نہیں کرسکتا، ناحق اس کو شرمندگی ہوگی۔

(۱۶) جہاں اور آدمی بھی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر مت تھوکو، ناک مت صاف کرو، اگر ضرورت ہو، ایک کنارے پر جا کر فراغت کر لو۔

(۱۷) کھانا کھانے میں ایسی چیزوں کا نام مت لو جس سے سننے والوں کو گھن پیدا ہو، بعضے نازک مزاجوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

(۱۸) بیمار کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو جس سے زندگی کی ناامیدی پائی جائے ناحق دل ٹوٹے گا بلکہ تسلی کی باتیں کرو کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب دکھ جاتا رہے گا۔

(۱۹) اگر کسی کی پوشیدہ بات کرنی ہو، اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو تو آنکھ سے یا ہاتھ سے ادھر اشارہ مت کرو، ناحق اس کو شبہ ہوگا اور یہ سبب ہے کہ اس بات کا کرنا شرع سے درست بھی ہو، اور اگر درست نہ ہو تو ایسی بات ہی کرنا گناہ ہے۔

(۲۰) بات کرتے وقت بہت ہاتھ مت نچاؤ۔

(۲۱) دامن آنچل آستین سے ناک مت پونچھو۔

(۲۲) پاخانے کے قدمچے میں طہارت مت کرو۔

(۲۳) جوتی ہمیشہ جھاڑ کر پہنو شاید اس کے اندر کوئی موذی جانور بیٹھا ہو اس طرح کپڑا بستر بھی۔

(۲۴) پردے کی جگہ میں کسی کو پھوڑا پھنسی ہو تو اس سے یہ مت پوچھو کہ کس جگہ ہے ناحق اس کو شرمانا ہے۔

(۲۵) آنے جانے کی جگہ مت بیٹھو تم کو بھی تکلیف ہوگی۔

(۲۶) بدن اور کپڑے میں بدبو پیدا نہ ہونے دو۔ اگر دھوبی کے گھر کے دھلے ہوئے کپڑے نہ ہوں تو بدن ہی کے کپڑوں کو دھو ڈالو نہا ڈالو۔

(۲۷) آدمیوں کے بیٹھے ہوئے جھاڑو مت دلواؤ۔

(۲۸) گٹھلی چھلکے کسی آدمی کے اوپر مت پھینکو۔

(۲۹) چاقو یا قینچی یا سوئی یا کسی اور ایسی چیز سے مت کھیلو شاید غفلت سے کہیں لگ جائے۔

(۳۰) جب کوئی مہمان آئے سب سے پہلے اس کو پاخانہ بتلا دو، اور بہت جلد اس کے ساتھ کی سوار کے کھڑے کرنے کا اور بیل یا گھوڑے کی گھاس چارے کا بندوبست کر دو، اور کھانے میں اتنا تکلف مت کرو کہ اس کو وقت پر کھانا نہ ملے، کھانا وقت پر پکا لو چاہے سادہ اور مختصر ہو، اور جب اس کا جانے کا ارادہ ہو تو بہت جلد اور سویرے ناشتہ تیار کر دو، غرض اس کے آرام اور مصلحت میں خلل نہ پڑے۔

(۳۱) پاخانہ یا غسل خانہ سے کمر بند باندھتی ہوئی مت نکلو، بلکہ اندر ہی اچھی طرح باندھ کر تب باہر آؤ۔

(۳۲) جو تم سے کوئی کچھ بات پوچھے پہلے اس کا جواب دے دو پھر اور کام میں لگو۔

(۳۳) جو بات کہو یا کسی بات کا جواب دو خوب منہ کھول کر صاف بات کہو تاکہ دوسرا اچھی طرح سمجھ لے۔

(۳۴) کسی کو کوئی چیز ہاتھ میں دینا ہو، دور سے مت پھینکو شاید دوسرے کے ہاتھ میں نہ آسکے تو نقصان ہو پاس جا کر دے دو۔

(۳۵) اگر دو آدمی پڑھتے پڑھاتے ہوں یا باتیں کر رہے ہوں تو ان دونوں کے بیچ میں کر چلانا یا کسی سے بہت کرنا نہ چاہیے۔

(۳۶) اگر کوئی کس کام میں یا بات میں لگا ہو تو جاتے ہی اس سے اپنی بات مت شروع کر دو بلکہ موقع کا انتظار کرو جب وہ تمہار طرف متوجہ ہو تب بات کرو۔

(۳۷) جب کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز دینا ہو؛ تاوقتیکہ وہ دوسرا آدمی اس کو اچھا سنبھال نہ لے اپنے ہاتھ سے مت چھوڑو بعض دفعہ یوں ہی بیچ بیچ میں گر کر نقصان ہو جاتا ہے۔

(۳۸) اگر کسی کو پنکھا جھلنا ہو تو خوب خیال رکھو کہ سر میں یا اور کہیں بدن یا کپڑے میں نہ لگے اور ایسی زور سے مت جھلو جس سے دوسرا پریشان ہو۔

(۳۹) کھانا کھاتے میں ہڈیاں ایک جگہ جمع رکھو، اس طرح کس چیز کے چھلکے وغیرہ سب طرف مت پھیلاؤ جب سب اکٹھا ہو جائیں موقع سے ایک طرف ڈال دو۔

(۴۰) بہت دوڑ کر یا منہ اوپر اٹھا کر مت چلو کہ کبھی گر نہ پڑو۔

(۴۱) کتاب کو بہت سنبھال کر احتیاط سے بند کرو اکثر، اول آخر کے ورق مڑ جاتے ہیں۔

(۴۲) اپنے شوہر کے سامنے کسی نامحرم مرد کی تعریف نہ کرنا چاہیے، بعضے مردوں کو ناگوار گزرتا ہے۔

(۴۳) اس طرح غیر عورتوں کی بھی تعریف شوہر سے نہ کرے شاید اس کا دل اس پر آ جائے اور تم سے ہٹ جائے۔

(۴۴) جس سے بے تکلفی نہ ہو، اس سے ملاقات کے وقت اس کے گھر کا حال یا اس کے مال و دولت زیور و پوشاک کا حال نہ پوچھنا چاہیے۔

(۴۵) مہینے میں تین دن یا چار دن خاص اس کام کیلئے مقرر کر لو کہ گھر کی صفائی پورے طور سے کر لیا کرو، جالے اتار دیئے فرش اٹھا کر جھڑوا دیئے ہر چیز قرینے سے رکھ دو۔

(۴۶) کسی کے سامنے سے کوئی کاغذ لکھا ہوا یا کتاب رکھی ہوئی اٹھا کر دیکھنا نہ چاہیے، اگر وہ کاغذ قلم ہے تو شاید اس میں کوئی پوشیدہ بات لکھی ہو، اور اگر وہ چھپی ہوئی ہے تو شاید اس میں کوئی ایسا کاغذ لکھا ہوا رکھا ہو۔

(۴۷) سیڑھیوں پر بہت سنبھل کر اترو چڑھو بلکہ بہتر یہ ہے کہ جس سیڑھی پر ایک پاؤں رکھو دوسرا بھی اس پر رکھو کہ پھر اگلی سیڑھی پر اس طرح پاؤں رکھو نہ یہ کہ ایک سیڑھی پر ایک پاؤں اور دوسری سیڑھی پر دوسرا پاؤں، لڑکیوں اور عورتوں کو تو بالکل مناسب نہیں اور بچپن میں لڑکوں کو بھی منع کرو۔

(۴۸) جہاں کوئی بیٹھا ہو وہاں کپڑا یا کتاب یا اور کوئی چیز اس طرح جھٹکنا نہ چاہیے کہ اس آدمی پر گرد پڑے اس طرح منہ سے یا کپڑے سے بھی جھاڑنا نہ چاہیے بلکہ اس جگہ سے دور جا کر صاف کرنا چاہیے۔

(۴۹) کسی کے غم و پریشانی یا دکھ بیماری کی کوئی خبر سنے تو جب تک خوب پختہ طور پر تحقیق نہ ہو جائے کس سے ذکر نہ کرے اور خاص کر اس شخص کے عزیزوں سے تو ہرگز نہ کہے کیونکہ اگر غلط ہوئی تو خواہ مخواہ دوسرے کو پریشانی دی پھر وہ لوگ اس کو بھی برا بھلا کہیں گے کہ کیوں ایسی بدفالی نکالی۔

(۵۰) اس طرح معمولی بیماری اور تکلیف کی خبر دور پردیس کے عزیزوں کو خط کے ذریعہ سے نہ کرے۔

(۵۱) دیوار پر مت تھوکو، پان کی پیک مت ڈالو، اس طرح تیل کا ہاتھ دیوار یا کواڑ سے مت پونچھو بلکہ دھو ڈالو؛ لیکن جلے ہوئے تیل کو ناپاک مت کہو جیسا کہ بعض جاہل عورتیں کہتی ہیں۔

(۵۲) اگر دسترخوان پر اور سالن کی ضرورت ہو تو کھانے والے کے سامنے سے برتن مت اٹھاؤ، دوسرے برتن میں لے آؤ۔

(۵۳) کوئی آدمی تخت یا چارپائی پر بیٹھا لیٹا ہو تو اس کو ہلاؤ مت اگر پاس سے نکلو تو ایسی طرح پر نکلو کہ اس میں ٹھوکر گھٹنا نہ لگے اگر تخت پر کوئی چیز رکھنا ہو یا اس پر سے کچھ اٹھانا ہو تو ایسے وقت آہستہ آہستہ اٹھاؤ آہستہ رکھو۔

(۵۴) کھانے پینے کی کوئی چیز کھلی مت رکھو یہاں تک کہ اگر کوئی چیز دسترخوان پر بھی رکھی جائے لیکن وہ ذرا دیر میں یا اخیر میں کھانے کی ہو تو اس کو بھی ڈھانک کر رکھو۔

(۵۵) مہمان کو چاہیے کہ اگر پیٹ بھر جائے تو تھوڑا سالن روٹی دسترخوان پر ضرور چھوڑ دے تاکہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہو گیا اس سے وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔

(۵۶) جو برتن بالکل خالی ہو، اس کو الماری یا طاق وغیرہ میں رکھنا ہو تو الٹا کر کے رکھو۔

(۵۷) چلنے میں پاؤں پورا اٹھا کر آگے رکھو گھسر اکر مت چلو، اس میں جوتا بھی جلد ٹوٹتا ہے اور برا بھی معلوم ہوتا ہے۔

(۵۸) چادر، دوپٹے کا بہت خیال رکھو کہ اس کا پلہ زمین پر لٹکتا نہ چلے۔

(۵۹) اگر کوئی نمک یا اور کوئی کھانے پینے کی چیز مانگے تو برتن میں لاؤ ہاتھ پر رکھ کر مت لاؤ۔

(۶۰) لڑکیوں کے سامنے کوئی بے شرمی کی بات مت کرو ان کی شرم جاتی رہے گی۔

بعض باتیں تجربہ اور انتظام کی

(۱) اپنے دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کی شادی جہاں تک ہو سکے ایک دم مت کرو کیونکہ بہوں میں ضرور فرق ہوگا اور دَامادوں میں ضرور فرق ہوگا، خود لڑکوں اور لڑکیوں کی صورت شکل میں، کپڑے کی سجاوٹ میں، نور و صبور میں، حیا و شرم میں ضرور فرق ہوگا اور بھی بہت باتوں میں فرق ہو جاتا ہے اور لوگوں کی عادت ہے ایک کو گھٹانے اور دوسرے کو بڑھانے کی اس سے ناحق دوسرے کا جی برا ہوتا ہے۔

(۲) ہر کسی پر اطمینان مت کر لیا کرو، کسی کے بھروسے گھر مت چھوڑ جایا کرو، غرض جب تک کسی کو ہر طرح کے برتاؤ سے خوب آزمانہ لو، اس کا اعتبار مت کرو خاص کر اکثر شہروں میں بہت سی عورتیں کوئی جن بن ہوئی کعبہ کا غلاف لیے ہوئے اور کوئی تعویذ گنڈے جھاڑ پھونک کرتی ہوئی کوئی فال دیکھتی ہوئی کوئی تماشا لیے ہوئے گھروں میں گھستی پھرتی ہیں ان کو تو گھر میں ہی مت آنے دو، دروازے ہی سے روک دو، ایسی عورتوں نے بہت سے گھروں کی صفائی کر دی ہے۔

(۳) کبھی صندوقچی یا پاندان جس میں روپیہ پیسہ، گہنا، زیور رکھا کرتی ہوں کھلا چھوڑ کر مت اٹھو، قفل لگا کر یا اپنے ساتھ لے کر اٹھو۔

(۴) جہاں تک ہو سکے سودا قرض مت منگاؤ جو بہت ناچار میں مانگنا ہی پڑے تو دام پوچھ کر تاریخ کے ساتھ لکھ لو، جب دام ہوں فوراً دے دو۔

(۵) دھوبن کے کپڑے پسنہاری (دکاندار) کا اناج اور پسائی ان سب کا حساب لکھتی رہو، زبانی یاد کا بھروسہ مت کرو۔

(۶) جہاں تک ہو سکے گھر کا خرچ بہت کفایت اور انتظام سے اٹھاؤ؛ بلکہ جتنا خرچ تم کو ملے اس میں سے کچھ بچا لیا کرو۔

(۷) جو عورتیں باہر سے گھر میں آیا کرتی ہیں ان کے سامنے کوئی ایسی بات مت کیا کرو جس کا تم کو دوسری جگہ معلوم کرانا منظور نہیں؛ کیونکہ ایسی عورتیں گھروں کی باتیں دس گھر جا کر کہا کرتی ہیں۔

(۸) آٹا چاول اٹکل سے مت پکاؤ اپنے خرچ کا اندازہ کر کے دونوں وقت سب چیزیں تول ناپ کر خرچ کرو۔ اگر کوئی تم کو طعنہ دے کچھ پرواہ مت کرو۔

(۹) جو لڑکیاں باہر نکلتی ہیں ان کو زیور بالکل مت پہناؤ اس میں جان و مال دونوں طرح کا اندیشہ ہے۔

(۱۰) اگر کوئی مرد دروازے پر آ کر تمہارے شوہر یا باپ بھائی سے اپنی ملاقات یا دوست یا کس قسم کی رشتہ داری کا تعلق ظاہر کرے ہرگز اس کو گھر میں مت بلاؤ یعنی پردہ کر کے بھی اس کو مت بلاؤ اور نہ کوئی قیمتی چیز اس کے قبضہ میں دو، غیر آدمی کی طرح کھانا وغیرہ بھیج دو، زیادہ محبت واخلاص مت کرو جب تک تمہارے گھر کا کوئی مرد اس کو پہچان نہ لے اس طرح ایسے شخص کی بھیج ہوئی چیز ہرگز مت برتو، اگر وہ برا مانے کچھ غم نہ کرو۔

(۱۱) اس طرح اگر کوئی انجانی عورت ڈولی وغیرہ کے ساتھ کہیں سے آ کر کہے کہ مجھ کو فلانے گھر سے آپ کے بلانے کو بھیجا ہے ہرگز اس کے کہنے سے ڈولی میں مت سوار ہو۔ غرض انجان آدمیوں کے کہنے سے کوئی کام مت کرو، نہ اس کو اپنے گھر کی کوئی چیز دو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، چاہے وہ اپنے نام سے لے یا دوسرے کے نام سے مانگے۔

(۱۲) گھر کے اندر ایسا کوئی درخت مت رہنے دو جس کے پھل سے چوٹ لگنے کا اندیشہ ہو۔

(۱۳) کپڑا سردی میں ذرا زیادہ پہنو اکثر عورتیں بہت کم کپڑا پہنتی ہیں کہیں زکام ہو جاتا ہے کہیں بخار جاتا ہے۔

(۱۴) بچوں کو ماں باپ بلکہ دادا کا بھی نام یاد کرا دو اور کبھی کبھی پوچھتی رہا کرو؛ تاکہ اس کو یاد رہے اس میں یہ فائدہ ہے کہ اگر خدانخواستہ بچہ کھو جائے اور کوئی اس سے پوچھے کہ تو کس کا ہے تیرے ماں باپ کون ہیں تو اگر بچہ کو نام یاد ہوں گے تو بتلا تو دے گا پھر کوئی نہ کوئی تمہارے پاس اس کو پہنچا دے گا اور اگر یاد نہ ہوا تو پوچھنے پر اتنا ہی کہے گا کہ میں اماں کا ہوں ابا کا ہوں یہ خبر نہیں کون اماں کون ابا۔

(۱۵) ایک جگہ ایک عورت اپنا بچہ چھوڑ کر کہیں کام کو چل گئی پیچھے ایک بلی نے آ کر اس قدر نوچا کہ اس میں جان گئی، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ننھے بچے کو کبھی تنہا نہ چھوڑنا چاہیے، دوسرے یہ کہ بلی کتے جانور کا کچھ اعتبار نہیں بعض عورتیں بیوقوفی

کرتی ہیں کہ بلیوں کو ساتھ سلاتی ہیں بھلا اس کا کیا اعتبار، اگر رات کو کہیں دھوکہ میں پنجہ دانت مار دے یا نرخرہ پکڑ لے تو کیا کرلو۔

(۱۶) دوا ہمیشہ پہلے حکیم کو دکھلا لو، اور اس کو خوب صاف کرلو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اناڑی پنساری دوا کچھ کی کچھ دے دیتا ہے، بعض دفعہ اس میں ایسی کوئی چیز ملی ہوتی ہے کہ اس کی تاثیر اچھی نہیں ہوتی اور جو دوا کسی بوتل یا ڈبیہ یا پڑیہ میں بچ جائے اس کے اوپر ایک کاغذ کی چٹ لگا کر اس دوا کا نام لکھ دو بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو اس کی پہچان نہیں رہی اس لیے چاہے کتنی ہی لاگت کی ہوئی مگر پھینکنا پڑا اور بعض دفعہ غلط یاد رہی اور اس کو دوسری بیماری میں غلطی سے برت لیا اور اس نے نقصان کیا۔

(۱۷) لحاظ کی جگہ سے قرض مت لو، اور زیادہ قرض بھی مت دو، اتنا دو کہ اگر وصول نہ ہو تو وہ تم کو بھاری نہ معلوم ہو۔

(۱۸) جو کوئی بڑا یا نیا کام کرو، اول کسی سمجھدار دیندار خیر خواہ آدمی سے صلاح لے لو۔

(۱۹) اپنا روپیہ پیسہ مال ومتاع چھپا کر رکھو، ہر کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔

(۲۰) جب کسی کو خط لکھو تو اپنا پتہ پورا اور صاف لکھو اور اگر اس جگہ پھر خط لکھو تو یوں نہ سمجھو کہ پہلے خط میں تو پتہ لکھ دیا تھا اب کیا ضرورت ہے کیونکہ پہلا خط خدا جانے ہے یا نہیں اگر نہ ہوا تو دوسرے آدمی کو کیسی دقت پڑے گی شاید اس کو زبانی بھی یاد نہ رہا ہو یا ان پڑھ ہونے کی وجہ سے لکھنے والے کو نہ بتلا سکے۔

(۲۱) اگر ریل کا سفر کرنا پڑے تو اپنا ٹکٹ بڑی حفاظت سے رکھو یا اپنے مردوں کے پاس رکھو، اور گاڑی میں غافل ہو کر زیادہ مت سوو، نہ کسی عورت مسافر سے اپنے دل کے بھید کہو، نہ اپنے اسباب اور زیور کا اس سے ذکر کرو اور کسی کی دی ہوئی چیز پان یا مٹھائی کھانا وغیرہ کچھ مت کھاؤ، اور زیور پہن کر ریل میں مت بیٹھو بلکہ اتار کر صندوقچہ وغیرہ میں رکھ لو، جب منزل پر پہنچ کر گھر جاؤ اس وقت جو چاہو پہن لو۔

(۲۲) سفر میں کچھ خرچ ضرور پاس رکھو۔

(۲۳) باؤلے آدمی کو مت چھیڑو نہ اس سے بات کرو جب اس کو ہوش نہیں خدا جانے کیا کہہ بیٹھے یا کیا کر گزرے پھر ناحق تم کو شرمندگی اور رنج ہو۔

(۲۴) اندھیرے میں ننگا پاؤں کہیں مت رکھو، اندھیرے میں کہیں ہاتھ مت ڈالو پہلے چراغ کی روشنی لے لو پھر ہاتھ ڈالو۔

(۲۵) اپنا بھید ہر کسی سے مت کہو بعضے آدمی اوچھوں سے بھید کہہ کر پھر منع کر دیتے ہیں کہ کسی سے کہنا مت، اس سے ایسے آدمی اور بھی کہا کرتے ہیں۔

(۲۶) ضرور دوائیں ہمیشہ اپنے گھر میں رکھو۔

(۲۷) ہر کام کا پہلے انجام سوچ لیا کرو اس وقت شروع کرو۔

(۲۸) چینی اور شیشے کے برتن اور سامان بھی بلا ضرورت زیادہ مت خریدو کہ اس میں بڑا روپیہ برباد ہوتا ہے۔

(۲۹) اگر عورتیں ریل میں بیٹھیں اور اپنے ساتھ کے مرد دوسری جگہ بیٹھے ہوں تو جس اسٹیشن پر اترنا ہو، ریل پہنچنے کے وقت اس اسٹیشن کا نام سن کر یا تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر اترنا نہ چاہیے بعض شہروں میں دو تین اسٹیشن ہوتے ہیں شاید ان کے ساتھ کا مرد دوسرے اسٹیشن پر اترے اور یہ یہاں اتر پڑیں تو دونوں پریشان ہوں گے یا مرد کی آنکھ لگ گئی اور وہ یہاں نہ اترا اور یہ اتریں تب بھی مصیبت ہوگی بلکہ جب اپنے گھر کا مرد آجائے تب اتریں۔

(۳۰) سفر میں لکھی پڑھی عورتیں یہ چیزیں بھی ساتھ رکھیں ایک کتاب، مسئلوں کی پنسل کاغذ، تھوڑے سے کارڈ، وضو کا برتن۔

(۳۱) سفر میں جانے والوں سے حتی الامکان کوئی فرمائش مت کرو کہ فلاں جگہ سے یہ خرید لانا، ہماری فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے تم اپنے ساتھ لیتے آنا، یہ اسباب لیتے جاؤ فلانے کو پہنچا دینا یہ خط فلانے کو دے دینا، ان فرمائشوں سے اکثر دوسرے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر دوسرا بے فکر ہو تو اس کے بھروسے رہنے سے تمہارا نقصان ہوگا

خط تو تین پیسے میں جہاں چاہو بھیج دو، اور چیز ریل میں منگا سکتی ہو یا وہ چیز اگر یہاں مل سکتی ہو تو مہنگی لے سکتی ہو اپنی تھوڑی سی بچت کے واسطے دوسروں کو پریشان کرنا بہتر نہیں، بعض کام ہوتا تو ہے ذرا سا مگر اس کے بندوبست میں بہت الجھن ہوتی ہے اور اگر بہت ہی ناچار پڑے تو چیز کے منگانے میں پہلے دام بھی دے دو، اگر ریل میں آئے جائے تو کچھ زیادہ دام دے دو کہ شاید اس کے پاس خود اپنا اسباب بھی ہو، اور سب مل کر تولنے کے قابل ہو جائے۔

(۳۲) ریل میں یا ویسے کہیں سفر میں انجان آدمی کے ہاتھ کی دی ہوئی چیز کبھی نہ کھائے بعضے شریر آدمی کچھ زہر یا نشہ کھلا کر مال اسباب لے بھاگتے ہیں۔

(۳۳) ریل کی جلدی میں اس کا خیال رکھو کہ جس درجہ کا ٹکٹ تمہارے پاس ہے اس سے بڑے کرایہ کے درجہ میں مت بیٹھ جاؤ۔

(۳۴) سینے میں اگر کپڑے میں سوئی اٹک جائے تو اس کو دانت سے پکڑ کر مت کھینچو، بعض دفعہ ٹوٹ کر یا پھسل کر تالو میں یا زبان میں گھس جاتی ہے۔

(۳۵) ایک ناخن تراش ناخن تراشنے کو ضرور اپنے پاس رکھو۔

(۳۶) بنی ہوئی دوا کبھی استعمال مت کرو جب تک اس کا پورا نسخہ کسی تجربہ کار سمجھدار حکیم کو دکھلا کر اجازت نہ لی جائے خاص کر آنکھ میں تو کبھی ایسی ویسی دوا ہرگز نہ ڈالنا چاہیے۔

(۳۷) جس کام کا پورا بھروسہ نہ ہو، اس میں دوسرے کو کبھی بھروسہ نہ دے ورنہ تکلیف اور رنج ہوگا۔

(۳۸) کسی کی مصلحت میں دخل اور صلاح نہ دے البتہ جس پر پورا اختیار ہو، یا جو خود پوچھے وہاں کچھ ڈر نہیں۔

(۳۹) کسی کو ٹھہرانے پر یا کھانا کھلانے میں زیادہ اصرار نہ کرے بعض دفعہ اس میں دوسرے کو الجھن اور تکلیف ہوتی ہے ایسی محبت سے کیا فائدہ جس کا انجام نفرت اور الزام ہو۔

(۴۰) اتنا بوجھ مت اٹھاؤ جو مشکل سے اٹھے ہم نے بہت آدمی دیکھے ہیں کہ لڑکپن میں بوجھ اٹھا لیا اور ایسا کوئی بگاڑ پڑ گیا جس سے ساری عمر کی تکلیف کھڑی ہوگئی، خاص کر لڑکیاں اور عورتیں بہت احتیاط رکھیں ان کے بدن کے جوڑ اور رگ پٹھے اور بھی کمزور نرم ہوتے ہیں۔

(۴۱) سوا یا سوئی یا ایسی کوئی چیز چھوڑ کر مت اٹھو شاید کوئی بھولے سے اس پر بیٹھے اور وہ اس کے چبھ جائے۔

(۴۲) آدمی کے اوپر سے کوئی چیز وزن کی یا خطرہ کی مت دو، اور کھانا پانی بھی کسی کے اوپر سے مت دو شاید ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

(۴۳) کسی بچہ یا شاگرد کو سزا دینا ہو تو موٹی لکڑی یا لات گھونسہ سے مت مارو، اللہ بچائے اگر کہیں نازک جگہ چوٹ لگ جائے تو لینے کے دینے پڑ جائیں اور چہرے اور سر پر بھی مت مارو۔

(۴۴) اگر کہیں مہمان جاؤ اور کھانا کھا چکو ہو تو جاتے ہی گھر والوں کو اطلاع کر دو؛ کیونکہ وہ لحاظ کے مارے خود پوچھیں گے نہیں چپکے چپکے سب فکر کریں گے خواہ وقت ہو یا نہ ہو، انہوں نے تکلیف جھیل کر کھانا پکایا، جب سامنے آیا تو تم نے کہہ دیا کہ ہم نے تو کھا لیا اس وقت ان کو کتنا افسوس ہوگا تو پہلے ہی سے کیوں نہ کہہ دو، اس طرح اگر کوئی دوسرا تمہاری دعوت کرے یا تم کو ٹھیرائے تو گھر والے سے اجازت لو، اور اگر ایسی ہی مصلحت ہو جس سے تم کو خود منظور کرنا پڑے تو گھر والے کو ایسے وقت اطلاع کرو کہ وہ کھانا پکانے کا سامان نہ کرے۔

(۴۵) جو جگہ لحاظ اور تکلف کی ہو وہاں خرید و فروخت کا معاملہ مناسب نہیں کیونکہ ایسی جگہ نہ بات صاف ہو سکتی ہے نہ تقاضا ہو سکتا ہے ایک دل میں کچھ سمجھتا ہے دوسرا کچھ سمجھتا ہے، انجام اچھا نہیں۔

(۴۶) چاقو وغیرہ سے دانت مت کریدو۔

(۴۷) پڑھنے والے بچوں کو دماغ کس طاقت کس غذا ہمیشہ کھلاتی رہو۔

(۴۸) جہاں تک ممکن ہو تو رات کو تنہا مکان میں مت رہو، خدا جانے کیا اتفاق ہو، اور ناچار کی اور بات ہے بعضے آدمی یونہی مر کر رہ گئے اور کئی کئی روز کے بعد لوگوں کو خبر ہوئی۔

(۴۹) چھوٹے بچوں کو کنویں پر مت چڑھنے دو؛ بلکہ اگر گھر میں کنواں ہو تو اس پر تختہ ڈلوا کر ہر وقت قفل لگائے رکھو اور ان کو لوٹا دے کر پانی لانے کے واسطے کبھی مت بھیجو، شاید وہاں جا کر خود ہی کنویں سے ڈول کھینچنے لگیں۔

(۵۰) پتھر سل اینٹ بہت دنوں تک جو ایک جگہ رکھی رہتی ہے اکثر اس کے نیچے بچھو وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اس کو دفعۃً مت اٹھا لو خوب دیکھ بھال کر اٹھاؤ۔

(۵۱) جب بچھونے پر لیٹنے لگو تو اس کو کسی کپڑے سے پھر جھاڑ لو شاید کوئی جانور اس پر چڑھ گیا ہو۔

(۵۲) ریشم اور اون کپڑوں کی تہوں میں نیم کی پتی اور کافور رکھ دیا کرو کہ اس سے کیڑا نہیں لگتا۔

(۵۳) اگر گھر میں کچھ روپیہ پیسہ دبا کر رکھو تو ایک دو آدمی گھر کے جن کا تم کو پورا اعتبار ہو ان کو بھی بتلا دو ایک جگہ ایک عورت پانچ سو روپے میاں کی کمائی کے دبا کر مر گئی جگہ ٹھیک ٹھیک کسی کو معلوم نہیں تھی سارا گھر کھود ڈالا کہیں پتہ نہ لگا میاں غریب آدمی تھا خیال کرو کیسا صدمہ ہوا ہوگا۔

(۵۴) بعضے آدمی تالا لگا کر کنجی بھی ادھر ادھر پاس ہی کو رکھ دیتے ہیں یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔

(۵۵) مٹی کا تیل بہت نقصان کرتا ہے اس کو نہ جلائیں اور چراغ میں بتی اپنے ہاتھ سے بنا کر ڈالیں جو نہ بہت باریک ہو نہ بہت موٹی، بعض نوکرانیاں بے تمیز بہت موٹی بتی ڈال دیتی ہیں مفت میں دوگنا تگنا تیل برباد ہو جاتا ہے اور چراغ میں بتی اُکسانے کیلئے پابندی کے ساتھ ایک لکڑی یا لوہے پیتل کا تار ضرور رکھیں ورنہ انگلی خراب کرنی پڑتی ہے اور چراغ گل کرنے کے وقت احتیاط رکھیں اس پر ایسا ہاتھ نہ ماریں کہ چراغ ہی آ پڑے؛ بلکہ اس کیلئے پنکھا یا کپڑا مناسب ہے اور مجبوری کو منہ سے بجھا دیں۔

(۵۶) رات کے وقت اگر روپے وغیرہ گننا ہو بہت آہستہ سے گنو کہ آواز نہ ہو، اس کے ہزاروں دشمن ہیں۔

(۵۷) جلتا چراغ تنہا مکان میں چھوڑ کر مت جاؤ اس طرح دیا سلائی سلگتی ہوئی ویسی ہی کہیں مت پھینک دو اس کو یا تو بجھا کر پھینکو یا پھینک کر جوتی وغیرہ سے مل ڈالو تا کہ بالکل اس میں چنگاری نہ رہے۔

(۵۸) بچوں کو دیا سلائی سے یا آگ سے یا آتشبازی سے ہرگز کھیلنے مت دو، ہمارے پڑوس میں ایک لڑکا دیا سلائی کھینچ رہا تھا کرتے میں آگ لگ گئی تمام سینہ جل گیا ایک جگہ آتشبازی سے ایک لڑکے کا ہاتھ اڑ گیا۔

(۵۹) پاخانہ وغیرہ میں چراغ لے جاؤ تو بہت احتیاط رکھو کہ کہیں کپڑوں میں نہ لگ جائے بہت آدمی اس طرح جل چکے ہیں خاص کر مٹ کا تیل تو اور بھی غضب ہے۔

بعض باتیں نیکیوں کی اور نصیحتوں کی

(۱) پرانی باتوں کا کس کو طعنہ دینا بری بات ہے، عورتوں کی ایسی بری عادت ہے کہ جن رنجوں کی صفائی اور معافی بھی ہو چکی ہے جب کوئی نئی بات ہوگئی، پھر ان رنجوں کے ذکر کو لے بیٹھیں گی یہ گناہ بھی ہے اور اس سے دلوں میں دوبارہ رنج و غبار بھی بڑھ جاتا ہے۔

(۲) اپنے سسرال کی شکایت ہرگز میکے میں جا کر مت کرو، بعض شکایات گناہ بھی ہیں اور یہ بے صبری کی بھی بات ہے اور اکثر اس سے دونوں طرف رنج بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح سسرال میں جا کر میکے کی تعریف یا وہاں کی بڑائی بھی مت کرو، اس میں بھی بعض دفعہ فخر و تکبر کا گناہ ہو جاتا ہے اور سسرال والے سمجھتے ہیں کہ ہم کو بہو بے قدر سمجھتی ہے اس سے وہ بھی اس کی بے قدری کرنے لگتے ہیں۔

(۳) زیادہ بکواس کی عادت مت ڈالو، ورنہ بہت سی باتوں میں کوئی نہ کوئی بات نامناسب ضرور نکل جاتی ہے جس کا انجام دنیا میں رنج اور عقب میں گناہ ہوتا ہے۔

(۴) جہاں تک ہو سکے اپنا کام کسی سے مت لو، خود اپنے ہاتھ سے کر لیا کرو بلکہ دوسروں کا بھی کام کر دیا کرو، اس سے تم کو ثواب بھی ہوگا اور اس سے ہر دلعزیز ہو جائے گی۔

(۵) ایسی عورتوں کو کبھی منہ مت لگاؤ، اور نہ کان دے کر ان کی بات سنو جو ادھر ادھر کی باتیں گھر میں آ کر سنا دیں، ایسی باتیں سننے سے گناہ بھی ہوتا ہے اور فساد بھی ہو جاتا ہے۔

(۶) اگر اپنی ساس نند دیورانی جٹھانی یا دور نزدیک کے رشتہ دار کی کوئی شکایت سنو تو اس کو دل میں مت رکھو بہتر تو یہ ہے کہ اس کو جھوٹ سمجھ کر دل سے نکال ڈالو۔ اگر اتنی ہمت نہ ہو تو جس سے تم نے کہا ہے اس کا سامنا کرا کر منہ در منہ اس کو صاف کر لو اس سے فساد نہیں بڑھتا۔

(۷) نوکروں پر ہر وقت سختی اور تنگی مت کیا کرو اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال رکھو تاکہ نوکروں کو یا ان کے بچوں کو نہ ستانے پائیں کیونکہ یہ لوگ لحاظ کے مارے زبان سے تو کچھ نہ کہیں گے لیکن دل میں ضرور کوسیں گے پھر اگر نہ بھی کوسا جب بھی ظلم کا وبال اور گناہ تو ضرور ہوگا۔

(۸) اپنا وقت فضول باتوں میں مت کھویا کرو اور بہت سا وقت اس کام کیلئے بھی رکھو کہ اس میں لڑکیوں کو قرآن اور دین کی کتابیں پڑھایا کرو، اگر زیادہ نہ ہو تو قرآن کے بعد یہ کتاب بہشتی زیور شروع سے ختم تک تو ضرور پڑھا دیا کرو، لڑکیاں چاہے اپنی ہوں یا پرائی ہوں ان سب کیلئے اس کا بھی خیال رکھو کہ ان کو ضرور ہنر بھی آ جائیں؛ لیکن قرآن کے ختم ہونے تک ان سے دوسرا کام مت لو، اور جب قرآن پڑھ چکیں اور صاف بھی کر لیں پھر صبح کے وقت پڑھا پھر جب چھٹی لے کر کھانا کھا چکیں ان سے لکھواؤ، پھر دن رہے سے ان کو کھانا پکانے کا اور سینے پرونے کا کام سکھاؤ۔

(۹) جو لڑکیاں تم سے پڑھنے آئیں ان سے اپنے گھر کے کام مت لو نہ ان سے اپنے بچوں کی ٹہل کراؤ، بلکہ ان کو بھی اپنی اولاد کی طرح رکھو۔

(۱۰) نام کے واسطے کبھی کوئی فکر کوئی بوجھ اپنے اوپر مت ڈالو، گناہ کا گناہ مصیبت کی مصیبت۔

(۱۱) کہیں آنے جانے کے وقت اس کی پابند مت بنو کہ خواہ مخواہ جوڑا ضرور ہی بدلا جائے زیور بھی سارا لادا جائے کیونکہ اس میں یہ نیت ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہم کو بڑا سمجھیں سو ایسی نیت خود گناہ ہے اور چلنے میں اس کے سبب دیر بھی ہو جاتی ہے جس سے طرح طرح کے حرج ہو جاتے ہیں۔ مزاج میں عاجزی اور سادگی رکھو کبھی جو کپڑے پہنے بیٹھی ہو یہ پہن کر چلی جایا کرو، کبھی اگر کپڑے زیادہ میلے ہوئے یا ایسا ہی کوئی موقع ہوا مختصر طور پر جتنا آسانی سے اور جلدی سے ہو سکا بدل لیا بس چھٹی ہوئی۔

(۱۲) کسی سے بدلہ لینے کے وقت اس کے خاندان کے یا مرے ہوؤں کے عیب مت نکالو، اس میں گناہ بھی ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ دوسروں کو رنج ہوتا ہے۔

(۱۳) دوسروں کی چیز جب برت چکو یا جب برتن خالی ہو جائے فوراً واپس کر دو، اگر کوئی اتفاق سے اس وقت لے جانے والا نہ ملے تو اس کو اپنے برتنے کی چیزوں میں ملا جلا کر مت رکھو، بالکل علیحدہ اٹھا کر رکھ دو تا کہ وہ چیز ضائع نہ ہو، ویسے بھی بے اجازت کسی کی چیز برتنا گناہ ہے۔

(۱۴) اچھا کھانے پینے کی عادت مت ڈالو۔ ہمیشہ ایک سا وقت نہیں رہتا پھر کس وقت بہت مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔

(۱۵) احسان کسی کا چاہے تھوڑا سا ہو اس کو کبھی مت بھولو، اور اپنا احسان چاہے جتنا ہو بڑا ہو، مت جتلاؤ۔

(۱۶) جس وقت کوئی کام نہ ہو سب سے اچھا شغل کتاب دیکھنا ہے، اس کتاب کے ختم پر بعض کتابوں کے نام لکھ دیئے ہیں ان کو دیکھا کرو، اور جن کتابوں کا اثر اچھا نہ ہو ان کو کبھی مت دیکھو۔

(۱۷) چلا کر کبھی مت بولو، باہر آواز جائے گی کیسی شرم کی بات ہے۔

(۱۸) اگر رات کو اٹھو، اور گھر والے سوتے ہوں تو کھڑے کھڑے دھڑ دھڑ مت کرو، زور سے مت چلو تم تو ضرورت سے جاگیں بھلا اَوروں کو کیوں جگایا جو کام کرو، آہستہ کرو، آہستہ کواڑ کھولو، آہستہ پان لو، آہستہ تھوکو، آہستہ چلو، آہستہ گھڑا بند کرو۔

(۱۹) بڑوں سے ہنسی مت کرو، بے ادبی کی بات ہے اور کم حوصلہ لوگوں سے بے تکلفی نہ کرو کہ وہ بے ادب ہو جائیں گے پھر تم کو ناگوار ہوگا یا وہ لوگ کہیں دوسری جگہ گستاخی کر کے ذلیل ہوں گے۔

(۲۰) اپنے گھر والوں کی یا اپنی اولاد کی کسی کے سامنے تعریف مت کرو۔

(۲۱) اگر کسی محفل میں سب کھڑے ہو جائیں تم بھی مت بیٹھی رہو کہ اس میں تکبر پایا جاتا ہے۔

(۲۲) اگر دو شخصوں میں آپس میں رنج ہو تو تم ان دونوں کے درمیان ایسی بات کوئی مت کہو کہ اگر ان میں میل ہو جائے تو تم کو شرمندگی اٹھانی پڑے۔

(۲۳) جب تک روپے پیسے نرمی سے کام نکل سکے سخت اور خطرہ میں نہ پڑو۔

(۲۴) مہمان کے سامنے کسی پر غصہ مت کرو، اس سے مہمان کا دل ویسا کھلا ہوا نہیں رہتا جیسا کہ پہلے تھا۔

(۲۵) دشمن کے ساتھ بھی اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اس کی دشمنی نہ بڑھے گی۔

(۲۶) روٹی کے ٹکڑے یوں ہی مت پڑے رہنے دو جہاں دیکھو اٹھا لو، اور صاف کر کے کھا لو، اگر نہ کھا سکو کسی جانور کو دے دو، اور دستر خوان جس میں ریزے ہوں، اس کو ایسی جگہ مت جھاڑو، جہاں کسی کا پاؤں آئے۔

(۲۷) لڑکیوں پر تاکید رکھو کہ لڑکوں میں نہ کھیلا کریں کیونکہ اس میں دونوں کی عادت بگڑتی ہے اور جو غیر لڑکے گھر میں آئیں چاہے وہ چھوٹے ہی ہوں مگر اس وقت لڑکیاں وہاں سے ہٹ جایا کریں۔

(۲۸) کسی سے ہاتھ پاؤں کی ہنس ہرگز مت کرو اکثر تو رنج ہو جاتا ہے اور کبھی جگہ بے جگہ چوٹ بھی لگ جاتی ہے اور زبان بھی زیادہ ہنسی مت کرو جس سے دوسرا چڑنے لگے اس میں بھی تکرار ہو جاتی ہے خاص کر مہمان سے ہنسی کرنا اور بھی بیہودہ بات ہے جیسے بعضے آدمی براتیوں سے ہنسی کرتے ہیں۔

(۲۹) اپنے بزرگوں کے سرہانے مت بیٹھو لیکن اگر وہ کس وجہ سے خود حکم کے طور پر بیٹھنے کو کہیں تو اس وقت ادب یہ ہے کہ کہنا مان لو۔

(۳۰) اگر کس سے کوئی چیز مانگنے کے طور پر لو تو ایک تو اس کو خوب احتیاط سے رکھو اور جب وہ خالی ہو جائے فوراً اس کے پاس پہنچا دو، یہ راہ مت دیکھو کہ وہ خود مانگے اول تو اس کو خبر کیا کہ اب خالی ہو گئی، دوسرے شاید لحاظ کے مارے نہ مانگے اور شاید اس کو یاد نہ رہے پھر ضرورت کے وقت اس کو کیسی پریشان ہوگی اس طرح کسی کا قرض ہو تو اس کا خیال رکھو کہ جب ذرا بھی گنجائش ہو فوراً جتنا ہو سکا قرض اتار دیا۔

(۳۱) اگر کبھی کسی ناچاری میں کہیں رات بے رات پیدل چلنے کا موقع ہو تو چھڑے کڑے وغیرہ پاؤں میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لو، راستہ میں بجاتی ہوئی مت چلو۔

(۳۲) اگر کوئی بالکل تنہا کوٹھڑی وغیرہ میں ہو، اور کواڑ وغیرہ بند ہوں تو دفعۃً کھول کر اندر مت چلی جاؤ، خدا جانے وہ آدمی ننگا ہو، کھلا ہو، یا سوتا ہو، اور ناحق بے آرام ہو، بلکہ آہستہ آہستہ پہلے پکارو، اور اندر آنے کی اجازت لو، اگر وہ اجازت دے تو اندر جاؤ، نہیں تو خاموش ہو جاؤ، پھر دوسرے وقت سہی، البتہ اگر کوئی بہت ہی ضرورت کی بات ہو تو پکار کر جگا لو، جب تک وہ بول نہ پڑے تب تک اندر پھر بھی مت جاؤ۔

(۳۳) جس آدمی کو پہچانتی نہ ہو، اس کے سامنے کسی شہر یا قوم کی برائی مت کرو شاید وہ آدمی اس شہر یا اس قوم کا ہو پھر تم کو شرمندہ ہونا پڑے۔

(۳۴) اس طرح جس کام کا کرنے والا تم کو معلوم نہ ہو تو یوں مت کہو یہ کس بے وقوف نے کیا ہے یا ایسی ہی کوئی بات مت کہو، شاید کسی ایسے شخص نے کیا ہو، جس کا تم لحاظ کرتی ہو، پھر معلوم ہوئے پیچھے شرمندہ ہونا پڑے۔

(۳۵) اگر تمہارا بچہ کسی کا قصور خطا کرے تو تم کبھی اپنے بچہ کی طرفداری مت کرو خاص کر بچے کے سامنے ایسا کرنا بچے کی عادت خراب کرنا ہے۔

(۳۶) لڑکیوں کی شادی میں زیادہ یہ بات دیکھو کہ داماد کے مزاج میں خدا کا خوف اور دینداری ہو، ایسا شخص اپنی بی بی کو ہمیشہ آرام سے رکھتا ہے، اگر مال و دولت بہت کچھ ہو، اور دین نہ ہوا تو وہ شخص اپنی بی بی کا حق ہی نہ پہچانے گا اور اس کے ساتھ وفاداری نہ کرے گا بلکہ روپیہ پیسہ بھی نہ دے گا اگر دیا بھی تو اس سے زیادہ جلا دے گا۔

(۳۷) بعض عورتوں کی عادت ہے کہ پردے میں سے کسی کو بلانا ہو تو خبر کرنے کیلئے آڑ میں کھڑے ہو کر ڈھیلا پھینکتی ہیں بعض دفعہ وہ کسی کے لگ جاتا ہے ایسا کام کرنا نہ چاہیے جس میں کسی کو تکلیف پہنچنے کا شبہ ہو بلکہ اپنی جگہ بیٹھی ہوئی اینٹ وغیرہ کھٹ کھٹا دینا چاہیے۔

(۳۸) اپنے کپڑوں پر سوئی ڈورے سے کوئی نشان پھول وغیرہ بنا دیا کرو کہ دھوبی کے گھر کپڑے بدلے نہ جائیں ورنہ کبھی غلطی سے تم دوسرے کے اور دوسرا تمہارے کپڑے برت کر خواہ مخواہ گنہگار ہوگا اور دنیا کا بھی نقصان ہے۔

(۳۹) عرب میں دستور ہے کہ جو کسی بزرگ آدمی سے کوئی چیز تبرک کے طور پر لینا چاہتے ہیں تو وہ چیز اپنے پاس سے ان بزرگ کے پاس لا کر کہتے ہیں کہ آپ اس کو ایک دو روز استعمال کر کے ہم کو دے دیجئے۔ اس میں ان بزرگ کو تردد نہیں کرنا پڑتا ورنہ اگر بیس آدمی کسی بزرگ سے ایک ایک کپڑا مانگیں تو ان کی گٹھری میں تو ایک چیتھڑا بھی نہ رہے ہمارے ہندوستان میں بے دھڑک مانگ بیٹھتے ہیں بعض دفعہ ان کو سوچ ہو جاتا ہے، اگر ہم لوگ بھی عرب کا دستور برتیں تو بہت مناسب ہے۔

(۴۰) اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی بات کہے تو اگر اس کے خلاف مناسب جواب دینا ہو تو اپنی طرف سے جواب دو کسی اور کے نام سے مت کہو کہ تم یوں کہتے ہو، اور فلاں شخص اس کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اگر اس دوسرے شخص کو اس نے کچھ کہہ دیا تو وہ سن کر رنجیدہ ہوگا۔

(۴۱) محض اٹکل اور گمان سے بدون تحقیق کیے ہوئے کسی پر الزام مت لگاؤ اس سے بہت دل دکھتا ہے۔ (۱)

شوہر کے رشتہ داروں کا خیال رکھے

عورت کو چاہئے کہ اپنے سسرال میں اپنی ہر ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کرتی رہے اور ساس سسر اور دیگر لوگوں کی خدمت اخلاص وللّٰہیت سے کرے، اس بارے میں کوئی کمی کوتاہی اپنی طرف سے نہ کرے، سسرال والوں کی جانب سے ان کا رویہ کس قدر خراب اور برا کیوں نہ ہو، وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو اپنا مطمح نظر اور مقصود بنائے رہے، ان سے اجر یا ان کی خوشنودی کی شکل میں ان سے معاوضہ کی طالب نہ ہو؛ بلکہ نیک نیتی اور اپنائیت کے جذبہ کے ساتھ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لگی رہے اس اخلاص کے بدولت ایک دن وہ آئے گا کہ ان کے دل خود پسیج جائیں گے اور وہ خود اس کے ہمدرد اور ہم نوا بن جائیں گے، جب اخلاص سے صدقے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے بدکار عورت بدکاری سے اور چور چوری سے اور بخیل بخل سے تائب ہوسکتا ہے تو کیوں کر اس کے اخلاص کی وجہ سے ان کی دل کی دنیا نہ بدلے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے کہا: میں آج رات ضرور صدقہ کروں گا، وہ اپنے صدقہ کو رات میں لے کر نکلا، اسے ایک بدکار عورت کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح لوگوں میں چرچا ہوا کہ کل رات ایک بدکار عورت کو صدقہ دیا گیا، اس نے کہا: زانیہ پر صدقہ کرنے میں بھی تعریف اللہ ہی کیلئے ہے، پھر اس نے

---

(۱) اختری بہشتی زیور: دسواں حصہ: ۱۹-۲

کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ اپنے صدقے کے مال کو لے کر گیا اور اسے ایک مالدار کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح چرچا ہوا کہ کل رات ایک مالدار کو صدقہ دیا گیا، اس نے کہا: مالدار کو صدقہ دینے پر بھی تیرے ہی لئے تعریف ہے، پھر وہ رات صدقہ لے کر نکلا، پھر اسے وہ ایک چور کے ہاتھ میں رکھ دیا، پھر صبح چرچا ہوا کہ رات چور کو صدقہ دیا گیا، اس نے کہا: اے اللہ! بدکار عورت، مالدار اور چور کو صدقہ کرنے پر بھی تیرے ہی لئے تعریف ہے، پھر اسے یہ بتلایا گیا کہ تیرا صدقہ قبول ہو گیا، بدکار عورت شاید کہ عفیف اور پاک دامن ہو جائے، مالدار عبرت حاصل کرے اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچنے لگے، اور چور اپنی چوری سے تائب ہو جائے "أمّا الزانية لعلّها تستعفف، ولعلّ الغنيّ يعتبر فينفق ممّا أعطاه اللّه، ولعلّ السّارق يستعفف عن سرقته" (۱)

سسرال کے یہاں عورت کے رہن سہن کے تعلق سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی والدہ مرحومہ فرماتی ہیں کہ: اپنے ساس وسسر کو ماں باپ کی جگہ پر سمجھو، اور نندوں کو حقیقی بہن سمجھو، تم جو کام کرو ان کی رائے سے کرو، جو چیز تمہارے میکہ سے آئے وہ تم اپنی ساس نندوں کے پاس بھیج دو، پھر وہ جو کریں اس پر تم خوش رہو، جو کچھ تم والدین کے پاس سے لائی ہو وہ سب سامان انہیں کے ماتحت رکھو، کپڑوں کے بکس ان کی خوشی پا کر اپنے پاس رکھو، اور تقریبات کیلئے الگ رکھو، ان کی مرضی کے موافق کپڑے بدلو، اپنی پسند کو بے جا دخل نہ دو، اپنی چیزوں کا خود خیال رکھو، ان سے حساب نہ لو، فرصت میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھو، اور ان کی نشست وبرخواست پر نظر کرتی رہو، تا کہ اس گھر کے طور وطریقے تم جان سکو، چپکے چپکے گھر کے انتظامات سے واقف ہوتی رہو کہ کیا پکتا ہے اور کس طرح تقسیم ہوتا ہے، مہمانوں کی کیا خاطر ہوتی ہے اس طرح تم خود آہستہ آہستہ تمام امور سیکھتی جاؤ گی۔ (۲)

---

(۱) مسلم: باب ثبوت أجر المتصدق، حدیث: ۱۰۲۲

(۲) حسن معاشرت: ۳۰-۳۱

پڑوسی کے حقوق

انسان کے اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق پڑوسیوں اور ہم سایوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے، پڑوسی اور ہمسائے سے تعلقات کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا اثر براہِ راست انسان کی زندگی پر ہوا کرتا ہے، اس لئے حضور ﷺ نے خصوصاً پڑوسی کے حقوق کو بڑی عظمت اور اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کو جزوِ ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ ورسول ﷺ کی محبت کا معیار قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پڑوسی کا بھی حق ہے ”للجار حق“ (۱)

☆ چنانچہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ (اللہ کے خاص قاصد جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیں گے ”مازال جبرئیل یُوصینی بالجارحی ظننتُ أنّه سیورّثه“ (۲) یعنی کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوتا ہے، مقصود پڑوسی کے حق کی اہمیت کو بیان کرنا ہے۔

☆ اور ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نصیب ہو یا یہ کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے:

---

(۱) مسند بزار: ومما روی عن سعید بن زید، حدیث: ۱۰۱/٤، مؤسسة علوم القرآن، بیروت، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف ہیں، مجمع الزوائد: باب حق الجار، حدیث: ۱۳۵۳۷

(۲) بخاری: باب الوصاءة بالجار، حدیث: ٥٦٦٩

۱- بات کرے تو سچ بولے۔
۲- جب کوئی امانت اسکے سپرد کی جائے تو امانت داری کے ساتھ اس کو ادا کرے۔
۳- اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے "ولیحسن جوار من جاوره"(۱)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ خدا کی قسم! وہ شخص مومن نہیں خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں' عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون شخص؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور خرابیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے " الذی لا یأمن جاره بوائقه " (۲)

☆ اور ایک روایت میں فرمایا: "وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا جس کی شرارتوں اور ایذاء رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں" لا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه " (۳)

ان احادیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے پڑوسی کو ایذاء پہنچانے والے کو کہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی نفی اور کہیں اس کے ایمان کی نفی اور کہیں اس کے دخول جنت کی نفی فرمائی اس سے پڑوسی کے حقوق اور اس کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆ پڑوسی کی ضرورت کا خیال رکھا جائے:

اور ایک جگہ فرمایا پڑوسی بھوکا رہے اور خود آسودہ ہو کر سو جائے تو فرمایا یہ شخص بھی مومن نہیں (یہاں کامل ایمان کی نفی مراد ہے)، "ليس المؤمن الذى يشبع وجاره جائع الى جنبه وهويعلم به " (۴)

---

(۱) شعب الایمان، باب فی تعظیم النبی وسمواجلاله، حدیث: ۱۵۳۳
(۲) بخاری : باب اثم من لا یأمن جاره بوائقه، حدیث: ۵٦٧٠
(۳) مسلم: باب بیان تحریم ایذاء الجار، حدیث: ٤٦
(۴) مسند أبی یعلی: مسند عباس، حدیث: ۲٦٩٩، حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے اور بزار کی سند حسن درجے کی ہے۔

اب ہم خود غور کر لیں کہ ہم کتنا اپنے پڑوسیوں کی بھوک و پیاس اور دیگر ضرورتوں کا خیال کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں اپنے ایمان کا معیار طے کر لیں۔

حضور ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں آسان صورت یہ بتائی کہ ”جب تم میں سے کوئی ہانڈی تیار کرے تو اس کے سالن میں اضافہ کرے پھر اس میں سے کچھ اپنے پڑوسی کو دے“ فليكثر مرقها ثم لينا ول جاره منها “(۱)

ایک موقع سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے ابوذر! جب تم سالن پکاؤ تو اس میں اضافہ کر لو اور اپنے پڑوسی کا خیال کرو“ یا اباذر اذا طبخت فاكثر المرق وتعاهد جيرانك “(۲)

اور ایک روایت میں فرمایا اے عائشہ! اگر تمہارے پڑوس کا بچہ کہے تو اس کے ہاتھ میں کچھ رکھ دو اس سے محبت بڑھتی ہے ”فان ذلك يجر مودة “ (۳)

☆ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی کے بعض متعین حقوق کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔

معاویہ بن جیدہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو اور اگر انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کیلئے) قرض مانگے تو (بقدرِ استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو، اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو، اور اپنی عمارت کو اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے ”ولا ترفع بناء ك فوق بنائه فسد عليه الريح “ اور جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ تمہاری ہانڈی کی مہک اس کیلئے اور اس کے بچوں کیلئے باعثِ ایذاء نہ ہو

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الجار ، حديث: ١٣٥٤٦ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عبداللہ بن سعید قائد الاعمش ہیں، ان کی ابن حبان نے توثیق کی ہے اور دیگر لوگوں نے ان کی تضعیف کی ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مسلم: باب الوصية بالجار ، حديث: ٢٦٢٥

(۳) كنز العمال: الاكمال من حق الجار ، حديث : ٢٤٩٣٦

(یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا کچھ اس کے گھر بھیج دو اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱)

یہ حدیث پڑوسی کے حقوق کے متعلق نہایت جامع ہے اس میں خصوصاً دو چیزوں کو اہتمام سے بیان کیا گیا جس کے سلسلہ میں کوتاہی عام ہے:

ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو کہ اپنی دیوار اس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اس کو تکلیف پہنچے۔

دوسری قابل توجہ چیز یہ ہے کہ جب کوئی اچھی و مرغوب چیز پکے تو یا تو اسے پڑوسی کے گھر بھیجنے کا اہتمام کرو یا اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ پہنچ پائے کہ اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور طمع پیدا ہو اور اس سے ان کو ایذاء اور تکلیف پہنچے، رسول اللہ ﷺ کی ان دو ہدایتوں سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ ﷺ نے ضروری قرار دیا ہے۔

خرائطیؒ نے مکارم الاخلاق میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے "وان اشتریت فاكهةً فاهدله، فان لم تفعل فادخلها سرًّا ولا يخرج بها ولدك ليغيظ بها ولده" (۲)

اور اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کر لاؤ (کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو) اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے دل میں اس کو دیکھ کر جلن ہو۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ماجاء في الجار، حديث: ١٣٥٤٥، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ابوبکر الھذلی ضعیف ہیں۔

(۲) كنز العمال: الاكمال من حق الجار، حديث: ٢٤٩٣٥، علامہ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: اس روایت کی سندیں واہی قسم کی ہیں، لیکن اس کا مختلف سندوں سے مروی ہونا اس کے اصل کے ہونے کو بتاتا ہے: فتح الباری: من كان يؤمن بالله واليوم الاخر، حديث: ٥٥٦٠

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی دیگر دس عورت پر دست درازی کرے اور ایک پڑوسی عورت کے ساتھ کرے تو یہ بڑھ کر ہے اور آدمی دس گھروں سے چوری کرے اور ایک پڑوسی کے گھر سے چوری کرے تو یہ بڑھ کر ہے" ولأن يسرق الرجل من عشره أبيات أيسرله من أن يسرق من بيت جاره" (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کہا گیا: ایک شخص (عورت) رات بھر عبادت کرتی ہے، دن بھر روزہ رکھتی ہے، صدقہ اور دیگر اعمال خیر انجام دیتی ہے، اور اپنی زبان سے اپنے پڑوسی کو تکلیف دیتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لا خير فيها هي من أهل النار" اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ جہنمی ہے اور کہا گیا: فلاں عورت فرض نماز پڑھتی ہے اور صدقہ دیتی ہے اور پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ جنتی ہے۔ (۲)

☆ آدمی کے اچھے اور بھلے ہونے کا معیار یہ بتلایا ہے کہ اس کے پڑوس والے اگر اُسے اچھا سمجھتے ہیں تو وہ اچھا ہے اگر برا سمجھتے ہیں تو وہ برا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: "ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی بھلا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت کا مستحق بنا دے؟ فرمایا: تم اچھے اور بھلے بنو، انہوں نے کہا: مجھے یہ کیسے پتہ ہو کہ میں اچھا اور بھلا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے پڑوس سے پوچھ لو، اگر وہ یہ کہیں تم اچھے اور بھلے ہو تو تم اچھے ہو اور اگر وہ تمہیں برا کہیں تو تم برے ہو" فان قالها انك محسن فانّك محسن وان قالوا انّك مسيئ فانك مسيئ" کہ جو کوئی مسلم انتقال کر جاتا ہے اور اس کے اڑوس پڑوس کے چار قریب گھرانے اس کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ ہم کو صرف ان کی بھلائی ہی

---

(۱) کنز العمال: في حق الجار، حدیث: ۹۲٤۹۰۱، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ منذری اور ہیثمی نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے: فيض القدير: حرف اللام، ۲۵۸/۵، المكتبة التجارية الكبرى، مصر

(۲) الأدب المفرد: باب لا يوذى جاره، حديث: ۱۱۹، علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ: اس کو مسدد، احمد بن حنبل اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے: اتحاف الخيرة المهرة: باب الترهيب من اذى الجار: ۱۸۰/۵

معلوم ہے "انھم لا یعلمون الا خیرًا" تو اللہ عزوجل فرماتے ہیں "میں نے تمہاری بات قبول کرلی" یا یہ فرماتے ہیں: "یہ تمہاری اس کے بارے میں گواہی ہے، اور میں نے اس کی ان چیزوں کو بھی بخش دیا جس کا تم کو علم نہیں۔" (۱)

☆ پڑوسی کی تین قسمیں ہوتی ہیں اور، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "پڑوسی تین قسم کے اور تین درجے کے ہوتے ہیں" ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے اور دوسرا وہ جس کے دو حق ہیں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہیں تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) "وأمّا الذی له حق حق واحد فالجار الکافر له حق الجوار" دو حق والا وہ پڑوسی ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم (یعنی دینی بھائی) بھی ہو، اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوگا اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہو، مسلم بھی ہو، اور رشتہ دار بھی ہو تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔ (۲)

اس حدیث میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ پڑوسیوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں جو اکرام اور رعایت وحسن کی تاکید کی گئی ان میں غیر مسلم پڑوسی بھی برابر کے شامل ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی احادیث کا یہی مفہوم سمجھا ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن اُن کے گھر بکری ذبح ہوئی وہ تشریف لائے

---

(۱) شعب الإیمان: فصل فی ترك الغضب وفی کظم الغیظ، حدیث: ۸۲۷۸، حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، المستدرك : کتاب الجنائز، حدیث: ۱۳۹۹

(۲) شعب الایمان، السابع والستون من شعب الایمان، حدیث: ۹۵۶۰، ابن رجب الحنبلی فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کی مختلف سندیں ہیں متصل بھی اور مرسل بھی اور یہ تمام سندیں کلام سے خالی نہیں ہیں، جامع العلوم والحکم، الحدیث الخامس عشر: ۳۸۱/۱، دار السلام للطباعة والنشر والتوزیع

تو انہوں نے گھر والوں سے کہا: اهديتم لجارنا اليهودي، أهديتم لجارنا اليهودي؟ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کیلئے بھی گوشت کا ہدیہ بھیجا؟ تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کیلئے بھیجا؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں مجھے جبرئیل علیہ السلام (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث بھی قرار دیں گے۔ (۱)

☆ تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے:

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے جو ارشادات یہاں تک درج ہوئے ان کا زیادہ تر تعلق زندگی کے معاملات میں اُن کے ساتھ اکرام ورعایت کے برتاؤ اور حسن سلوک سے تھا، آخر میں آپ ﷺ کا ایک وہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر کسی پڑوس میں بیچارے ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم وتربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت اور اپنی عملی اور اُن کے سدھار اور اصلاح کی فکر وکوشش کریں، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

حضرت علقمہ بن عبدالرحمٰن ایزدیؒ نے اپنے والد عبدالرحمٰن کے واسطے سے اپنے دادا ایزدی خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا: ''کیا ہو گیا اُن لوگوں کو اور کیا حال ہے اُن کا (جنھیں اللہ نے سمجھ بوجھ دیا ہے) وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے اور اُن میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہیں نہ ان کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں، اور نہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں...... اور کیا ہو گیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں...... خدا کی قسم (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ

---

(۱) ترمذی: حق الجار، حدیث: ۱۹۴۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھائیں اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کریں، اور انہیں نیک کاموں کی تاکید کریں اور برے کاموں سے منع کریں...... اور اسی طرح ان کے ناواقف پڑوسیوں کو چاہیے کہ وہ خود طالب دین بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم وفہم حاصل کریں اور اُن سے نصیحت لیں یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں اُن کو دنیا ہی میں سخت سزا دلواؤں گا، لولا أعاجلنّهم بالعقوبه في الدنيا (۱)

☆ ابوجہم العدویؒ نے اپنا گھر فروخت کیا، ان کے پڑوس میں سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ رہتے تھے، اور انہوں نے اس گھر کا ایک لاکھ درہم میں معاملہ کیا تھا، جب خریدنے والے نے یہ رقم لے آئی تو انہوں نے اس سے کہا: یہ گھر کی قیمت ہے، پڑوس کی قیمت دو، اس نے کہا: کونسا پڑوسی؟ انہوں نے کہا: سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ کا پڑوس، اس نے کہا: کیا کبھی کسی نے پڑوس کو خریدا ہے؟ تو انہوں نے کہا: میرا گھر مجھے واپس دے دو، اور مال لے لو، میں ایسے شخص کے پڑوس کو چھوڑ نہیں سکتا، اگر میں بیٹھا ہوتا ہوں تو وہ میرے بارے میں دریافت کرتے ہیں، اور جب مجھے دیکھتے ہیں تو مجھے مبارکبادی دیتے ہیں، اگر میں کہیں چلا جاتا ہوں تو میری حفاظت کرتے ہیں، اگر میں ان کے پاس ہوتا ہوں تو مجھے قریب کرتے ہیں اور اگر ان سے کچھ مانگتا ہوں تو میری ضرورت پوری کرتے ہیں، اگر ان سے کچھ نہ مانگوں تو عطا کرتے ہیں، اگر مجھ پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تب بھی میری مصیبت دور کرتے ہیں "وان نابتني نائبة فرّج عني" (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب في تعليم من لا يعلم، حديث: ۷۴۸، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں بکیر بن معروف ہیں، بخاری نے ان کے تعلق سے کہا، میں ان پر بھروسہ کرتا ہوں، ان کی امام احمد نے ایک روایت میں توثیق کی ہے اور ایک دوسری روایت میں تضعیف کی ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ: میں امید کرتا ہوں کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) قصص العرب: ۸۷

☆ حضرت کعب بن امامة رضی اللہ عنہ جب کسی کے پڑوس میں رہتے ہیں تو اس کی ضروریات کا خیال کرتے اور اس کے مصائب میں کام آتے اور اگر اس کی کوئی چیز برباد ہوگئی ہوتی تو اس کا بدل عنایت کرتے، اگر کوئی ان میں سے مرجاتا تو اس کے اہل کو تسلی اور دلاسا دیتے، ابوداؤد الایادی نے ان کے پڑوس کو اختیار کیا، وہ اپنی عادت کے موافق ان کے پاس آمد ورفت کرنے لگے، ان کا بے انتہا اعزاز واکرام کرتے، اس لئے کہ عرب جب پڑوسی کی تعریف کرتے تو یوں کہتے: " كجار أبو داؤد " ابوداؤد کی طرح پڑوسی ہونا چاہئے۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: " الجار قبل الدار والرفيق قبل الطريق" گھر حاصل کرنے سے پہلے اس کے پڑوس کے بارے میں معلومات حاصل کرلو اور سفر سے پہلے رفیق سفر کا انتخاب کرلو۔ (۲)

ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ: تین چیزیں جب کسی شخص میں ہوتی ہیں تو اس کی عقل اور اس کے فضل کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا جانا چاہئے: جب اس کا پڑوسی، اس کے رشتہ دار اور اس کے دوست واحباب اس کی تعریف کریں " اذا حمده جاره وقرابته ورفيقه "(۳)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے حضور ﷺ سے اپنے پڑوسی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے سامان کو لے جاکر راستہ میں رکھ دو، جس کسی کا بھی وہاں سے گذر ہوگا وہ اس پر لعنت وملامت کرے گا "احمل متاعك فضعه على الطريق مرّ به يلعنه " پھر ہر گذرنے والا اس کو لعنت وملامت کرے گا۔ (۴)

(۱-۲) قصص العرب: ۸۷/۱

(۳-۴) الاداب الشرعية : فصل فی حسن الجوار: ۱۸/۲، مؤسسة الرسالة ، بیروت

یتیموں اور بیواؤں کے احکام

یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی دیکھ بھال کرنے کی حضور ﷺ نے سختی سے تاکید کی ہے۔

☆ آپ ﷺ نے یتیم کی کفالت اور اس کی دیکھ بھال کرنے والے کیلئے جنت کی ضمانت دی ہے، اور اس کو بہترین گھر قرار دیا ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح قریب ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا: اور ان دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی "أنا و كافل اليتيم هكذا "(۱)

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

جو شخص رشتہ دار یا غیر رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے "من كفل يتيمًا له ذو قرابة أو لا قرابة له (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن مالک قشیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے ایسے یتیم بچے کو جس کے ماں باپ مسلمان تھے اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا یعنی اپنی کفالت میں لے لیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بچے کو ان (کی کفالت) سے بے نیاز کردیا یعنی وہ اپنی ضرورت خود

---

(۱) بخاری : باب اللعان، حديث: ٥٣٠٤

(۲) مجمع الزوائد : باب منه في الأولاد والأقارب وفضل النفقة عليهم، حديث: ١٣٤٩٣، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو بزار نے روایت کیا اور اس میں لیث بن سلیم ہیں اور یہ مدلس ہیں۔

پوری کرنے لگا تو اس شخص کیلئے جنت واجب ہوگی "من ضم يتيما بين أبوين مسلمين الى طعامه وشرابه حتى يغنيه الله، وجبت له الجنّة "(۱)

حضرت عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو جس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے "وشرّ بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يساء اليه"(۲)

☆ یتیموں اور بیواؤں کو اپنے کھانے میں شریک کیا جائے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن لوگوں کے ساتھ کوئی یتیم ان کے برتن میں کھانے کیلئے بیٹھے تو شیطان ان کے برتن کے قریب نہیں آتا" ما قعد يتيم مع قوم على قصعتهم فيقرب قصعتهم شيطان " (۳)

☆ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے اور اس کیلئے سایہ اور سہارا ہونے کا ثبوت دے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی سخت دلی کی

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الأيتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں علی بن زید یہ حسن الحدیث ہیں اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) ابن ماجة: باب حق اليتيم، حديث: ۳۶۷۹، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ: عقیلی نے کہا ہے کہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اور منذری نے ابراہیم بن اسحاق الضبی کو ضعیف کہا ہے اور علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس میں اسحاق بن ابراہیم الضبی ہیں اور یہ غلطی کرتے ہیں لیکن ابن ماجہ کی روایت اس کی شاہد ہے: فيض القدير، حرف الهمزه، ۷٤/۱، المكتبة التجارية الكبرى، المصر

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الأيتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں علی بن زید یہ حسن الحدیث ہیں اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

شکایت کی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو "امسح رأس اليتيم واطعم المسكين "(۱)

☆ حضرت بشیر بن عقبہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: میں نے اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، میں نے کہا: میرے ابو کا کیا ہوا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو شہید ہو گئے، تو میں رو پڑا، تو آپ ﷺ نے مجھے پکڑا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، اور فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میں تمہارا باپ ہو جاؤں اور عائشہ تمہاری ماں "أما ترضىٰ أن أكون أبوك وعائشة أمّك " (۲)

ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص رحمت اور شفقت کے ساتھ یتیم کے سر پر ہاتھ رکھے تو جس قدر بالوں پر سے اس کا ہاتھ گذرتا ہے، اس کیلئے اتنی نیکیاں لکھی جاتی ہیں "من وضع على رأس اليتيم ترحمًا كانت له بكلّ شعرة تمرّ بيده عليها حسنة " (۳)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: اس دوران کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکا آیا اور کہنے لگا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک لڑکا یتیم ہے، اس کی بہن یتیمہ ہے، اور اس کی ماں بیوہ ہے، ہمیں آپ کھلایئے اللہ عز وجل آپ کو اپنے پاس سے کھلائے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لڑکے تم نے کتنی اچھی بات کہی، چلو ہم اپنے اہل کے پاس جاتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے لے کر آتے ہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اکیس کھجور لے آئے، اس کو

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الايتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۰۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) شعب الايمان: الخامس والسبعون من شعب الايمان، حديث: ۱۱۰۴۴، مجمع الزوائد: باب ما جاء في الايتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو بزار نے روایت کیا ہے، اس میں ایک غیر معروف شخص ہیں۔

(۳) كنز العمال: الاكمال من الرحمة بالشيوخ، حديث: ٦٠٣٦

حضور ﷺ نے ہتھیلی میں رکھا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کو اپنے منہ کے قریب کیا، ہم یہ سمجھے کہ آپ ﷺ اس میں برکت کی دعا فرما رہے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ: اے لڑکے! سات تو تیرے لئے ہیں، سات تیری ماں کیلئے ہیں، اور سات تیری بہن کیلئے، ایک کھجور سے شام کا کھانا کھانا، اور ایک سے صبح کا، پھر وہ لڑکا حضور ﷺ کے پاس سے واپس ہونے لگا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا، پھر فرمایا: اللہ عز و جل تیری یتیمی کی تلافی کرے اور تیرے لئے تیرے باپ کا نائب بنا دے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اس لڑکے پر بطورِ رحمت اور شفقت کے یوں کیا ہے، تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میری جان ہے، جب کوئی مسلمان کسی مسلمان یتیم کا ولی بنتا ہے تو اس کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے اور اس پر اس کو ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور اس کے ہر بال کے بدلے ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے "و کفّر عنه بكلّ شعرة سيّئة" (۱)

☆ جو بیوہ عورت اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بچوں کی پرورش کو اپنا وظیفہ بنا لیتی ہے تو اس کے بے شمار فضائل و مناقب روایتوں میں آئے ہیں۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور وہ عورت جس کا چہرہ (اپنی اولاد کی پرورش، دیکھ بھال اور محنت و مشقت کی وجہ سے) سیاہ پڑ گیا ہو قیامت کے دن اس طرح ہوں گے، حدیث کے راوی حضرت یزید رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا (مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں، اسی طرح قیامت کے دن آپ ﷺ اور وہ عورت قریب ہوں گے) رسول اللہ ﷺ نے سیاہ چہرہ والی عورت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الايتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے مکمل روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اس کے ابتدائی حصہ کو بیان کیا ہے، اس کی سند میں ابو الورقاء متروک ہے۔

اس سے مراد وہ عورت ہے جو بیوہ ہوگئی ہو اور اس کا حسن و جمال ماند پڑ گیا ہو اور عزت و منصب والی ہونے کے باوجود اپنے یتیم بچوں (کی پرورش) کی خاطر دوسرا نکاح نہ کرے، یہاں تک کہ وہ بچے بالغ ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کے محتاج نہ رہیں یا انہیں موت آجائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو جنت کے دروازوں کو کھولوں گا، لیکن ایک عورت آگے بڑھتے ہوئے آئے گی، میں اس سے کہوں گا: تو کون ہے؟ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ تو وہ کہے گی: میں وہ عورت ہوں جس نے اپنے یتیموں کیلئے شادی نہیں کی "انا امرأة قعدت علی أیتام لی"(۱)

☆ بیواؤں اور مسکینوں کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کا خیال رکھے:

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیوہ عورت اور مسکین کی ضرورت میں دوڑ دھوپ کرنے والے کا ثواب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے ثواب کی طرح یا اس شخص کے ثواب کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات بھر عبادت کرتا ہو "کالمجاھد فی سبیل اللہ أو کالذی یصوم النّھار ویقوم اللیل "(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت کے کسی شخص کی حاجت کی تکمیل کرے جس سے وہ اس شخص کو خوش کرنا چاہتا ہو تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا وہ جنت میں داخل ہوجائے گا " ومن سرّہ ادخلہ اللہ الجنّة "(۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الایتام والأرامل والمساکین، حدیث ۱۳۵۱۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے، اس میں عبدالسلام بن عجلان ہیں، ان کی ابو حاتم اور ابن حبان نے توثیق کی ہے، اور فرمایا: یہ خطا کرتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بخاری: باب الساعی علی الأرملة : حدیث : ۶۰۰۶

(۳) شعب الایمان الثالث والخمسون من شعب الایمان، حدیث: ۷۶۵۳

عیادت اور مزاج پرسی کے آداب

☆ صحت اور بیماری یہ انسانی زندگی کا لازمہ اور خاصہ ہے، بیماری یہ انسان کو نحیف وناتواں اور کمزور بنا دیتی ہے، انسان اپنی اس عاجزی اور کمزوری کی حالت میں دوسروں کے رحم وکرم کا محتاج ہوتا ہے، اس کی اس حالت میں عیادت، مزاج پرسی اور اس کو تسلی آمیز کلمات کے ذریعہ اس کی بیماری اور اس کی تکلیف میں کمی کیلئے کوشش کرنا، جہاں یہ چیز اس کی ڈھارس بندھوائی اور اس کی تسلی کا سامان بنتی ہے وہیں یہ عمل اخروی اعتبار سے بھی نہایت اجر وثواب کا باعث ہے۔

☆ بیمار پرسی کا یہ عمل نہایت عظیم الشان اور متبرک عمل اور عبادت ہے، بیمار کی عیادت کرنے والا جب تک اس عمل میں ہوتا ہے تو وہ جنت کی کیاریوں میں سیر کرنے والا ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان المسلم اذا عاد أخاه المسلم لم يزل في خرفة الجنّة حتى يرجع (۱)
ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو گویا وہ جنت کے نخلستان میں ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح سے لے کر شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو شام سے لے کر صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک باغ متعین فرمادیتے ہیں "وكان له خريف في الجنّة" (۲)

---

(۱) مسلم : باب فضل عيادة المريض ،حديث: ٢٥٦٨

(۲) ترمذی: کتاب الجنائز، باب عيادة المريض ، حديث : ٩٦٩ ،امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حسن اور غریب ہے اور یہ روایت حضرت علیؓ سے کئی ایک طریق سے منقول ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی بیمار کی عیادت کیلئے جاتا ہے تو وہ رحمت میں غوطہ لگاتا ہے اور (جب بیمار پرسی کیلئے) اس کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں ٹھہر جاتا ہے "فاذا جلس عنده استنقع فيها" (۱)

حضرت عمرو بن حزم کی روایت میں ہے کہ: بیمار کے پاس سے اٹھ جانے کے بعد بھی وہ رحمت میں غوطہ لگاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جس جگہ سے عیادت کے لئے گیا تھا وہاں واپس لوٹ آئے "فلا يزال يغوص فيها حتى يرجع من حيث خرج" (۲)

عیادت کی اسی اہمیت اور فضیلت کی بناء پر بعض فقہاء نے مریض کی عیادت کو واجب قرار دیا ہے، خود امام بخاری کا رجحان اسی طرف ہے، چنانچہ انہوں نے عنوان قائم کیا ہے "باب وجوب عیادۃ المریض" (مریض کی عیادت واجب ہونے کے بیان میں) اکثر فقہاء نے عیادت کو مستحب قرار دیا ہے۔ (۳)

مگر عیادت کا واجب اور مستحب ہونا یہ حالات پر موقوف ہے، اگر مریض کے مختلف تیماردار موجود ہوں تو مستحب ہے، کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہ ہو تو واجب ہے، یہی بات علامہ بغوی نے کہی ہے گویا عبادت واجب علی الکفایہ اور مستحب علی العین ہے۔ (۴)

☆ عیادت کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کیلئے جائے تو مختصراً حال دریافت کرنے کے بعد جب مریض اپنی تکلیف بتادے تو اس کے حق میں دعا کرے۔

آپ ﷺ داہنا ہاتھ مریض پر رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ اِذْھَبِ الْبَاْسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ ، شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سُقْمًا

---

(۱) مسند احمد: حديث كعب بن مالك الانصاری، حدیث: ۱۵۸۳۵، عبدالقوی المنذری کہتے ہیں کہ: اس کو امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے: الترغیب والترهيب: كتاب الجنائز وما يتقدمها، حدیث: ۵۲۷۷

(۲) مجمع الزوائد: باب عيادة المريض، حديث: ۳۷۷۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) فتح الباری: باب وجوب عيادة المريض: ۱۱۲/۱۰

(۴) شرح السنة: ۲۱۲/۵

اے اللہ! آپ تمام لوگوں کے پالنہار ہیں، مرض دور فرما دیجئے، اور شفا دیجئے کہ آپ ہی شافی ہیں اور ایسی شفاء نصیب فرما کہ اس کے بعد مرض کا حملہ نہ ہو۔(۱)

اور آپ ﷺ یہ بھی دعا پڑھتے "لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ "(۲)

بیماری سے گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ یہ تمہارے لئے خطاؤں کا کفارہ اور پاکی کا ذریعہ ہوگی۔

ایک صاحب کو آپ ﷺ نے درد کی حالت میں درد کے مقام پر ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ اور سات بار " اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰه وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ "(۳) میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کی پناہ چاہتا ہوں ان تمام چیزوں کے شر سے جو موجود ہیں اور جن کا اندیشہ ہے) پڑھنے کی تلقین کی۔

یہ بھی مستحب ہے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جائے کہ اس سے اس کی تسلی اور تسکین خاطر ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت فرمائی تو ان کی پیشانی پر دستِ مبارک رکھا۔(۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی مسلمان بندہ کسی مریض کی عیادت کرے اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھے "اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ اَنْ يَّشْفِيَكَ "(۵) میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو بڑے ہیں، عرشِ عظیم کے مالک ہیں کہ وہ تم کو شفا دے دیں۔ تو اس کو ضرور شفا حاصل ہوگی۔

---

(۱) ترمذی: باب فی دعاء المریض، حدیث: ۳۶۶۵، امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب عیادۃ الاعراب، حدیث: ۵۳۳۲

(۳) مسلم: باب استحباب وضع یدہ علی موضع الألم، حدیث: ۲۲۰۲

(۴) بخاری: باب وضع الید علی المریض، حدیث: ۵۶۵۹

(۵) ترمذی: باب من باب فی التداوی بالعسل، حدیث: ۲۰۸۳ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے اور امام حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے: المستدرك: کتاب الجنائز، حدیث: ۱۲۶۸

☆ مختصر عیادت کی جائے، عیادت کو طول دینے میں مریض کو پریشانی اور دِقت ہو سکتی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم کسی کی عیادت کیلئے جاؤ تو ہلکی پھلکی عیادت کرو ”من عاد منکم فلیُخفف“ یعنی مریض کے پاس اتنی دیر نہ بیٹھے کہ اس کے آرام میں خلل واقع ہو۔

☆ مسلمان اگر فاسق ہو تب بھی اس کی عیادت کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ بیمار کے ساتھ ہمدردی کا مسئلہ ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ : وجاز عیادة الفاسق علی الأصحّ لانه مسلم، والعیادة من حقوق المسلمین “ (۱)

☆ اسی طرح کافر کی عیادت بھی کی جاسکتی ہے، اس سے اسلام کے اخلاقِ حسنہ کا اظہار ہوتا ہے، جس سے اس کے دخولِ اسلام کی راہ ہموار ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت انجام دیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے ”فاتاہ النبی یعودہ “(۲)

چنانچہ درمختار میں علامہ حصکفیؒ نے مسلمان کی ذمی، نصرانی، یہودی وغیرہ کی عیادت کا جواز لکھا ہے۔

---

(۱) الدر مع الرد، فصل فی البیع: ۳۸۸/۶، دار الفکر، بیروت

(۲) بخاری: باب اذا اسلم الصبی فمات، حدیث: ۱۲۹۰

تعزیت کے آداب

☆ کسی کے غم کے موقع پر تسلّی وتسکین کا سامان کرنا، غم زدہ شخص کی ڈھارس باندھنا، اس کے سامنے تسلی آمیز کلمات کہنا یہ اس کی مصیبت میں تخفیف اور کمی کا باعث ہوتا ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ”من عزّی مصابا فله مثل أجره“ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، اس کو بھی اتنا ہی اجر ہے جتنا خود اس مصیبت زدہ شخص کو مصیبت پر صبر کرنے پر ہے۔(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جس نے بچے کی موت پر اس کی ماں کی تعزیت کی اس کو جنت میں چادر عطا کی جائے گی ”من عزّی ثکلی کسی بردا في الجنّة“ (۲)

☆ جب کسی کے یہاں تعزیت کیلئے جائے سلام ودعا کے بعد ان الفاظ میں اس کو تسلی دے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کو یہ تعزیتی پیغام بھجوایا کہ: ”اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى ، وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى“ (۳)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في اجر من عزی مصاباً، حدیث : ۱۰۷۳، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، یہ مرفوع صرف علی بن عاصم کی حدیث سے منقول ہے اور بعض لوگوں نے اسے محمد بن سوقہ سے اسی سند کے ساتھ موقوفاً روایت کیا ہے، ابن الترکمانی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو مزی نے اپنے اطراف میں ذکر کیا ہے کہ اس کو ثوری نے ابن سوقہ سے روایت ہے، اس طرح یہ ابن عاصم کے دو متابع ہیں جنہوں نے ابن سوقہ سے اس کو روایت کیا ہے: الجوهر النقي: ٥٩/٤، دار الفكر، بيروت

(۲) ترمذی: باب اخر في فصل التعزية: حديث: ١٠٧٦، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(۳) بخاری: باب عيادة الصبيان، حديث: ٥٣٣١

اللہ ہی کیلئے ہے جو اس نے لیا، وہ بھی اسی کا ہے جو اس نے دیا، ہر شیٔ کیلئے اس کے پاس ایک مقررہ وقت ہے، پھر ثواب اور صبر جمیل کی وصیت کرے۔

بعض روایتوں میں تعزیتی الفاظ اس طرح آئے ہیں: ''اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَكَ وَاَحْسَنَ عِزَائَكَ وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ ''(۱)

اللہ تعالیٰ آپ کا اجر زیادہ کرے، اچھی تسلی کا سامان پیدا کرے، آپ کے میت کی مغفرت فرمائے۔

☆ **اہل میت کیلئے کھانا پکوا کر بھیجے :**

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اصنعوا لآل جعفر طعامًا فانّه قد أتاهم ما شغلهم '' آل جعفر رضی اللہ عنہ کیلئے کھانا بناؤ؛ کیونکہ ان پر ایسی چیز آن پڑی ہے جس نے ان کو مشغول کردیا ہے۔(۲)

---

(۱) الدر مع الرد: مطلب في الثواب على المصيبة: ۲/ ۲۴۰

(۲) ابوداؤد : باب صنعة الطعام لأهل الميت ،حديث: ۳۱۳۲، ترمذی : الطعام يصنع لأهل الميت ،حديث: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

رنج وغم کے آداب

انسانی زندگی سراسر مجموعۂ اضداد ہے، خوشی ومسرت اور رنج وغم کا عجیب سنگم ہے، پل میں مصیبت، پل میں راحت، لیکن نہ یہاں کے فرحت وسرور کے لمحات کو دوام ہوتا ہے اور نہ درد والم کے صدمات کو قرار، ساری زندگی ہی تغییر وتبدیل سے عبارت ہے، یہ زندگی اپنی تمام تر مسرتوں وشادمانیوں اور مصائب ومشکلات کے ساتھ پھول اور کانٹے، دھوپ اور چھاؤں کا حسین امتزاج معلوم ہوتی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ خوشی کے لمحات غیر محسوس طریقے پر گذر جاتے ہیں، ایک لمبی مدت بھی خوشحالی وفارغ البالی، ہر طرح کے آسائش وآرام اور ہر طرح کے سامانِ راحت کے ساتھ بالکل معمولی سی نظر آتی ہے، اس کے بالمقابل مصائب ومشکلات کا معمولی سا وقفہ بھی بحرِ حیات میں تلاطم اور ہلچل بپا کر دیتا ہے، مبتلائے درد اور غم آشنائے حیات کیلئے پل پل بھی کوہِ گراں اور بارِ خاطر ثابت ہوتا ہے، اسے انسانی فطرت کہئے کہ وہ آسانی اور خوشی کی خوگر اور عادی ہوا کرتی ہے، امتحان وآزمائش، درد والم اور رنج وغم کی ہلکی سی پُھوار بھی اس کیلئے ساون کی برسات، طوفانِ بلاخیز اور معمولی سی گھڑی بھی سوہانِ روح بن جاتی ہے اور وہ سراپا تصویرِ الم بن جاتا ہے، شکوہ وشکایت سے اس کی زبان معمور ہو جاتی ہے، وہ اپنی پھوٹی قسمت کو کوسنے لگتا ہے۔

لیکن ایک مومن کامل کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ مصائب ومشکلات کی گھڑیوں میں صبر کے دامن کو ہاتھ سے جانے دے، اس کی قوتِ ایمانی، رب کائنات کے ساتھ اس کے لگاؤ وتعلق کی مضبوط کیفیت اسے ان حالات کا پامردی واستقامت کے ساتھ مقابلہ کا سبق سکھاتی ہے، وہ ہر قسم کے

منفی ومثبت احوال کو خدا کی مشیت گمان کرتا ہے، وہ اپنے وجود سمیت اس کو درپیش ہونے والے تمام احوال کو خدائے ذوالجلال اور اس کے مالک حقیقی کا تصرف گردانتا ہے، اس طرح اس کی زبان شکوہ وشکایت، ناشکری اور لعن وطعن کے کلمات سے خالی ہوتی ہے، اور وہ فانی وعارضی مصائب کا ہنسی خوشی مقابلہ کرتے ہوئے راہئ عالم بقا ہوجاتا ہے۔

یہ مصائب ومشکلات، زندگی کے یہ نشیب وفراز، حیاتِ انسانی کو درپیش یہ اونچ نیچ اور اتار چڑھاؤ کی کیفیات، جو بظاہر ناکامی ونامرادی کی تصویر نظر آتے ہیں، اگر ان کے حقائق ومضمرات اور شرعی نقطۂ نظر سے ان منفی احوال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ مصائب مومن کیلئے خیر ہی خیر نظر آتے ہیں ان ہی شرور وفتن کے بطن سے خیر وبھلائی کے پہلو وجود میں آتے ہیں۔

ان مصائب ومشکلات اور غمہائے زمانہ کے تعلق سے علماء نے اس کے خیر وشر ہونے کا یہ معیار بتلایا ہے کہ اگر ان مصائب ومشکلات میں انسان کا رجوع ذات خداوندی کی طرف روز افزوں ہے، اس کی عبادات واطاعات اور ذات باری کے ساتھ اس کے لَو اور لگاؤ میں دن بہ دن اضافہ ہورہا ہے تو یہ مصائب وپریشانیاں اس کے حق میں رحمتِ خداوندی کے عناوین ہیں، اگر وہ گنہ گار ہے تو یہ مصائب اس کیلئے کفارہ سیئات ہیں اور وہ نیکو کار ہے تو بلندئ درجات کا باعث ہیں، اس کے مقابل مشکل کی ان گھڑیوں میں اگر وہ معاصی اور گناہوں میں ہی دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے تو اس کے حق میں عقاب وسزا ہے۔

اسی دستور خداوندی اور قانونِ الٰہی کو آیت کریمہ میں یوں بیان کیا گیا ہے: وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۱) اور ہم ان کو قریب کا عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھادیں گے، تاکہ یہ لوگ باز آویں۔

بہرحال انسان کو اس کی اس زندگی میں مختلف پریشانیوں اور مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ ان مصائب کو کیسے انگیز کرے اور کس طرح ان مسائل سے چھٹکارہ اور نجات کی راہ اپنائے اس کیلئے مندرجۂ ذیل نکات ملحوظ رکھے:

---

(۱) السجدة: ۲۱

☆ ان مصائب کو انگیز کرنے اور ان کو آسان تر بنانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ مومن کیلئے ہر وقت یہ تصور پیش نگاہ رہے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے، یہ دار القرار یا دار البقا (ابدی یا دائمی گھر) نہیں ہے، یہ عمل کی جگہ ہے اور آخرت دار الجزاء ہے، وہاں بدلہ ملے گا، مزدور صبح سے شام تک، کسان بوبائی سے لے کر کٹائی تک تمام تکالیف، سردی کی شدت، دھوپ کی حدت، اور عمل کی محنت اس لئے برداشت کرتا ہے کہ مزدور کو شام ڈھلنے پر اجرت کی امید اور کسان کو کٹائی کے وقت پھل کی توقع ہوتی ہے، مومن بھی دین پر عمل کی راہ میں مصائب کی بھٹیوں میں اپنے آپ کو اس لئے جلاتا ہے کہ اسے گناہوں کے میل سے پاک صاف ہو کر دخولِ جنت کی توقع ہوتی ہے، آخرت کے آرام وراحت اور وہاں کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کے مصائب، بلکہ یہاں کی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی نعمت بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، خدا کا دستور اس دنیا میں یہ ہے کہ جو بندہ جس قدر اللہ عز وجل کا مقرب ومحبوب ہوتا ہے، اسی قدر اسے اس دنیا کے احوال وپریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، حدیث میں مومن کیلئے دنیا کو "قید خانہ" قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ قید خانہ میں آدمی کو گھر کی طرح سہولیات وآرام نہیں مل سکتا۔

چنانچہ احادیث میں مصائب کو خدا سے تقرب ونزدیکی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ مصائب وشدائد میں سب سے زیادہ کون ہوتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ مصائب وشدائد میں انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد درجہ بہ درجہ دوسرے افضل لوگ، آدمی کی اس کی دینداری کے لحاظ سے آزمائش ہوتی ہے، اگر وہ دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ورنہ ہلکی، آدمی پر مصائب کا سلسلہ اس وقت تک رہتا ہے کہ وہ روئے زمین پر بغیر گناہ چلتا ہے "فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض ما عليه خطيئة" یعنی مصائب کی وجہ سے اس کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) ترمذی: الصبر علی البلاء، حدیث: ۲۳۹۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: بڑا بدلہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ جس قوم کو چاہتے ہیں اسے آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں، جو شخص اس آزمائش پر اللہ سے راضی رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی رہتے ہیں اور جو ناراض رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض رہتے ہیں، ”ومن سخط فله السخط“ (۱)

جو شخص مصائب میں دنیا کی عدم پائیداری، اس کے مقابل آخرت کی زندگی کے دوام وبقا اور مصائب میں خدا سے قرب ونزدیکی کے تصور کو ذہن میں رکھے گا، اس کی مشکلیں اس کیلئے کسی حد تک ضرور کم ہو جائیں گی۔

☆ مصائب وآلام اور اس کے درد وکسک کو دور کرنے اور ان مصائب وپریشانیوں کے بادلوں سے لطف خداوندی اور عنایاتِ ایزدی کی بارش کے متلاشی کیلئے یہ بھی ایک آسان نسخہ ہے کہ وہ بیماریوں، پریشانیوں، تنگیوں وتنگ دستیوں میں اجرِ خداوندی، ثوابِ آخرت، گناہوں اور خطاؤں سے پاکی کی بشارتوں کو بھی پیش نظر رکھے، اس طرح اس کے مصائب اس کیلئے ایمان ویقین کی تازگی، فکر آخرت میں اضافہ اور پائے ثبات واستقامت میں مضبوطی کا باعث ہوں گے۔

۱۔ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: مردِ مومن کو جو بھی دکھ درد، جو بھی بیماری وپریشانی، جو بھی رنج وغم اور جو بھی اذیت وتکلیف پہنچتی ہے، یہاں تک کہ جو کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے ”حتی الشوكة يشاكها“ (۲)

۲۔ ایک دوسری روایت میں ہے: بندۂ مومن کو جو بھی کانٹے وغیرہ کی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ عزوجل اس طرح گناہوں کو جھاڑ دیتے ہیں، جیسے سوکھا درخت اپنے پتوں کو جھاڑ دیتا ہے۔ (۳)

---

(۱) ترمذی: الصبر على البلاء، حديث: ۲۳۹۶، امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲-۳) صحیح ابن حبان، باب ما جاء في الصبر، حديث: ۲۹۲۵، محقق شعیب الارنؤوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۳- بعض مومن مرد اور بعض مومن عورتوں پر مصائب وحوادث کبھی ان کی جان، کبھی ان کے مال اور کبھی ان کی اولاد پر اس طرح آتے ہیں کہ (اس کے نتیجے میں اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں) اور وہ مرنے کے بعد اللہ عزوجل سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا "حتی یلقی اللّٰہ وما علیه من خطیئة "(۱)

۴- دنیا کے مصائب اور آزمائشیں آخرت کے عذاب وعقاب کے مقابلے میں کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں رکھتے، بسا اوقات اللہ عزوجل ان تکالیف وبلیات کے ذریعہ بندہ کے ساتھ خیر خواہی کا ارادہ فرماتے ہیں، وہ اس طرح کہ اسے عذابِ آخرت سے بچانے کیلئے اسے دنیا ہی میں اس کے گناہوں کی سزا دے دیتے ہیں اور وہ آخرت کے ہولناک وخطرناک عذاب سے بچ جاتا ہے، "اذا أراد اللّٰہ بعبده الخیر عجّل له العقوبة فی الدنیا" اس کے بالمقابل جب اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا میں اس کے گناہوں کی سزا کو روک لیتے ہیں، اور اسے روزِ قیامت پوری طرح وصول فرماتے ہیں۔(۲)

۵- کبھی یوں ہوتا ہے کہ ایک بندۂ مومن اخروی اعتبار سے ایک مقام ومرتبہ کا حامل ہوتا ہے، وہ اپنی صحت مند، آرام دہ زندگی کے ساتھ اس مقام ومرتبہ کی جانب اس قدر سبک روی اور تیز گامی کے ساتھ بڑھتا ہوا نہیں ہوتا ہے، اللہ عزوجل اسے اس کے طئے شدہ مقام تک پہنچانے کا سامان یوں فرماتے ہیں کہ اس پر مصائب وحوادث کا بوجھ ڈال کر، اسے اندیشہائے زمانہ اور غمہائے زمانہ میں مبتلا کر کے اسے اس کے طئے شدہ مقام تک پہونچا دیتے ہیں۔

اسی کو رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا: جب بندہ اللہ عزوجل کے یہاں ایک مقام ومرتبہ کا حامل ہوتا ہے، جسے وہ اپنے عمل کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ عزوجل خود اُسے یا اس کی جان یا مال یا اس کی اولاد کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، پھر اسے ان مصائب پر صبر کی توفیق

---

(۱) صحیح ابن حبان، باب ما جاء فی الصبر، حدیث: ۲۹۱۳، حاکم نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا اور اس کے ایک صحیح شاہد کے موجود ہونے کو بھی بتلایا ہے: المستدرك: کتاب الجنائز، حدیث: ۱۲۸۱

(۲) ترمذی: باب الصبر علی البلاء، حدیث: ۲۳۹۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

دیتے ہیں، پھر اسے من جانب اللہ طے شدہ مقام تک پہنچادیتے ہیں "حتی یبلّغه المنزلة التی سبقت له من اللہ " (۱)

۶۔ مصائب کے نعمتِ خداوندی ہونے پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے:

جس وقت روزِ قیامت دنیا میں مصائب برداشت کرنے والوں کو ثواب دیا جارہا ہوگا، اس روز اہلِ عافیت بھی یہ چاہیں گے کہ ان کے جسم کی کھال دنیا میں قینچیوں سے کاٹی جاتی، "لو أنّ جلودهم قرضت فی الدنیا بالمقاریض "(۲)

۷۔ ایک روایت میں مصائب ومشکلات کے گناہوں کے ازالہ میں اثر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی حدیثِ قدسی کی شکل میں یوں بیان کیا گیا ہے: کہ اللہ عزوجل یوں فرماتے ہیں: میری عزت وجلال کی قسم جس شخص کی میں مغفرت اور بخشش کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کے جسم کو بیماریوں میں ڈال کر اور اس کی روزی کو تنگ کر کے اس کی ہر غلطی اور گناہ کو مٹا دیتا ہوں۔(۳)

☆ مصائب میں دعاؤں کا اہتمام کرے:

جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ مصائب میں بندہ کا رجوع خدائے ذوالجلال کی طرف بڑھ رہا ہے تو یہ مصائب اس کے حق میں رحمتِ خداوندی کے نزول کے عنوان ہیں

---

(۱) ابوداؤد: باب الامراض، حدیث: ۳۰۹۰، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے خالد کے ان سے صرف ان کے لڑکے محمد نے نقل کیا، اور ان کے باپ کے نام کے سلسلے میں اختلاف ہے اور صحابی کا ابہام نقصاندہ نہیں ہوتا: فتح الباری: ما جاء فی کفارة المرض: ۱۳۲/۱۶

(۲) ترمذی: باب من باب ماجاء فی الصبر علی البلاء، حدیث: ۲۴۰۲، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کو ہم اس سند سے صرف اسی طریق سے جانتے ہیں اور بعض لوگوں نے اسے اعمش عن طلحه بن مصرف عن مسروق سے روایت کیا ہے، امام منذری فرماتے ہیں کہ: اس کو ترمذی، ابن ابی الدنیا نے عبدالرحمٰن بن مغراء کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کے بقیہ رواۃ ثقہ ہیں: الترغیب کتاب الجنائز ومایتقدمها، حدیث: ۵۱۵۹

(۳) الترغیب والترھیب: کتاب الجنائز وما یتقدمها، حدیث: ۵۲۱۳، امام منذری کہتے ہیں کہ: اس کو رزین نے روایت کیا ہے اور میں نے اسے نہیں دیکھا۔

لیکن بندہ چونکہ کمزور وناتواں ہوتا ہے، وہ رحمتِ خداوندی کا ادراک نہیں کرسکتا، وہ اپنی آخرت کے بناؤ وبگاڑ کے پہلو سے واقف نہیں ہوتا، وہ دوسروں کے مانند اپنے کو بھی خوشحال وفارغ البال دیکھنا چاہتا ہے اور وہ حقیقت میں بھی مصائب کو انگیز کرنے کی سکت بھی اپنے اندر نہیں پاتا، اس لئے اللہ عزوجل سے عافیت کو طلب کرتا رہے، دعاؤں کے اہتمام کے ذریعہ بارگاہِ خداوندی میں اس بات کی التجا کرتا رہے کہ اللہ عزوجل اس کی بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت اور بیروزگاری کی نعمت کو روزگاری کی نعمت سے مبدّل کردے، دراصل اللہ عزوجل بندہ کو مبتلائے مصیبت کرکے اس کی عاجزی وبندگی کے مظاہرہ کو دیکھنا چاہتے ہیں، ظاہر ہے دعا سے بڑھ کر اپنی عاجزی وبے بسی کا اظہار بندہ اپنے دوسرے اعمال کے ذریعہ کہاں کرسکتا ہے؟ بلکہ دعا کو احادیث میں حاصل عبادات قرار دیا گیا ہے۔

مصائب میں مبتلا شخص ان دعاؤں کا خوب اہتمام کرتا رہے:

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَاتَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ كُلَّهٗ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید کرتا ہوں تو مجھے پل بھر بھی میرے سپرد نہ کر اور میرا سارا حال درست فرمادے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اے زندہ اور اے قائم رکھنے والے میں تیری رحمت کے واسطے سے فریاد کرتا ہوں۔

اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّیْ لَااُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا! اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں بناتا۔

ان دعاؤں کا مصائب اور پریشانیوں کے دفاع میں خوب اثر ہے، حضور اکرم ﷺ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مصائب اور مشکلات کے وقت انہیں دعاؤں کی تلقین فرمائی تھی۔ (۱)

دعاؤں کے ذریعہ بندہ اللہ عزوجل کے قریب ہوجاتا ہے، اس کے الطاف وعنایات، اور عطایا ونوازشات کے دائرہ میں آجاتا ہے، اس طرح اس کے مصائب آسانیوں سے بدلنے لگتے ہیں۔

---

(۱) حیاۃ الصحابہ عربی: ۵۳۱/۳

☆ مصائب میں نیک لوگوں سے مشورہ کرے:

آدمی خواہ جس قسم کی بھی پریشانی میں مبتلا ہو، خواہ بیماری یا تکلیف میں، یا افلاس وتنگدستی میں یا قرض وبیماری کی پریشانی میں، ان بیماریوں اور پریشانیوں میں آدمی اپنے آپ کو یکا وتنہا تصور کرتا ہے وہ اپنی عقل وتدبیر اور بسا اوقات ہر طرح کے ظاہری اسباب کے اختیار کرنے کے بعد بھی اسے پریشانیوں سے باہر نکلنے کی کوئی صورت یا راہ نظر نہیں آتی، دعاؤں کے خوب اہتمام کے باوجود اس کے مصائب ختم ہونے کا نام نہیں لیتے ان مصائب میں سکون وراحت کے متلاشی کیلئے ایک لازمی امر یہ بھی ہے کہ وہ اس بارے میں نیک لوگوں اور اللہ والوں سے مشورہ طلب کرے، ان کے بتائے ہوئے رہنمایانہ خطوط پر اپنی زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھائے، حضور اکرم ﷺ باوجود کہ آپ ﷺ کو مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن دشوار گذار اور کٹھن مراحل میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کرتے تھے، پھر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، ائمہ کرام اور بزرگانِ دین اور علماء وصلحاء کا بھی معمول رہا ہے کہ وہ مصائب میں اللہ والوں سے رجوع کرتے ہیں۔

☆ مصائب میں تدبیر سے نہ چوکے

پریشان حال شخص اگر بیمار ہے تو یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرا بیٹھا نہ رہے، تقدیر کا بہانہ بنا کر تدبیر سے نہ چوکے، بلکہ علاج ومعالجہ کرے، اگر بے روزگار ہے تو حصول رزق کیلئے سعی وکوشش کرے، اگر اولاد کی نافرمانی سے دوچار ہے تو ان کی اصلاح کی راہیں اختیار کرے، غرضیکہ مصائب کو دور کرنے کیلئے آدمی مذکورہ بالا امور کے ساتھ اپنی مقدور بھر اسباب وذرائع کی دنیا میں کوشش بھی کرے، ہاں البتہ تمام محنت ومجاہدے اور علاج ومعالجہ کے بعد اس کے نتیجے یعنی صحت یابی اور رزق کی کشائش وغیرہ کو اللہ عزوجل کے حوالے کردے۔

تدبیر اختیار کرنا تقدیر سے فرار نہیں ہے، بلکہ بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تدبیر کرنا دراصل یہ اللہ کی تقدیر سے اسی کی تقدیر کی طرف بھاگنا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تدبیر کے اختیار

کرنے پر تقدیر سے فرار کا طعنہ دیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تقدیر سے فرار اختیار نہیں کر رہے بلکہ : نفرٌ من قدرِ اللہِ الٰی قدرِ اللہ ہم اللہ کی تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ (۱)

توکل کی حقیقت بھی دراصل اسباب کو اختیار کرنے کے بعد نتیجہ کو ذاتِ خداوندی کے حوالہ کرنا ہے اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ عزوجل نے محبوب قرار دیا ہے: انّ اللّٰـہَ یُحِبّ الْمُتَوَکِّلِیْن (۲) اللہ عزوجل توکل اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

دراصل اس تحریر کی روشنی میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان کو مصائب کیوں درپیش ہوتے ہیں اور ان مصائب ومتاعب سے انسان اپنے آپ کو کیوں کر نکال سکتا ہے؟ اگر مصائب میں انسان مذکورہ بالا امور کو ملحوظ رکھے تو کچھ بعید نہیں کہ اس کے مصائب نعمتوں سے بدل جائیں یا کم از کم ان مصائب میں ضرور کمی واقع ہوگی۔

---

(۱) بخاری: باب ما یذکر فی الطاعون، حدیث: ۵۳۹۷

(۲) ال عمران : ۱۵۹

مزدوروں کے حقوق

مزدور سماج کا ایک اہم حصہ اور طبقہ ہے، انہیں کے دم قدم سے دنیا میں یہ رونق اور شادابی ہے، یہ بلند قامت عمارتیں، صاف وشفاف سڑکیں، بل کھاتی ہوئی نہریں، سرسبز وشاداب کھیتیاں، حسین وخوبصورت بستیاں، حتی کہ روٹی اور غذا بھی انہیں کے خون پسینے سے حاصل ہوتے ہیں لیکن عجب ستم ظریفی یہ ہے کہ سماج کا یہی طبقہ محرومیوں اور معاشی غیر اعتدال کا شکار ہے، اور خوش حالی اور فارغ البالی سے محروم ہے؛ اس لئے اسلام نے ان کے حقوق بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

☆ اسلام نے مزدوروں کو بلند اور عظیم مقام عطا کیا ہے اور عام طور پر اس طبقہ کو جو حقیر اور کمتر سمجھا جاتا ہے، اس کی نفی کی ہے۔

۱- آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال یا دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس مزدوری کی "انّ موسى اجر نفسه ثماني سنين أو عشرًا، علي عفّة فرجه، وطعام بطنه " (۱)

۲- چھوٹے بچوں، اہل وعیال، ماں باپ اور خود اپنی کفالت کیلئے دوڑ دھوپ اور سعی کرنے کو آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں جد وجہد بتلایا "من سعى على والديه ففي سبيل الله، ومن سعى على عياله ففي سبيل الله، ومن سعى على نفسه ليُعفّها ففي سبيل الله " (۲)

---

(۱) ابن ماجة: عباب اجارة الأجير، حديث: ٢٤٤٤

(۲) المعجم الصغير: من اسمه محمد، حديث: ٤٩٠، ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار، طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے اور اس میں رباح بن عمر ہیں ان کی ابو حاتم نے توثیق کی ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب منه في البر، حديث: ١٣٤١٦

۳- آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پاکیزہ عمل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھوں سے کمائے "عمل الرجل بیده "(۱)

اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں ہی کی کمائی سے کھاتے تھے "انّ نبی الله داؤد کان یأکل من عمل یده " (۲)

۴- اللہ تعالیٰ ایسے مومن بندہ کو پسند کرتا ہے جو صنعت و حرفت سے واقف ہو اور اس سے کام لیتا ہو "ان الله یحبّ العبد المومن المحترف" (۳)

☆ جس کو اجرت پر رکھے یہ خیال ضرور رہے کہ اس کو اتنی اجرت دے کہ اس کی تمام ضروریاتِ زندگی کی تکمیل ہو سکے۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں حضور ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا: اے ربیعہ! کیا تم نکاح نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول ﷺ! میں نکاح کرنا نہیں چاہتا، نہ تو میرے پاس بیوی کی ضروریات کی تکمیل کی سکت ہے اور نہ ہی میں آپ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے میری اس بات سے مجھ سے اعراض فرمایا، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول ﷺ! میں نکاح کرنا نہیں چاہتا، نہ تو میرے پاس بیوی کی ضروریات کی تکمیل کی سکت ہے اور نہ ہی میں آپ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا چاہتا ہوں، تو حضور ﷺ پھر مجھ سے اعراض فرمایا،

---

(۱) مجمع الزوائد : باب أی الکسب أفضل ،حدیث : ۶۲۱۰ ،علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، بزار، طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں مسعودی ہیں اور یہ ثقہ ہیں؛ لیکن ان کو اختلاط ہو گیا تھا اور احمد کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بخاری : باب کسب الرجل وعمله بیده ،حدیث: ۱۹۶۶

(۳) مجمع الزوائد: باب الکسب والتجارة ومحبتهما والحث علی طلب الرزق ،حدیث: ۶۲۳۱ ،علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عاصم بن عبید اللہ یہ ضعیف ہیں۔

کہتے ہیں کہ: پھر میں نے اپنے نفس سے رجوع کیا، پھر میں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ ﷺ میری دنیا اور آخرت کی مصلحت کو زیادہ جاننے والے ہیں، کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں کہا اگر تیسری دفعہ حضور ﷺ مجھ سے دریافت کریں تو میں کہوں گا: ہاں، کہتے ہیں: حضور ﷺ نے مجھ سے تیسری دفعہ کہا: اے ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کروگے؟ کہتے ہیں: میں نے کہا: ضرور، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں، اور جو کچھ آپ کی مرضی ہو، فرمایا: انصار کی بستی میں فلاں کے اہل کے پاس جاؤ "انطلق الى ال فلان الى حىّ من الانصار (۱)

بلکہ روایتوں میں تو ملازموں کو مالکین کے مساوی اور یکساں زندگی گذارنے کے مطابق اُجرت دینے کا حکم دیا گیا ہے، ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: وہ تمہارے بھائی ہیں، جن کو خدا نے تمہارے ماتحت رکھا ہے؛ لہٰذا خدا نے جس کے ماتحت اس کے بھائی کو رکھا ہے، اس کو چاہیے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے، جو خود پہنے وہی پہنائے، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس کیلئے دشوار ہو اور اگر ایسے کام کی ذمہ داری سونپ دی تو پھر اس کی مدد کرے "فليطعمه مما يأكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم ما يغلبهم فأعينوهم" (۲)

☆ اجرت کی مقدار کی تعیین پہلے ہی کردے، اجرت کو مبہم نہ رکھے:

رسول اللہ ﷺ نے کسی مزدور سے کام لینے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کی اجرت واضح کردی جائے، "نهى عن استجارة الأجير حتى يبينّ له أجره" (۳)

---

(۱) المستدرك: كتاب النكاح: حديث: ۲۷۱۸، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۲) بخاري: باب قول النبي صلى الله عليه وسلم العبيد اخوانكم فاطعموهم مما تأكلون حديث: ٤٢٠٧

(۳) مسند احمد: مسند ابی سعید الخدری، حدیث: ١١٦٩٤، محقق شعیب الارنؤوط نے اس کی سند کے انقطاع کی وجہ سے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حضور ﷺ نے مزدور کو اس کی محنت اور مشقت کے مطابق بغیر کسی ظلم یا ٹال مٹول کے اجرت دینے کا حکم کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "أعطو الأجير أجره قبل أن يجف عرقه" (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا دشمن ہوں گا، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی مزدور کو اجرت پر رکھے، اس سے پورا کام لے اور اسے اجرت نہ دے "رجل استأجر اجيرًا فاستوفى منه ولم يعطه منه ولم يعطه أجره" (۲)

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ: اجرت ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں: یا تو خود آجر کام سے پہلے اجرت دیدے، یا مزدور نے پیشگی مزدوری دینے کی شرط لگادی ہو، تو اس کو کام سے پہلے مزدوری دینی ہوگی، یا مزدور اپنے کام کی تکمیل کردے تو کام کی تکمیل پر اجرت ادا کرنی ہوگی۔ (۳)

☆ اس کے ساتھ ساتھ کام کی مقدار کا بھی تعین ہو :

آپ ﷺ نے فرمایا: غلام سے کوئی ایسا کام نہ لو جو ان کی طاقت اور قوت سے باہر ہو۔ (۴)

مثلاً اصولِ صحت کے اعتبار سے جن کاموں کو روزانہ چھ گھنٹے کیا جا سکتا ہے ان کے چھ گھنٹے اور جن کاموں کو آٹھ گھنٹے کیا جا سکتا ہے ان ملازمین کو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوگی، بعض لوگ کم عمر بچوں اور بوڑھوں سے ان کی طاقت اور قوت سے زیادہ کام لیتے ہیں، یہ قانوناً جرم ہے، مستقل ملازمین کیلئے ہفتہ میں ایک دن تعطیل، بیماری اور رشتہ داروں سے ملاقات کیلئے بھی رخصت ہونا چاہئے۔ (۵)

---

(۱) ابن ماجة: باب أجر الأجراء، حديث: ۲۴۴۳، علامہ منذری کہتے ہیں کہ: اس روایت کو ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن بن اسلم سے روایت کیا ہے اور ان کی توثیق کی گئی ہے، ابن عدی نے کہا ہے کہ: ان کی احادیث حسن درجہ کی ہیں اور لوگوں کو ان کے سلسلے میں شبہ ہوا ہے، بعض نے ان کو صدوق کہا ہے اور بعض نے ان کی تکذیب کی ہے: الترغيب: باب الترهيب من منع الأجير أجره والأمر بتعجيل اعطائه: ۲۸۹۱

(۲) بخاری: باب اثم من باع حرًا، حدیث: ۲۱۱۴

(۳) الفتاوى الهندية: ۵۶/۳

(۴) مؤطامالك

(۵) رد المحتار: ۸۰/۳

☆ مزدوروں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کیا جائے:

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: مزدور تمہارے بھائی ہیں "أنّهم اخوانكم" (۱)

قرآنِ کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بحیثیتِ آجر (ملازمت پر رکھنے والے) کی یہ صفتیں بیان کی ہیں "مَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ" (۲) میں تم کو تکلیف دینا نہیں چاہتا، انشاء اللہ تم مجھ کو صالح اور نیک لوگوں میں پاؤ گے۔

☆ خادم کو مار پیٹ نہ کرے، خادم کو مار پیٹ کرنا یہ اس کے ساتھ بدسلوکی اور اس کے حق خدمت کے خلاف ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ایک غلام کو مارا، تو میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی، اے ابومسعود! "انّ الله أقدر منك عليك" اللہ کو تم پر تمہاری اس پر قدرت اور طاقت سے زیادہ طاقت حاصل ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضور ﷺ تھے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ اللہ کیلئے آزاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو تم کو جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ (۳)

اس حوالے سے حضور ﷺ کا خادموں اور نوکروں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "ما ضرب رسول الله شيئا قط بيده ولا امرأة ولا خادما" حضور ﷺ نے کبھی کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ اپنی بیوی کو اور نہ ہی خادم کو۔ (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب في حق المملوك، حديث: ۵۱۵۷، علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور ابوعارم الھانی ان کا نام عبداللہ بن غابر ہے۔

(۲) القصص: ۲۷

(۳) مسلم: كتاب الايمان، باب صحبة المماليك وكفارة من لطم عبده، حديث: ۱۶۵۹

(۴) مسلم: كتاب الفضائل، باب مباعدته للآثام، حديث: ۲۳۲۸

حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حوالے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اخلاق والے تھے، حضور ﷺ نے ایک دفعہ مجھے کسی ضرورت سے بھیجا، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میرا اِرادہ حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے کام کیلئے جانے کا تھا، کہتے ہیں: میں گھر سے نکل کر بچوں کے پاس سے گذرا وہ بازار میں کھیل رہے تھے، حضور ﷺ نے میرے پیچھے آ کر میری گدی کو پکڑا، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ مسکرانے لگے، اور فرمایا: اے انس! میں نے جس کام کیلئے بھیجا تھا اس کیلئے جاؤ "اذهب حيث أمرتك" میں نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں جاؤں گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے حضور اکرم ﷺ کی سات سال یا نو سال خدمت کی حضور ﷺ نے کبھی کسی کام کے متعلق یوں کہا ہو کہ: تم نے ایسا ایسا کیوں کیا اور نہ ہی میرے کسی کام کے نہ کرنے پر یوں کہا ہو کہ تم نے ایسا ایسا کیوں نہیں کیا "هلّا فلعت كذا وكذا"(۱)

☆ کام میں اس کا ہاتھ بٹائے، پورے کام کا بوجھ اسی پر نہ ڈالے، مثلاً وہ کسی بوجھ کو اٹھا رہا ہے اور اس کے اٹھانے میں اس کو کافی مشقت ہو رہی ہے تو تھوڑا ہاتھ خود بھی لگائے، آپ ﷺ نے خادم کے کام میں ہاتھ بٹانے پر اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، ارشادِ نبوی ہے "ما خفّفت عن خادمك من عمله كان لك أجرًا في موازينك"(۲)

☆ اس کے ساتھ یکساں سلوک کرے اس کو نیچ یا کمتر نہ سمجھے حضور ﷺ نے اپنی امت کے خادموں کے ساتھ بھی تواضع اور انکساری کا حکم کرتے ہوئے فرمایا: "ما استكبر من أكل معه خادمه، وركب الحمار بالاسواق واعتقل الشاة فحلبها" وہ شخص کبر سے بری ہے جو اپنے خادم کے ساتھ کھائے، اور گدھے پر سوار ہو کر بازار جائے، اور بکری کو باندھ کر اس کا دودھ دوھے۔ (۳)

---

(۱) مسلم: كتاب الفضائل: باب كان رسول الله أحسن الناس خلق، حديث: ۲۳۱۰

(۲) شعب الايمان: الاحسان الى المماليك، حديث: ۸۲۲۶

(۳) الأدب المفرد: باب الكبر، حديث: ۵۵۰

☆ ملازم کو بھی امانت اور قوت کی صفت سے متصف ہونا چاہئے جو کہ کسی بھی عمل کے انجام دہی کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس بنیاد پر اپنا ملازم متعین کیا، وہ ان کی صاحبزادی کی یہ اطلاع تھی یَآ اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ " (۱) ابا جان! ان کو مزدور رکھ لیجئے، بہترین مزدور جسے آپ رکھیں گے وہ ہوگا جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

یہاں اچھے مزدور کی دو صفات بیان ہوئی ہیں :

ایک تو وہ قوت وصلاحیت کا حامل ہو چنانچہ، غیر اہل کو کسی کام کی ذمہ داری سونپی نہ جائے۔

دوسرے یہ کہ وہ اپنے کام کو بحسن وخوبی اور پوری احساسِ ذمہ داری کے ساتھ، متعینہ وقت پر پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب ؒ لکھتے ہیں کہ "عدل کے ساتھ وزن کرو" میں یہ بھی داخل ہے کہ ملازمین اپنے اوقاتِ ملازمت کا پورا پورا خیال رکھیں۔

امانت میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے مفوضہ کام کی ادائیگی میں رشوت اور الگ سے پیسہ نہ لے، چونکہ رشوت خوری کا یہ عمل شریعت کی نگاہ میں بڑا بھیانک اور دخولِ جہنم کا موجب عمل ہے "الراشی والمرتشی کلاھما فی النار "(۲)

☆ ناجائز ملازمت نہ کرے یا ایسی ملازمت جو گناہ اور معصیت کی وجہ اور سبب بنتی ہو اس سے بھی پرہیز کرے، گناہ کا سبب بننا خود یہ گناہ کرنے کے درجہ میں ہے اس لئے فقہاء نے لکھا ہے: " لا یجوز الاستئجار علی شیئ من الغناء والنوح والمزامیر ولا أجر لھم " (۳)

---

(۱) القصص : ٢٦

(۲) ترمذی: الراشی والمرتشی فی الحکم، حدیث: ١٣٣٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) المبسوط للسرخسی، باب الاجارۃ الفاسدۃ: ١٦/٣٨، دار المعرفۃ، بیروت

مزامیر، نوحہ خوانی اور گانے بجانے وغیرہ کے کاموں پر کسی کو اجیر رکھنا درست نہیں اور وہ اجرت کے حقدار نہیں ہوتے۔

اسی حکم میں سینما ہال کی ملازمت، گانے بجانے کے کام، انشورنس کی ایجنسی اور انشورنس اور بنک کی ایسی ملازمتیں ہیں جن میں سودی کاروبار لکھنا پڑھے یا اس میں سود کا لین دین ہو۔